مرثیہ (۱۲)

جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا
سقّائے اہلِ بیتِ نبی غرقِ خوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا
یارب کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو
ماں باپ سے جدا کوئی گل پیرہن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے

طاقت تھی جس سے شہ کو سفر کر گیا وہ شیر
پیاسا جہان سے لبِ کوثر گیا وہ شیر
خم آ گیا کمر میں شہِ خوش خصال کی
لشکر میں شادیاں تھیں اُدھر غم تھا اس طرف
اُمید اُدھر تھی یاس کا عالم تھا اس طرف
کمریں کسے ہوئے تھا زمانہ جدال پر

مرنا جوان بھائی کا اور اس پہ یہ ستم
اعدا صفیں جمائے ہوئے جنگ پر بہم
نرغے میں اُن کے سبطِ رسالت پناہ تھا
نہ پاس اُنھیں نبی کا نہ مطلق خدا کا ڈر
بانوں میں زور دل میں بدی طینتوں میں شر
پیدا ہوا تھا کفر شرم و حیا ناپدید تھی

اک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستوں ہوا
سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسین کا
جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
پھولا پھلا اُجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسین سے

جس سے مزا حیات کا تھا مر گیا وہ شیر
سقائی کر کے خون میں خود بھر گیا وہ شیر
تصویر مٹ گئی اسدِ ذوالجلال کی
ساماں وہاں تھا جشن کا ماتم تھا اس طرف
اعدا میں عید تھی تو محرم تھا اس طرف
کیا وقت پڑ گیا تھا محمد کے لال پر

پرسا نہ دلدہی نہ تشفی نہ دردِ غم
ہنستے تھے سوگواروں کے رونے پہ دم بدم
مشرب میں جن کے پانی کا دینا گناہ تھا
قرآں سے بے وقوف حدیثوں سے بے خبر
بدکار و بدخصال و بدافعال و بدگہر
سادات ذبح ہوتے تھے اور ان کو عید تھی

کیسے وہ کلمہ گو تھے تعجب کا ہی مقام
اسلام اگر یہی ہی تو اسلام کو سلام
کس جا چھپیں گے روزِ عدالت ضرور ہی
یا منتقم ظہورِ امامِ زماں دکھا
آنکھیں ہیں منتظر رخِ آرامِ جاں دکھا
دشمن رہے نہ ایک شہِ مشرقین کا

اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال
بیٹا وہ نوجواں جسے اٹھارھواں ہو سال
ماں باپ کے لیئے تو اجل کا پیام ہی
بھائی وہ مرچکا ہی کہ تھا جس کے دم سے گھر
اب طالبِ رضائے وغا ہی جواں پسر
پیری میں اس جواں کو بھی کھوئیں تو کیا کریں

قابو ہی اب جگر پہ نہ ہی دل پہ اختیار
ماں باپ سے پسر کو چھڑائے نہ کردگار
راحت ہی گر گلوئے پدر پر چھری چلے
بڑھتا ہی ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نورِ عین
فرماتے ہیں کہ سنتے ہو سیدانیوں کے بین
بھائی جہاں سے جانبِ خلدِ بریں گئے

بیکس پھوپھی کو گھر میں تمھارا ہی انتظار
چھوٹی بہن پکارتی ہی تم کو بار بار
ہم کوئی دم میں آبِ دمِ تیغ پیتے ہیں

مطلع ثانی

کافر بھی لیتے ہیں تو کراہت سے اُن کا نام
کھل جائے گا کھنچے گی جو کل تیغِ انتقام
ہم دور رہیں نہ وہ نہ قیامت ہی دور ہی
اب دم لبوں پہ ہی درِ امن و اماں دکھا
پھر برقِ ذوالفقار کو آتش فشاں دکھا
اُس دن غلام سوگ اُتاریں حسین کا

ہوتی ہی کیسی الفتِ فرزندِ خوش جمال
کیا ہوگا نورِ چشمِ رسولِ خدا کا حال
دشمن بھی رونے لگتے ہیں یہ وہ مقام ہی
سیدھی ابھی ہوئی نہیں ٹوٹی ہوئی کمر
نوکوں میں برچھیوں کی ہی شبیر کا جگر
کیوں منصفو کہو جو نہ روئیں تو کیا کریں

یہ مرحلہ وہ ہی کہ ہیں صابر بھی بے قرار
زخمِ سنان و تیغ گوارا یہ ناگوار
جو ہو سو ہو مگر نہ جگر پر چھری چلے
خیمے کو تکنے لگتے ہیں منہ پھیر کر حسین
عباس کے الم میں یہ برپا ہی شور و شین
پرسے کو بھی چچی کے تم اب تک نہیں گئے

دھڑکے سے ماں کے دل کو نہیں ایک دم قرار
دیکھ آؤ اپنے چاہنے والوں کو میں نثار
یہ چند دم تمھارے بھروسے پہ جیتے ہیں

اصغر کو دیکھو عابدِ مضطر کی لو خبر
سمجھاؤ بی بیوں کو کہ پیٹیں نہ اپنا سر
رانڈوں کے تم پسر ہو یتیموں کے تم پدر
گھر تھامتے ہیں باپ کا ذی مرتبہ پسر
کس کو یہ داغِ پیرِ فلک نے دیا نہیں
سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہیں

تم سے بھی کم تھے عمر میں جب ہم ہوئے یتیم
ماں بھی نہ تھی یہ اور تھی اک آفتِ عظیم
ہم دونوں بھائیوں کے جگر غم سے تھے دو نیم
پر ہر بلا میں حافظ و حامی رہا کریم
رانڈوں کو یہ الم ہے کہ منہ موڑے جاتے ہیں
ہم نوجواں ہیں تم سا پسر چھوڑے جاتے ہیں

کنبے کی جان باپ کا اقبال گھر کا نور
یوسف جمال صاحبِ توقیر ذی شعور
جرّار و بردبار و دلاور سخی غیور
آنکھوں کی روشنی جگر و قلب کا سرور
خرد و کلاں کو اجرِ زیارت حصول ہے
تم ہو تو اہلِ بیت میں گویا رسول ہیں

نعمت ہے زیست خلق میں ایسے سعید کی
پیدا ہے نورِ رخ سے ضیا صبحِ عید کی
تھی سب کو آرزو رخِ روشن کی دید کی
تصویر ہو رسولِ خدائے مجید کی
کیونکر جدا نگاہ سے بیٹا کریں تمھیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمھیں

راحت کے دن ہیں آمدِ فصلِ شباب ہے
پہلا ابھی کتابِ جوانی کا باب ہے
اٹھارھویں (۱۸) برس کا بھلا کیا حساب ہے
بے حاشیہ ابھی ورقِ آفتاب ہے
نقطے ہیں خال کے خطِ عنبر فشاں نہیں
ہالا نشاں ہوا ابھی پورے جواں نہیں

اکبر تمھاری قدر نہیں ہے کسی کو آہ
اس سن کا بشر نہیں کوئی خدا گواہ
ہوتے جو لوگ احمدِ مرسل کے خیر خواہ
تم کو سمجھتے ثانیِ پیغمبرِ الٰہ
آنکھوں پہ رکھتے فخر سے نعلین پاک کو
اکسیر جانتے انھیں قدموں کی خاک کو

جینے کی اب خوشی ہے نہ دنیا کی ہے ہوس
ہے دل کو شوقِ آبِ دمِ تیغ ہر نفس
بچھڑیں گے تم سے گر ہے تو صدمہ یہی ہے بس
جیتے تو کرتے بیاہ تمھارا اسی برس
دولھا بنا کے شانِ شہانی بھی دیکھتے
طفلی تو دیکھی حسن جوانی بھی دیکھتے

پھولو پھلو کہ زینتِ باغِ جہاں ہو تم
شاداں رہے گی روح کہ راحت رساں ہو تم
گر ہم نہیں تو خانۂ زہرا میں تم رہو
اکبر کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ کلام
فرزندِ ارجمند ہیں سجادِ نیک نام
اس امر سے فزوں کوئی شرمندگی نہیں
بندے ہزار ہم سے نثارِ سرِ حضور
روشن جو ہے جہان اسی دم کا ہے ظہور
ظلمت نہ دے خلق شہِ دیں کی ذات ہے
رونق زمیں کی ہے کہ امامِ زماں ہیں آپ
بحرِ جہاں ہیں باعثِ امن و اماں ہیں آپ
فردوس کی ابتری ہے جو دفتر کشا نہ ہو
افضل ہے کون سبطِ رسالت مآب سے
سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے
چھٹ کر پدر سے باپ کے پیارے کہاں ہیں
دم سے حضور کے ہے غلاموں کی ہست و بود
اے چشمۂ عطا و کرم بحرِ فیض و جود
سب خلق شاہِ دیں سے طلبگارِ عون ہے
پھر زیست کیا کرے وہ جو بعد آپ کے جیے
غیروں نے آج پائے مبارک پہ سر دیئے
اب پنجتن کا خاتمہ ہے کوئی آن میں

آخر ہے عمر پیر ہیں ہم نوجواں ہو تم
مرنے کے بعد باپ کا نام و نشاں ہو تم
اب زندگی یہی ہے کہ دنیا میں تم رہو
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
اکبر تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اک غلام
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں
دنیا ہو اور آپ ہوں اے کبریا کے نور
ذرہ ہر اک ہے نورِ قدم سے چراغِ طور
دنیا میں آفتاب نہ ہو جب تو رات ہے
سایہ ہے جس کا عرش پہ وہ آسماں ہیں آپ
شیرازۂ صحیفۂ کون و مکاں ہیں آپ
کیونکر تھمے جہاز اگر ناخدا نہ ہو
دنیا میں ہے تو یہ برکت ہے جناب سے
ذروں کی زندگی ہے فقط آفتاب سے
جب آسماں نہ ہو تو ستارے کہاں ہیں
مولا ہیں اس جہاں میں ہر رحمت و درود
دریا اگر نہ ہو تو حبابوں کی کیا نمود
جب نوح غرقِ خوں ہو تو کشتی کا کون ہے
کھائے غم اور خونِ جگر عمر بھر پیے
بچپن سے ہم نے باندھی ہے تلوار کس لیے
پھر بھی یہ معرکہ کبھی ہوگا جہان میں

سب بھائی بندقتل ہوئے رن میں تشنہ لب
خادم کو بھی سعادتِ عقبیٰ کی ہے طلب
کہیئے نہ یہ کہ ساتھ نہ دو تشنہ کام کا
سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے
سیراب ہونے دیجے شہادت کے جام سے
دیکھے گا کون لوٹنے فوجیں جو آئیں گی
عابد خدا کے فضل سے ہیں صابروں میں فرد
لیں گے وہ تیمی و غربت میں گرم و سرد
وہ آلِ مصطفےٰ کا مدار المہام ہو
خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سرخرو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگجو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے
طے ہو یہ مرحلہ جو کریں پرورش حضور
کوشش میں اس طرف سے تو مطلق نہیں قصور
نہ زندگی نہ جاہ و حشم چاہتا ہوں میں
ماں کا پھوپھی کا پیار ہوا اب حق میں میرے زہر
آبِ فرات کی نہیں اب تشنگی میں نہر
مٹی ملے تو سبطِ پیمبر کے ہاتھ سے
دیجے رضا سے حرب کہ مرتا ہے اب غلام
چپ ہو رہینگی سن کے پھوپھی آپ کے کلام
مانے گا وہ ادب سے جو صابر ہے اہل ہے

حضرت مجھے بچاتے ہیں کیوں اس کا کیا سبب
دیجے رضا جہاد کی بہرِ رسولِ رب
مُنہ سے نکل پڑے گا کلیجہ غلام کا
زندہ وہی ہے پہلے مرے جو امام سے
آقا یہ بوجھ اُٹھ نہ سکے گا غلام سے
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائینگی
مظلوم بُردبار غم انگیز اہلِ درد
ہم اور کام کے نہیں لایق بجز نبرد
جو ہو پسر امام کا خود بھی امام ہو
پھر کس کو منہ دکھاؤں گا یا شاہِ نیک خو
غصّے سے جوش کھاتا ہے اب جسم کا لہو
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے
خلد بریں بعید نہ باغِ ارم ہے دور
ای آفتاب ذرہ نوازی ہے اب ضرور
آقا کی اک نگاہِ کرم چاہتا ہوں میں
امداد کا مقام ہے اب یا امامِ دہر
جنت میں شہد و شیر کی خالق دکھائے نہر
پانی پیوں تو ساقیِ کوثر کے ہاتھ سے
خیمے میں چلیے لیکے مجھے یا شہِ انام
بن جائے گا زباں کے ہلانے میں میرا کام
مشکل کشا کے لال کو ہر امر سہل ہے

بولے بہا کے اشک شہنشاہِ نامور
سچ ہو بھلا تمھیں مرے دل کی ہو کیا خبر
اس معرکے سے جو نہیں واقف وہ آپ ہیں
کھوتا ہو اُس کو کوئی بڑھاپے کی ہو جو آس
صابر وہ ہر بلا میں ہیں جو ہیں خدا شناس
مشہورِ خلق بیٹے کا اور ماں کا پیار ہو

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے فرزندِ نیک نام
تنہا یہاں نہ چھوڑے گا حضرت کو یہ غلام
کرتے ہو رحم حال پہ مظلوم باپ کے
فرما کے یہ چلے طرفِ خیمہ شاہِ دیں
پہونچا قریبِ در جو محمدؐ کا نازنیں
لوگو بُلاؤ اکبرِ یوسف جمال کو

بنتِ علی کے پاس ہو بانو بھی بے حواس
زینب سے عرض کرتی ہو رو کر وہ حق شناس
کہتی ہیں چین اب مجھے دم بھر نہ آئے گا
فضہ نکل کے خیمے سے باہر خبر تو لا
سنتی ہوں میں کہ شاہ سے ہیں طالبِ رضا
چلیے نہیں پھوپی کو نہ پھر پائیے گا آپ

بیٹے سے مُڑ کے کہتے گئے شاہِ بحر و بر
نازک ہو عورتوں کا دل اے غیرتِ قمر
ان کو ہو اور فکر تمھیں کچھ خیال ہو
مرنے کی تم کو ماں سے دلائے رضا پدر
پوچھو یہ اس سے جس کا جواں ہو کوئی پسر
بیٹا ہمارے حق بطرف ہو کہ باپ ہیں

ہم ہیں تو بات کرنے کے مطلق نہیں حواس
اچھا یہی خوشی ہو تو جاؤ پھوپھی کے پاس
طے ہو یہ مرحلہ بھی تو پھر اختیار ہو
خیمے میں چلیے ساتھ مرے یا شہِ انام
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ تشنہ کام
پھر کون ساتھ دے گا مرا بعد آپ کے

گردن جھکائے ساتھ تھا فرزندِ مہ جبیں
تھم کر سُنا تو کہتی ہیں یہ زینبِ حزیں
کیوں رن میں اتنی دیر لگی میرے لال کو
بیٹے میں جان پیا سے لب خشک جی اُدھر
گُڑھیے نہ ہوں گے اکبرِ مہرو پدر کے پاس
نکلوں گی خود اگر علی اکبر نہ آئے گا

آنے میں دیر کیوں ہوئی یہ ماجرا ہو کیا
پوچھیں تو کہیو نزع میں ہو بنتِ مرتضیٰ
جب دم نکل چکے تو چلے جائیے گا آپ
کیوں گفتگو پھوپی کی سُنی تم نے اے پسر
ماں کی ابھی رضا نہیں اور پیٹتی ہیں سر
رخصت وہ دیں گی مرنے کی جن کا یہ حال ہو

آساں اسے سمجھتے ہو تم ای پدر کی حال
اظہار ماں سے مرنے کی رخصت کا الاماں
بتلائیے گرے گا جو یہ غم کا آسماں
کیونکر جیے گی زینبِ ناشاد و ناتواں
تم زندگی ہو دخترِ شبیرِ الٰہ کی
کیسی رضا وہاں تو دعائیں ہیں بیاہ کی

ہم کو نہ ساتھ لیکے چلو بہرِ کردگار
اچھا ہمیں نظر نہیں آتا مآلِ کار
پردہ اٹھا کے شہ سے یہ بولا وہ ذی وقار
چلیئے تو آپ خیمے میں یا شاہِ نامدار
دامانِ ابنِ فاطمہ پر ہاتھ چاہیئے
مشکل ہو جب تو عقدہ کشا ساتھ چاہیئے

زینب جو بیحواس کھڑی تھیں قریبِ در
اکبر کا روئے پاک انہیں آگیا نظر
جلدی بلائیں لیکے پکاری وہ نوحہ گر
صدقے پھوپھی اس آنے کے ای غیرتِ قمر
خوشبو مہک رہی ہے رسالت مآب کی
ڈیوڑھی میں روشنی ہے مرے آفتاب کی

اکبر نے کی یہ عرض کہ حاضر ہوا غلام
حضرت کو لیکے آیا ہوں ای آسماں مقام
مژدہ سنا جو یہ تو پکاری وہ تشنہ کام
آنکھوں پہ فرق پر قدمِ قبلۂ انام
رونا مرا سنا تھا تو گھبرا کے آئے ہو
صدقے تو ہوں کہ تم مرے بھائی کو لائے ہو

ڈیوڑھی میں آئے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
تھامے تھا ہاتھ باپ کا فرزندِ مہ جبیں
شوقِ لقائے شہ میں بڑھی زینبِ حزیں
بھائی کے گرد پھر کے پسر کی بلائیں لیں
سوزش نہ وہ رہی جگر و دل کے داغ میں
گویا بہار آگئی پژمردہ باغ میں

بیت الشرف میں آئے جو شبیرِ خوش خصال
رانڈوں کو روتے دیکھ کے صدمہ ہوا کمال
بڑھ کر پھوپی سے بولے یہ اکبر بصد ملال
چلیئے ذرا الگ تو کہوں کچھ پدر کا حال
سب گھر نثارِ حضرتِ شبیر کیجیے
لٹنے کا طور ہے کوئی تدبیر کیجیے

بڑھ کر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جاں
گھبرا کے دیکھنے لگی بیٹے کے منہ کو ماں
آہستہ اُن سے رو کے یہ بولا وہ نوجواں
رن میں چلے تھے مرنے کو شاہنشہِ زماں
میں پاؤں پر گرا ہوں جو تشریف لائے ہیں
گھر میں حسین آخری رخصت کو آئے ہیں

غربت میں جو مریں گے شہنشاہِ بحر و بر
اس وقت کس سے ہیں کہیں دردِ دل و جگر
اٹھ جاؤں اس جہان سے بابا کے سامنے
امّاں قیامت آتی ہے جاتی ہے آبرو

ھَل مِن مُبارز کا اُدھر غل ہے چار سو
کفّار لوٹ لینگے محمّد کی آل کو
دیتے نہیں رضا جو مجھے شاہِ حق شناس
کہیئے امید کس سے رکھیں اور کس سے آس

حق بھی ادا ہوئے نہ شہِ خوش خصال کے
حضرت کے پیار کی ہے بدولت یہ رنج و غم
ہے اب نفس کی آمد و شد خنجرِ دو دم
کیا لطفِ زیست وقت جو رخصت کا ٹل گیا

مرتے جو سر کٹا کے تو ہوتا ہمارا نام
جو دونوں صاحبوں کی رضا کیا کرے غلام
آساں ہے جبر دل پہ اگر اختیار ہو
مہماں ہیں کوئی دم کے شہنشاہِ بحر و بر

صدقے کیئے پھوپی نے تو حضرت پہ دو پسر
بیٹوں میں کس کو سبطِ نبی پر فدا کیا
ہوتا ہے معرکے میں محبّت کا امتحاں
بے جاں ہوئے جو دشمنِ سر دادنیش جاں

گھر اپنا فاطمہ کی بہو نے ڈبو دیا
پھر کون سر پرست ہے کس سے تھمے گا گھر
مانگو دعا کہ باپ سے پہلے مرے پسر
میرا گلا کٹے شہِ والا کے سامنے

اک جان بابا جان کی اور سیکڑوں عدو
دیکھو نہ اب رکیں گے شہنشاہِ نیک خو
دو کو خدا کے واسطے زہرا کے لال کو
کہتا ہوں صاف میں کہ فقط آپکا ہے پاس

ہم کو تو اب حصولِ سعادت سے بھی ہے یاس
خوب آبرو حضور نے دی ہم کو پال کے
گھر بھی چھٹا پدر بھی کہیں کے رہے نہ ہم
مرجاؤں گا ابھی قدمِ پاک کی قسم

بابا اُدھر گئے کہ اِدھر دم نکل گیا
خیر اب تڑپ کے خاک پہ ہو جائینگے تمام
لیکن جگہ ہے صبر کی ہمت کا ہے مقام
کیجیئے وہ کہ فاطمہ سے آنکھ چار ہو

رخصت کو گھر میں آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
امّاں جگہ حجاب کی ہے سوچیئے اگر
بتلایئے کہ آپ نے زہرا سے کیا کیا
اب گھر میں کس کے پاس ہے فرزندِ نوجواں

چرچا یہی کریں گی وفادار بی بیاں
فرزند کو بچا لیا وارث کو کھو دیا

چھاتی پہ رکھیے صبر کی سِل بہرِ کردگار
کہیے کہ آپ کرتے ہیں کیوں عزمِ کارزار
کام اس سے کیا زباں کو جو باتیں رکیک ہوں
زہرا کے بعد قافلہ سالار ہیں یہی
کہنے کو سب ہیں پر مری مختار ہیں یہی
ارشاد یہ کریں تو نثارِ امام ہوں

کانپا یہ سُن کے بانوئے ناشاد کا جگر
ٹپکا کے اشک آنکھوں سے بولی وہ نوحہ گر
بیجا ہلاک کوئی بھی کرتا ہے آپ کو
یہ ذکر تھا اُدھر کہ پکارے امامِ دیں
آپہونچے متصل درِ خیمہ کے اہلِ کیں
رخصت کو آئیں جو مرے نازوں کے پالے ہیں

اکبر پھوپی کو دیکھ کے بولے کہ ہے غضب
دوڑے ہے سروں کو کھولے ہوئے اہلِ بیت سب
بیٹے نے تھامے ہاتھ شہِ کربلائی کے
شانے پہ منہ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے بانوئے خستہ تن
دُکھ درد میں پدر کے پسر کام آتے ہیں

شہ نے کہا بہن مجھے اس کا نہیں خیال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہوتے ہیں سب نہال
شادی کے دن ہیں یہ غریب الوطن کی ہے

لے چلیئے مجھ کو پیشِ شہنشاہِ نامدار
حاضر ہے صدقے ہونے کو آقا یہ جاں نثار
لیکن یہ شرط ہے کہ پھوپھی بھی شریک ہوں
ہاں رُتبہ دانِ سیدِ ابرار ہیں یہی
ماں ہیں یہی پھوپھی یہی غمخوار ہیں یہی
بیٹا ہوں آپ کا مگر ان کا غلام ہوں

کی بنتِ فاطمہ کی طرف یاس سے نظر
ہے اے یہ کیا کریں کہ مصیبت میں ہے پدر
کس طرح چھوڑے نرغۂ اعدا میں باپ کو
لو الوداع اے حرمِ ختمِ مرسلیں
لے آؤ جامۂ کہن اے زینبِ حزیں
اکبر کو دیکھو یہ تمھارے حوالے ہیں

لو آفت آئی گھر پہ چلے شاہِ تشنہ لب
بانو گری تڑپ کے قدم پر بصد تعب
زینب نے سر جھکا دیا سینہ پہ بھائی کے
اماں کی تم سے بو مجھے آتی ہے اے بہن
آقا ابھی تو زندہ ہے اکبر سا صف شکن
آپ ان کے ہوتے کس لیے میداں میں جاتے ہیں

ہے تم کو صابروں کی طرح صبر میں کمال
خود چاہتا ہوں میں کہ یہ گُل ہو نہ پائمال
صدمہ مجھے یہ ہے کہ ریاضت بہن کی ہے

بولی وہ عندلیبِ چمن پرورِ بتول
طرہ وہی ہی سب پہ میسر چڑھے جو پھول
ای نخلِ باغِ فضل و گلِ گلشنِ رسول
داغِ گلِ ریاضِ تمنا پہ دل قبول
شادی سدا نہیں چمنِ روزگار میں
روئے خزاں ہیں شہ جو ہنسا ہو بہار میں

کیجے کنیز کی نہ ریاضت کا کچھ خیال
صدقے گلِ ریاضِ نبی پر ہزار لال
بھائی پہ آ بنی تو بھتیجے کا کیا ملال
اُن کو بھی صدقہ ہونے کی ہی آرزو کمال
ہاں دل تو چاہتا ہی کہ دم بھر جدا نہ ہوں
کام آئیں غیر جب تو یہ کیونکر فدا نہ ہوں

گر کر قدم پہ شہ کے یہ بولا وہ نوجوان
بس اب رضا جہاد کی دیں قبلۂ زماں
صدمہ ہوا پھوپھی کے جگر پر کہ الاماں
کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے ماں
خوں گھٹ گیا امامِ زماں زرد ہو گئے
اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

اکبر بھرے جو گردِ قدم سے اُٹھا کے سر
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
ای نورِ عین ای سببِ قوتِ جگر
کیا اپنا زور خیبر جہاں سے کرو سفر
بس قطع ہو گئی جو توقع تھی آپ سے
اٹھارھویں برس میں بچھڑتے ہو باپ سے

نقصان کو نسا تھا جو مرتے پدر کے ساتھ
ہوتا سناں پہ چاند سا سر میرے سر کے ساتھ
افسوس زخمی ہو گیا دل بھی جگر کے ساتھ
زینب ہماری جان چلی اس پسر کے ساتھ
کنبے کی جان آنکھوں کا تارا یہی تو تھا
بابا کی زندگی کا سہارا یہی تو تھا

تم سے بھی رُک سکا نہ یہ دلبر ہزار حیف
کچھ کر سکی نہ بانوئے بے پر ہزار حیف
خالی ہوا بس آج بھرا گھر ہزار حیف
لو صاحبو چلے علی اکبر ہزار حیف
یہ آفتاب اب کوئی دم میں غروب ہی
دولھا بنا کے مرنے کو بھیجو تو خوب ہی

خلعت پنھایا ماں نے وہ کپڑے اُتار کے
رکھا عمامہ فرق پہ زلفیں سنوار کے
زینب پکاریں ہاتھوں کو چھاتی پہ مار کے
سہرا بھی باندھو سر پہ مرے گلعذار کے
بولا پسر کہ عزم ہی اب رزم گاہ کا
اماں کفن پنھا دو یہ خلعت ہی بیاہ کا

سجنے لگا یہ کہہ کے وہ صفدر سلاحِ جنگ
پہنی زرہ تو دل کو وغا کی ہوئی اُمنگ
بڑھ کر چلے جو قبلۂ دیں کے سلام کو
غل پڑ گیا کہ خلق سے اکبر کا کوچ ہے
لُٹتا ہے گھر شبیہ پیمبر کا کوچ ہے
اِس کربلا میں کونسی کرب و بلا نہیں

حلقے سے بی بیوں کے جو نکلا وہ آفتاب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب
تڑپا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے
تھرّا کے عرض کی خلفِ مرتضیٰ ہیں آپ
شہ نے کہا مسافرِ ملکِ بقا ہیں آپ
الفت نہیں یہ پاسِ رسالت مآب ہے

صدقہ میں اس لحاظ کے اے رتبہ داں مرے
مہرو مرے حسین مرے شیرِ ژیاں مرے
طاقت تھی جس سے دل کو وہ دولت بچھڑ گئی
آتے ہیں ہم بھی خیر سدھارو سفر کرو
تینوں میں آفتاب عبا سینہ سپر کرو
اک جا ہے پہ غنچۂ خاطر کھلے نہیں

کیونکہ یہ صدا اُٹھے نہ جگر سے ہزار حیف
پانی کو اس شباب میں ترسے ہزار حیف
گو نہر تھی قریب مگر دسترس نہ تھا

رکھا جو خود سُرخ ہوا اور رُخ کا رنگ
تن کر چلے لپٹ گئی بر سے قبائے تنگ
تڑپا دل اس طرح کہ غش آیا امام کو
لو روشنی چلی مہِ انور کا کوچ ہے
گلزارِ مرتضیٰ کے گلِ تر کا کوچ ہے
کٹتا ہے وہ نہال جو پھولا پھلا نہیں

ہمراہ تھے پسر کے امامِ فلک جناب
گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب
سر رکھ دیا پسر نے قدم پر امام کے
کعبہ ہیں آپ یا شہِ دیں رہنما ہیں آپ
ہم صورتِ جنابِ رسولِ خدا ہیں آپ
ایسے سعید لال کی خدمت ثواب ہے

عاشق مرے شفیق مرے مہرباں مرے
پیری میں باپ کیا کرے اے نوجواں مرے
میں تو یہ جانتا ہوں کہ دنیا اُجڑ گئی
اچھا بساؤ دشت کو ویران گھر کرو
پھر دیکھ لے یہ باپ ذرا منہ ادھر کرو
مدّت گزر گئی کہ گلے سے ملے نہیں

خدمت بھی کچھ ہوئی نہ پدر سے ہزار حیف
پیاسے چلے حسین کے گھر سے ہزار حیف
تم خوب جانتے ہو کہ بابا کا بس نہ تھا

کوثر پہ جا کے کہیو علی سے ہمارا حال
کٹ جائے میرا حلق کہ لاشا ہو پائمال
ان کے قدم تھمیں جو کوئی دستگیر ہو
یہ کہہ کے خود سوار کیا نورِ عین کو
روتا اُس آفتاب نے چھوڑا حسین کو
قدسی درود پڑھتے تھے چہرے کے نور پر

وہ شوخیاں سمندِ فلک سیر کی وہ چال
مرکب جو بے عدیل تو راکب بھی بے مثال
بجلی کی زرق برق تھی ساز و یراق پر
پھیلی ہوئی تھی دشت میں زلفِ رسا کی بو
غل تھا یہ بو ہے سلسلۂ مصطفےٰ کی بو
حلقے نہیں یہ گیسوئے عنبر سرشت کے

صدقے ہے عود عنبر سارا نثار ہے
حلقہ ہے جو وہ نافۂ مشکِ تتار ہے
ہمسر نہیں جو گیسوؤں کے پیچ و تاب سے
پیدا ہے زلف و روئے منور سے شانِ رب
یہ لطف روزِ عید و شبِ قدر میں ہے کب
رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم میں

معراج مصطفےٰ کی یہ شب ہے تو وہ سحر
ہے زلف و رُخ مفسّرِ واللیل والقمر
دن جس کا ہے سعید مبارک وہ رات ہے

لال آپ کا بلا میں ہے یا شیرِ ذوالجلال
حضرت کو اپنی بیبیوں کا چاہیے خیال
ایسا نہ ہو کہ دُخترِ زہرا اسیر ہو
کس صبر سے ادا کیا خالق کے دین کو
روشن ضیائے رخ نے کیا مشرقین کو
گھوڑے پہ آپ تھے کہ تجلی تھی طور پر

پیلِ دماں کہیں کہیں ضیغم کہیں غزال
رعب و ہیبت و دبدبہ و سطوت و جلال
غل تھا چڑھے ہیں احمدِ مرسل براق پر
کچھ بو بھی گیسوؤں کی تو کچھ کربلا کی بو
مٹی ہے اس کے سامنے مشکِ ختا کی بو
دیکھو کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

جنگل ہے مشک بیز ہوا مشکبار ہے
سنبل کا اس کے سامنے کیا اقتدار ہے
مخفی ہے آج تک شبِ قدر اس حجاب سے
نکلا ہے آفتاب میانِ سوادِ شب
ہے دو طرف تو چین و ختا بیچ میں حلب
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم میں

زیبا ہے اس کو کہیے اندھیرے کا چاند اگر
اے خضر ہاں ظفر کا وسیلہ ہے یہ سفر
ظلمت کو طے کیا تو پھر آبِ حیات ہے

پہلو میں دن کے رات زہے شانِ کارساز
یوسف جو دیکھ لے تو جھکائے سرِ نیاز
افزوں ہے سب سے رونقِ دینِ شہِ حجاز
زیبا ہے گورے رُخ پہ غضب گیسوئے دراز
اب تو نظر پہ یہ شبِ معراج چڑھ گئی
حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا رات بڑھ گئی

کیوں زلف کی ثنا میں اُلجھتے ہیں موشگاف
سلجھا ہوا بیاں ہو تو مضموں ہو صاف صاف
تعقید سر بسر ہے فصاحت کے برخلاف
باریک سخن کی ہیں راہیں خطا معاف
فکریں رسا ہیں جن کی یہاں وہ بھی ہیچ ہیں
رشتہ تو بال بھر کا ہے اور لاکھ پیچ ہیں

وہ خود فرقِ پاک پہ وہ چاند سی جبیں
پرتو سے جس کے غیرتِ مہتاب ہے زمیں
قرآں کی لوح مطلعِ نو آفتابِ دیں
آئینۂ حلب۔ یدِ بیضا۔ مہِ مبیں
اس کو جو اس جبیں کے برابر نہ دیکھتا
پھر اپنے آئینہ کو سکندر نہ دیکھتا

ابرو ہے یا کھنچی ہوئی شمشیرِ تیز دم
صانع نے ایک لوح پہ رکھے ہیں دو قلم
پایا بھلا کمانِ کیانی نے کب یہ خم
کیا متصل ہے گوشہ سے گوشہ زہے حشم
مُدّت کھنچے تو پھر کششِ ان کی یہاں نہ ہو
قرباں ہو لاکھ بار تو خاطر نشاں نہ ہو

خمدار وہ بھویں وہ جبینِ قمر مثال
تابندہ ایک چاند کے پیچھے ہیں دو ہلال
مطلع ہے صاف غور سے بینا کریں خیال
نقطہ ہے نورِ حسن کا ابرو پہ ہے جو خال
خوبی میں وہ تو یہ ہمہ تن لاجواب ہے
دیوانِ حسن میں یہی بیت انتخاب ہے

ہے آسمانِ حسن و شرف یہ فلک جناب
ابرو ہیں دو ہلال تو پیشانی آفتاب
منظور شمسی و قمری کا ہو گر حساب
ہاں دیکھ لیں رُخِ خلفِ ابنِ بوتراب
باریک ہیں سمجھ گئے مطالب انیس کا
اُنتیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

مانندِ شانہ گر ہمہ تن ہو کوئی زباں
تو بھی مژہ کا وصف سرِ مو نہ ہو بیاں
قربانِ حسنِ صنعتِ خلاقِ انس و جاں
پروا ہے بہرِ چشم کبھی گاہ سائباں
موئے نگینِ دُرِّ یمینِ نجف یہ ہے
آنکھوں پہ اس کو رکھتے ہیں مردم شرف یہ ہے

اس چشم کو وہی کہے نرگس جو ہو بصیر؟
کیوں ہر نہ گرد ہو کے نگاہوں میں ہوں حقیر
اس نور کے مکاں سے نکلنا فضول ہے
دکھلاتی ہے بیاض و سواد ان کی شانِ رب
پائی کسی ہرن نے یہ چشمِ سیاہ کب
دیکھیں جو رعبِ شیرِ نیستاں غزال ہوں
بیمار کہتے ہیں شعرا چشم کو جو سب
دارالشفا یہ خود ہیں پئے بندگانِ رب
چشمک ہے ان کو عیسیِ گردوں پناہ سے
آنکھیں وہ نرگسی جنھیں دیکھے سے ہو سرور
یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور
حق بیں ہیں حق شناس ہیں ہیچ داں پست ہیں
ضیغم نظر ہیں صاحبِ رعب و جلال ہیں
یہ نشۂ رحیقِ جوانی سے لال ہیں
پتلی نہیں یہ چشمِ سیہ کے حجاب میں
جاگے ہیں رات کے تو نقاہت ہے آشکار
مستانہ ہے یہ طور کہ جھکتے ہیں بار بار
روئے ہیں فرقتِ شہِ عالی جناب میں
رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے
ذرّوں کو سر چڑھائے یہ کس کو دماغ ہے
دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی

پیش نظر یہ دیدۂ حق بیں ہیں بے نظر
یہ عینِ مردمی ہے کہ مردم ہیں گوشہ گیر
گھر بیٹھے ان کو سیرِ دو عالم حصول ہے
دن کے قریب صبح سحر کے قریب شب
پیدا ہے ان سے عینِ علی کا جلال سب
دنیا ہو غرقِ خوں جو یہ غصہ سے لال ہوں
صحت میں اس کی شک ہے غلط ہو تو کیا عجب
دیدار ان کی ہر مریض کی صحت کا ہے سبب
مُردے جلا دیئے ہیں کرم کی نگاہ سے
روشن میانِ کعبہ ہیں یا دو چراغِ طور
کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغرِ بلور
ہشیار کیوں نہ ہوں مئے عرفاں سے مست ہیں
ہاں شیران کے غیظ کے آگے غزال ہیں
ساحر بھی ہیں تو ساحرِ سحرِ حلال ہیں
پنہاں ہے روئے حضرتِ یوسف نقاب میں
ڈورے جو سرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار
آنسو ہیں یہ صدف میں ہیں یا دُرِّ شاہوار
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں
خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے
وہ گل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

گل سرخ رو ہوا نہ کبھو اُن کے سامنے
بے رنگ ہو گلاب کی بو اُن کے سامنے
خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے
آیا لبوں کا ذکر بس اب ناطقہ ہو بند
کیا لطف گر مزہ نہ اُٹھائیں سخن پسند
اعجاز ہو زبانِ بلاغت نظام میں
مشکل ہو وصفِ گوہرِ دندانِ بے مثال
اس طرح ہیں صاف کے جو ملنے کا ہو خیال
قبضے میں آسماں کے خزانے زمیں کے گنج
اعجاز دونوں ہاتھوں میں مشکل کشا کا ہو
گھر بازوؤں میں قوتِ خیرالوریٰ کا ہو
کیوں شور ہو نہ ان کے قدم کے ثبات کا
پڑتا ہو ماہِ رُخ کا جو پرتو ادھر اُدھر
گرتے ہیں کانپ کانپ کے سو سو ادھر اُدھر
غل تھا عمر کا سر ابھی لائیں جو زور ہو
دیکھو تو منصفو یہ ملک ہو بشر نہیں
سب محو ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں
وقتِ ادب ہو ہاتھ سے تیغ و تبر رکھو
نکلا لگائے چترِ زری ابنِ سعد شوم
تنہا وہ اک جواں یہ ادھر فوج کا ہجوم
پیارا ابھی پسر ہو شہِ مشرقین کا

مخفی چمن کا روئے نکو اُن کے سامنے
باغِ بہشت ساختہ رو اُن کے سامنے
تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہرا کے باغ کے
ہو بے نمک یہ بات کہوں گر نبات و قند
خود ہر سخن سے ان کے فصاحت ہو بہرہ مند
قرآں کی ساری شکل ہو ان کے کلام میں
غواصِ بحرِ حسن دکھا اپنا کچھ کمال
بھر دے گا موتیوں سے دہن فاطمہ کا لال
ہنس ہنس کے یہ لٹاتے ہیں دُرِّ ثمیں کے گنج
زور ان کلائیوں میں شہِ لافتیٰ کا ہو
سینہ نہ جانیو یہ خزانہ خدا کا ہو
جس سے بندھا ہوا ہو سفینہ نجات کا
پھرتی ہو چاندنی کی طرح ضو ادھر اُدھر
لشکر میں بے وغا ہی روارو ادھر اُدھر
اس کو نگاہِ بد سے جو دیکھیں تو کور ہو
چہرے پہ ضو یہ ہو کہ مجالِ نظر نہیں
پھر کون ہو پیمبرِ برحق اگر نہیں
آئے رسول دوڑ کے قدموں پہ سر رکھو
بولا یہ کیا ہراس ہو شیرو یہ کیا ہو دھوم
کھوتے ہو آبروئے دلیرانِ شام و روم
خوش ہو کہ خاتمہ ہوا فوجِ حسین کا

تلواریں تو نیاموں سے جلدی پرے جماؤ
ہاں اے کماں کشو قدر انداز یاں دکھاؤ
گر نورِ احمدی کی جہاں میں ضیا نہ ہو
لالچ میں آئے سُن کے یہ باتیں وہ زبردست
دریا پہ کچھ سوا ہوا پہلے سے بندوبست
جنگل تھا سب سیاہ ہجومِ سپاہ سے

اس طرح بڑھ کے ہٹتے تھے وہ بانیِ حسد
پیاسے پہ آئے تیر اُدھر سے جو لاتعد
دیکھا نگاہِ قہر سے ہر نابکار کو
اللہ رے ہیبت رجز خوانیِ ہزبر
چھائی ہوئی تھی فوجِ ضلالت مثالِ ابر
غل تھا کہ سب علی کا جلال آشکار ہے

نعرہ کیا جو مثلِ علی آسماں ہلے
سینوں میں دل ہلے تو صفوں میں نشاں ہلے
گردن نہ اُن کی اُٹھتی تھی جو سربلند تھے
بعدِ ستائشِ اب و جد شیرِ نر بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک اُدھر سے اِدھر بڑھا
یوں خندہ رو گیا وہ جری رزمگاہ میں

نیزوں سے روکنے لگے ڈر ڈر کے سب سوار
سب کی نظر میں کوند گئی برقِ ذوالفقار
غل تھا کہ سربلند ہے جو وہ بھی پست ہے

نیزے ہلا ہلا کے سوار و ادھر کو آؤ
فرزندِ فاطمہ کے پسر کا لہو بہاؤ
انعام پھر وہ دوں جو کسی نے دیا نہ ہو
سمجھے کہ اس طرف ہے ظفر اُس طرف شکست
جھومے یلانِ فوجِ ستم مثلِ پیلِ مست
کوسوں چھپی ہوئی تھی ترائی نگاہ سے

اُٹھتا ہے جس طرح کہ سمندر سے جزر و مد
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے کہا یا علی مدد
گویا خدا کا شیر بڑھا کارزار کو
جھنجلا کے گونجتا ہو نیستاں میں جیسے ببر
جو منچلے تھے فوج میں بڑھتا تھا اُن پہ جبر
فقرہ ہر اک رجز کا نہیں ذوالفقار ہے

تھرّائی یہ زمیں کہ کڑک کر مکاں ہلے
کیا منہ کسی کا تھا کہ دہن میں زباں ہلے
اللہ رے رعبِ نطق فصیحوں کے بند تھے
ہٹتی ہوئی گھٹا کی طرف جوں قمر بڑھا
جرّار تیغ تولے ہوئے بے سپر بڑھا
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی سپاہ میں

صفدر نے بڑھ کے میان سے لی تیغِ آبدار
ٹوٹے علم گرے جو الف ہو کے راہوار
اکبر نے دی صدا یہ نشانِ شکست ہے

فرما کے یہ کمر میں رکھی اسپ کی لجام
سُرعت وہ رخش کی وہ درخشانیِ حُسام
دُلدُل کی چال جو وہ چلن بادپا کا تھا

کہنی تک آپنے جو اُلٹ لی تھی آستیں
رُکے تھے منہ پہ خوف سے ڈھالوں کو اہلِ کیں
افزوں تھی اُنگلیوں کی ضیا شمعِ طور سے

ناگہ چلی میانِ دوصف تیغِ شعلہ ریز
آئی چمک چمک کے سروں پر جو تیغِ تیز
سالم تھے نخل قد پہ نشانِ ثمر نہ تھا

بڑھتے تھے یوں کہ شیر جھپٹتا ہے جس طرح
بانھ اُڑتے تھے شجر کوئی چھٹتا ہے جس طرح
جو او بچی دو چار ہوا صاف چار تھا

تھی استخوانِ شانہ سپر اُس کے سامنے
مودار سب تھے کاسۂ سر اُس کے سامنے
آفت کا کاٹ قہر کا خم منہ بلا کا تھا

آئی جو سن سے سینہ کی جانب اُڑا کے سر
مرکب نے کی نظر سوئے راکب ہلا کے سر
ظالم نئی طرح سوئے دوزخ روانہ تھا

برسا رہی تھی دشت میں وہ شعلہ رو لہو
تا سینہ اُس طرف تو اِدھر تا گلو لہو
بہتا تھا خوں زمیں پہ جو اہلِ خلاف کا

پھرنے لگا نظر کے اشارے میں خوش خرام
اِک برق کوندتی تھی میانِ سپاہِ شام
بجلی کی تھی جو تیغ تو گھوڑا ہوا کا تھا

اِک زلزلہ تھا کانپتی تھی دشت کی زمیں
ہنس ہنس کے دیکھتے تھے علی اکبرِ حسیں
جنگل میں روشنی تھی کلائی کے نور سے

دم بھر میں گرم ہو گیا ہنگامۂ ستیز
اِن میں سے ایک کو نہ ملی مہلتِ گریز
دونوں صفوں میں ایک کی گردن پہ سر نہ تھا

ہٹتے تھے دل کہ ابر سمٹتا ہے جس طرح
یا نرم خامہ تیغ سے کٹتا ہے جس طرح
فولاد مومِ خام سکیلۂ خنیار تھا

دامِ زرہ تھا سنبلِ تر اُس کے سامنے
ڈھیلی گرہ تھا بندِ کمر اُس کے سامنے
سب تنگ ڈھنگ ضربتِ مشکل کشا کا تھا

دھڑ سے گرا سمند کی ٹاپوں پہ آ کے سر
نکلی وہ تیغِ تیز بغل سے جھکا کے سر
سر تھا نہ صدر تھا نہ کمر تھی نہ شانہ تھا

حیدر کا لال بیچ میں تھا چار سو لہو
کوسوں تھا سرزمینِ عرب میں لہو لہو
فرطِ خوشی سے سرخ تھا چہرہ مصاف کا

جب آئی سن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی
اڑ کر صفوں کے بیچ سے ناگن نکل گئی

یوں چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی
شہ رگ سے جان، صدر سے گردن نکل گئی

سالم رگیں نہ جسم کی نہ استخواں رہے
ٹوٹے قفس میں طائرِ وحشی کہاں رہے

اللہ ری تیزیٔ دمِ شمشیرِ سرشگاف
قبضہ میں جس کے حکم قضا تھا بسانِ قاف

دریائے خوں میں پیر کے نکلی دمِ مصاف
پھر منہ لہو پیئے پہ جو دیکھا تو پاک صاف

نسبت تھی ذوالفقار سے اس بے عدیل کو
دھبّا کہیں لگا ہے نجیب و اصیل کو

تھا نہرِ علقمہ کے قریں بحرِ خوں کا اوج
تھے آگے پیچھے دست بریدہ بسانِ موج

سر صورتِ حباب نمایاں تھے فرد و زوج
طوفانِ آبِ تیغ میں ڈوبی ہوئی تھی فوج

بھاگیں تو گھاٹ تیغ کا مانعِ راہ تھا
خشکی میں فوجِ شام کا بیڑا تباہ تھا

پھول اڑ گئے پھل اس کا جو چمکا سپر کے پاس
نکلی اُدھر سپر سے کہ آپہونچی سر کے پاس

سر سے اُتر گئی دلِ بیداد گر کے پاس
دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس

کھولا کمر کا بند تو در آئی زین میں
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

اب دم نہ کچھ بڑھ کے قضا اس سے کہہ گئی
ندّی لہو کی دشت پر آفت میں بہہ گئی

کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی

غصّہ میں مثلِ برق قرار اس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا

پھل اس کا نہ سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا

دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا

دم میں نہ وہ غرور نہ وہ خودسری رہی
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی

جنگل میں چار سمت لہو کے چمن بنے
جو خیرہ سر تھے نقشِ فنا اُن کے تن بنے

مُردوں نے شکست پا کے وہ پیماں شکن بنے
چار آئینے جو قبر تو جوشن کفن بنے

کشتوں پہ پشتے لاشوں پہ لاشوں کا بار تھا
عصیاں کا اُس پہ بوجھ غضب کا فشار تھا

بل کھا کے اُس طرف سے کوئی بل بڑھا اگر
چمکی جو تیغ برق سی کوندی اِدھر اُدھر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
قبضوں میں تیغیں چھپتی تھیں دہشت تھی اس قدر
یہ خوف تھا کہ زیں سے نکلتے نہ تھے تبر
ہر اک کمند دام بلا میں اسیر تھی
نصرت جلو میں گھوڑے کے پھرتی تھی مثلِ باد
تھی یہ ظفر کی عرض کہ یا خالقِ عباد
پامال کرکے یوں اُٹھیں یہ مہ لقا پھرے
چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
بجلی تھی اک پری کی تکلم پہ کہ اس کی تاب
جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا
پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزاں بھی بہار بھی
پانی نے اس کے آگ لگا دی زمانے میں
کرتی تھی پائمال صفوں کو وہ برق سیر
نہ خود کو پناہ نہ اُس سے سپر کی خیر
سکّے پڑے تھے اکبرِ غازی کی حرب کے
تیر افگنانِ کوفہ و شام و عراق و رے
قادر ہیں مثلِ حکمِ قضا یہ خجستہ پے
پچھتائے علمِ تیر میں برسوں گزار کے

پہونچا تمنار اُڑ کے برابر وہ شیر نر
آئی لہو میں پیر کے وہ ماہیِ ظفر
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو
گرد اپنے آپ کرتی تھی گرد اوری سپر
سہمے تھے تیر یوں کہ اُٹھا سکتے تھے نہ سر
واں خود اماں کی طرح کماں گوشہ گیر تھی
کہتی تھی فتح آج بر آئی مری مراد
جلدی شکست پائیں یہ سب بانیِ فساد
جس طرح جنگ بدر سے شیرِ خدا پھرے
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
تیزی زباں میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا
غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
اک آفتِ جہاں تھی لگانے بجھانے میں
دہشت سے تھا سپاہِ شقاوت کا حال غیر
چار آئنہ سے لاگ تھی اُس کو سپر سے بیر
لوہا بھی دب گیا تھا یہ معنی ہیں ضرب کے
چلاتے تھے رہے گی کشاکش یہ تا بکے
سر کاٹے اُس نے تیر چلے اس طرف سے جو
بس پھینک دو چڑھے ہوئے چلے اُتار کے

نیزوں کے بند بند قلم برچھیاں دو نیم
چار آئنہ کٹے ہوئے گرزِ گراں دو نیم
سالم تھا پیشِ آئینہ تیغ جو نہ تھا
وہ تیغ جب بڑھی صفِ کفّار ہٹ گئی
دم بھر میں یوں صفوں کو اُلٹ کر پلٹ گئی
دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
گیتی ہلا دی نعرۂ ضرغامِ دہر نے
مانگی پناہ چھوڑ کے ساحل کو بحر نے
گھر امن کا جو بحر میں نایاب ہو گیا
بولے نہنگ خوب نہیں یہ اگر مگر
برپا ہے شاہیوں کے ستم سے یہ شور و شر
چشمہ ہے یا محیط ہے شطّ ہے کہ نہر ہے
ہل چل ہوئی غضب کی صفِ کارزار میں
پوشیدہ مارے خوف کے اژدر تھے غار میں
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
جب کوند کر سمند یہاں سے وہاں گیا
جھاڑیں جو پتلیاں تو نظر سے نہاں گیا
غل تھا وہ آ کے دیکھ لے اس بادپا کے پاؤں
سرعت سے شرمسار نسیمِ سحر ہوئی
تن سے عرق کی بوند جو ٹپکی گہر ہوئی
گھوڑا نہ کہیے تختِ سلیماں روانہ تھا

مثلِ قلم زبانِ درازِ سناں دو نیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلواں دو نیم
لشکر میں کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا
چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی سمٹ گئی
رن کی زمیں لہو کے ڈریڑوں سے کٹ گئی
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا
گھیرا اک کو حضرتِ باری کے قہر نے
گرداب کو سپر کیا سینے پہ نہر نے
کا نہیں یہ مچھلیاں کہ جگر آب ہو گیا
اب تم نکل کے بحر سے بر میں بناؤ گھر
لڑتے ہیں اپنے حق پہ یداللہ کے پسر
اس کے گواہ ہم ہیں کہ زہرا کا مہر ہے
دیکھے نکل کے شیرِ نیستاں کچھار میں
جنگل سمٹ کے چھپنے لگا کوہسار میں
رہی یہ مچھلیاں تھیں سمندر فرات میں
ثابت نہ کچھ ہوا کہ اِدھر آیا کہاں گیا
گھوڑا براق بن کے سوئے آسماں گیا
دیکھے نہ ہوں زمانہ میں جن نے ہوا کے پاؤں
آنکھوں میں پھر گیا نہ مژہ کو خبر ہوئی
جب خاک اُڑی اِدھر تو دُم اُس کی چنور ہوئی
اُس کے لیے تو جنبشِ رگ تازیانہ تھا

له دو دو کنارہ دریا ۱۲
ٹ ایک جانور بشکل موش ہوتا ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے ۱۲

باریک جلد وہ کہ خجل تاقم و حریر
حلقے سے یوں نکل گیا جیسے کماں سے تیر
یوں فتح ساتھ ساتھ تھی اُس راہوار کے

تلوار تھی جو ابر تو گھوڑا بھی برق تھا
کچھ اس میں اور ابر میں مطلق نہ فرق تھا
پا کھر تھی موتیوں کی عرق جسمِ پاک پر

تھا اس گروہ میں یہ تلاطم یہ انتشار
بولا یہ فوج سے عمرِ سعد نابکار
یہ اکبرِ جری کی اجل کا بہانہ ہے

یہ سُن کے فوج سب متوجہ ہوئی اُدھر
نیزے پہ آگے آگے تھیں رہزنوں کے سر
قامت سے شانِ عمرِ شقی آشکار ہے

وہ خود جس کو دیکھ کے مرحب ہو سرنگوں
قتال بدمزاج و مہیب و سیہ دروں
تیغ و سناں میں یہ شانِ نریمان و گیو تھا

بعد از سلام بڑھ کے عمر نے کیا بیاں
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے بولا وہ پہلواں
عباس ہے کہ فاطمہ کا نورِ عین ہے

کاٹے ہیں جب سے دستِ علمدارِ نامور
پوچھا شقی نے ہوئے گا سن اس کا کس قدر
اٹھارہواں یہ سال ہے سن کے حساب میں

مشکیں پر نارِ آہوئے رم خوردہ شیر گیر
آتش مزاج باد یہ پیما فلک مسیر
جیسے پیادہ چلتا ہو آگے سوار کے

مثلِ عروس زیورِ خوبی میں غرق تھا
دو گام اس کو فاصلۂ غرب و شرق تھا
آئی تھی باد تند فرس بن کے خاک پر

ناگہ اُٹھا جو شام کی جانب سے اک غبار
بھیجی کمک یزید نے لوشکرِ کردگار
آیا وہ پہلواں جو وحیدِ زمانہ ہے

دیکھا کہ اک جواں ہے فرس پہ بہ کر و فر
پیچھے ہیں دو ہزار جوانانِ پُر جگر
سمجھے یہ سب کہ رخش پہ رستم سوار ہے

کیفِ شرابِ غیظ سے آنکھیں دو جامِ خوں
یکتاش و خیلتاش سے بھی توش میں فزوں
کہنے کو آدمی یہ حقیقت میں دیو تھا

آپ آئے کیا کہ آگئی مرتے ہوؤں میں جاں
سرگرمِ کارزار ہے یہ کونسا جواں
کی عرض اُس شقی نے کہ ابن الحسین ہے

سرگرمِ کارزار ہے یہ شاہ کا پسر
اُس نے کہا جواں نہیں پورا یہ پُر جگر
سبزہ ابھی نمود ہے باغِ شباب میں

بولا شقی کہ فوج کا لڑکے سے ہے یہ حال
تب شمر نے کہا کہ یہ ہیں شیرِ حق کے لال
سر بر ہو کون قہرِ خدا ہے دغا نہیں
ناری کے آگ لگ گئی سُن کر علی کا نام
پھر کیا اگر علی کا خلف ہے یہ تشنہ کام
پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے

یہ کہہ کے پھر کیا کمر آہنی کو چُست
سارے قوی تھے مگر عقل سخت سُست
کوڑا کیا فرس کی جو باگ اس نے پھیر کے
آیا اُڑا کے رخش وہ جس دم قریبِ زد
پُشتی پہ ہوئے شیرِ الٰہی سا جس کا جد
دریائے موج خیز یہ تھے وہ حباب تھا

بڑھکر ہٹا لرز کے جو سنبھلا وہ پُر غرور
آمد میں وہ شکوہ و تعلّی وہ مکر و زور
سرکش زمیں پہ گر کے سنبھلتا نہیں کبھی
مقدور پر بھی کرتے ہیں عاقل فروتنی
ہم سے زیادہ کون ہے تلوار کا دھنی
دیکھا نہ راستی کا مزہ کج ادائی میں

سب جانتے ہیں دستِ علی کی صفائیاں
عالم کے سرکشوں نے شکستیں اُٹھائیاں
مدحِ علی رسولِ خدا کی زباں پہ ہے
ٹوٹے ہیں مورچے صفِ لشکر ہے پائمال
طفل و جوان و پیر ہیں اس گھر کے بے مثال
اس پر کہ تین روز سے پانی ملا نہیں

بولا بگڑ کے وہ کہ مرے منہ پہ یہ کلام
کرتی ہے شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
اُڑ دوں گا اب فرس سے سر اُس کا اُتار کے
آلاتِ حرب تن پہ کیئے سر بسر درست
سر میں وہی غرور وہی غرّہ نخست
ہر صف میں غل ہوا کہ چلا منہ میں شیر کے

ہمشکلِ مصطفےٰ نے کہا یا علی مدد
ہوتا ہے کیا حریف کرے لاکھ جد و کد
زہرہ شقی کا آنکھ ملاتے ہی آب تھا
بولے یہ مسکرا کے علی اکبرِ غیور
گرجا تھا اس قدر تو برسنا بھی تھا ضرور
نخلِ غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی

عاجز ہیں سب خدا کی مگر ذات ہے غنی
چلتے ہیں جھک کے صورتِ شمشیرِ آہنی
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
سر کیں نبی کے سامنے کیا کیا لڑائیاں
بدر و احد میں خون کی نہریں بہائیاں
لاسیف و لافتیٰ کی صدا آسماں پہ ہے

عزّہ ہمیں نہیں تجھے دعویٰ ہی گر تو آ
آمادہ تو دیکھی جنگ کا بھی کچھ ہنر دکھا
ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرزِ گاؤ سر
آیا ادھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
بھالا سنبھالا دشمنِ ایماں نے مل کے ہاتھ
پہلے ہی پک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی ور ہیں گروہ زیادہ تھا
رکھ کر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجلا کے پھر کمند
گردش بھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ گھٹ گئے
ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کماں میں تیر
سرکش خدنگِ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
زبان زور و ضربتِ نصرت نشان کے
خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کماں
سینہ ادھر اُٹھی تھی کہ جھکی ادھر سناں
بھالا یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر

تیری طرف یزید ہماری طرف خدا
مالک تجھے سقر میں بُلاتا ہے جلد جا
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں
اکبر نے دوشِ پاک سے لی ہاتھ میں سپر
دو ہو گیا عمود مثالِ خیارِ تر
سمجھے یہ سب نے میں یہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پاؤں تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
نیزے کے بند بند کا توڑا ان کو یاد تھا
ٹھہرا کے خود اماں نے صدا دی کہ الحذر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی
کھولے تمام نیزۂ بیدادگر کے بند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے میں کٹ گئے
تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
چلہ کٹا کمان کا زہے تیغِ بے نظیر
کھل کر قفا سے بندھ گئے بازو کمان کے
نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
بھالے کی نوک جھونک نئی تھی نئی نکال
ناوک زمیں پہ تھا تو کماں آسمان پر

ہاں اے محیطِ طبع روانی دکھا مجھے
ہاں اے زبان سیف زبانی دکھا مجھے
تلواریں کھنچ گئیں دم تیغ آزمائی ہے
اے تیغِ بادشاہِ نجف شعلہ بار ہو
اے برقِ طبع کوندکے گردوں کے پار ہو
ہاں معرکہ ہے بن کے لڑائی بگڑ نہ جائے
ہاں غازیو دکھاتا ہوں تصویرِ حرب گاہ
تولے ہے تیغ ادھر پسرِ شاہِ دیں پناہ
دونوں کو معرکہ میں تمنّا ہے جنگ کی
دوزخ اُدھر ہے خلدِ بریں کا چمن اِدھر
کافر اُدھر شبیہِ رسولِ زمن اِدھر
باطل چلا جہاں سے کہ حق کا ظہور ہے
عاری ہیں تیغ زن شہِ مرداں کے سامنے
کیا سحرِ ساحری بنِ عمراں کے سامنے
آہو کا اور شیر کا انداز اور ہے
وہ بجلیاں ہیں کوندکے گرتی ہیں بار بار
طاؤس ہیں ہرن ہیں چھلاوہ ہیں اژدہا
غالب یہی ہیں گو وہ قوی تر ہیں گھوسے
بڑھتا ہے مثلِ تیغ ادھر سے وہ نامور
یوں نعرہ زن ہے غیظ میں شبیر کا پسر
حملے تو دیکھ رُخ سے جھلم کو اُتار کر

مطلع

پیری میں زورِ شورِ جوانی دکھا مجھے
اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے
اے شہسوار مستعدِ کارزار ہو
اے سیفِ خامۂ دو زباں شعلہ بار ہو
چوٹیں نئی ہوں سب کوئی مضمون لڑ نہ جائے
غل ہو درود کا عوضِ شورِ واہ واہ
آمادۂ نبرد اُدھر ہے وہ روسیاہ
باگیں اُٹھی ہوئی ہیں کمیت و سمند کی
کانٹے اُدھر ہیں لالہ رخ و گلبدن اِدھر
مرحب ہے اُس طرف شہِ خیبر شکن اِدھر
جو نار ہے وہ نار ہے پھر نور نور ہے
گل ہیں چراغ مہرِ درخشاں کے سامنے
کیا مور کی بساط سلیماں کے سامنے
حقا کہ سحر اور ہے اعجاز اور ہے
ڈھالوں کے پرزے اڑتے ہیں دھوئیں ہیں وار
لشکر ہے اک زباں کہ یہ جرأت ہے یادگار
غل ہے کہ لڑ رہے ہیں یداللہ دیو سے
دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورتِ سپر
ہے اضطرابِ جنگ میں ظالم ٹھہر ٹھہر
او روسیاہ آنکھ تو شیروں سے چار کر

کٹ کٹ کے وار کرتا ہی بہیم وہ روسیاہ
پران کی تیغ سے کہیں ملتی نہیں پناہ
روباہ وہ بہ بختِ دلِ ضیغمِ الٰہ
جن کے غلام ملکِ شجاعت کے بادشاہ
زیبا ہی برقِ شعلہ فشاں میغ کے لیئے
تیغ ان کے واسطے ہی یہ ہیں تیغ کے لیئے

اس دوپہر کی دھوپ میں تیغوں کی وہ چمک
دو بجلیاں سی کوند رہی تھیں تہِ فلک
حیرت میں تھے زمیں پہ بشر چرخ پر ملک
مثلِ علی جھپکتی نہ تھی شیر کی پلک
رُخ پر ہراس کچھ دمِ جنگ و جدل نہ تھا
تلوار چل رہی تھی پہ ابرو پہ بل نہ تھا

گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکر و زور
لیکن کہاں چراغ کہاں مہرِ دیں کا نور
اوچھڑ سپر کی ہی جو اُٹھائے سرِ غرور
بولے تو موت کا بھی طمانچہ نہیں ہی دور
سچ کہتے ہیں ہراس میں کیا زور چل سکے
پنجہ میں شیر کے ہو تو کیونکر نکل سکے

شانہ کٹا سپر سے بچایا جو اُس نے سر
ٹکڑے اُڑے جھلم کے ہٹی منہ سے جب سپر
چار آینہ میں جسم تو محفوظ تھا مگر
سارا چھنا ہوا تھا زرہ کی طرح جگر
تاب و تواں کو حرب میں ہارا ہوا تھا وہ
تیغِ زباں کے زخم کا مارا ہوا تھا وہ

خالی گئیں منچی ہوئی چوٹیں جو اُس کی سب
مُنہ کو پھرا پھرا کے شقی کاٹتا تھا لب
تلوار کو اُٹھا کے پکارا وہ شیر تب
ہشیار او لعین اجل آتی ہی سر پہ اب
مہلت ابھی ہی تیغ و سپر کو سنبھال لے
باقی ہو کچھ ہوس تو اُسے بھی نکال لے

بولا سپر کو فرق پہ رکھکر وہ پُر غرور
پھنکتا ہی تن یہ دھوپ سے ہی پیاس کا وفور
میداں کرہ ہی نار کا ای کبریا کے نور
بھڑکی ہی آگ سینے میں اک صورتِ تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے
مہلت ملے تو پی لوں میں پانی فرات سے

تلوار روک کر یہ پکارا وہ لالہ فام
تو نے سُنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
تلوار روکنے کا نہیں گرچہ یہ مقام
پر خیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام
فیاض ہیں کریم ہیں ابنِ کریم ہیں
دشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

خنداں ہوے شقی پہ لبِ تیغِ جاں گداز ۔۔۔ بڑھ کر زبانِ طعن سناں نے بھی کی دراز
آواز دی کماں نے نہ ہے شانِ بے نیاز ۔۔۔ سوفار نے صدا دی کہ سرکش ہے حیلہ ساز
ہے خوفِ ضربِ تیغ سے طالب پناہ کا ۔۔۔ بولی سپر کہ پھر گیا رُخ روسیاہ کا

لے آیا آب سامنے خادم بصد شتاب ۔۔۔ پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا ڈگڈگا کے آب ۔۔۔ پیاسے تھے تین دن کے ہوا دل کو اضطراب
تڑپا جو قلب چشم کے ساغر چھلک پڑے ۔۔۔ اُٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

سیراب ہو چکا جو وہ سفاک و بدگہر ۔۔۔ کی عرض کیجے آپ بھی پانی سے حلق تر
فرمایا تشنہ لب ہے شہنشاہِ بحر و بر ۔۔۔ آبِ حیات ہو تو پئیں ہم نہ بے پدر
ڈوبے ہوئے ہیں چشمۂ کوثر کی چاہ میں ۔۔۔ یہ آبِ نہر خاک ہے اپنی نگاہ میں

شبّیر نے جو دور سے دیکھا یہ ماجرا ۔۔۔ دو چار گام بڑھ کے یہ بیٹے کو دی صدا
اے مرحبا رسول کے ہم شکل مرحبا ۔۔۔ سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا
کیونکر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو ۔۔۔ کیونکر نہ ہو کہ ساقیِ کوثر کے لال ہو

تسلیم کر کے شہ کو بصد عجز و انکسار ۔۔۔ مثلِ اسد شکار پہ آیا وہ شہسوار
نعرہ کیا کہ او سگِ بزدل ستم شعار ۔۔۔ ہاں اب تو تازہ دم ہے اُٹھا تیغِ آبدار
ہنستا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو ۔۔۔ پانی تو پی چکا ہے بس اب آبرو نہ کھو

سُن کر برس پڑا وہ جفاکار و بدگہر ۔۔۔ رَد کر کے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہیِ ظفر ۔۔۔ مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریبِ سر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو ۔۔۔ اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

دو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلواں ۔۔۔ جبریل پر اُٹھا کے پکارے کہ الاماں
نکلی زمیں میں ڈوب کے شمشیرِ خوں چکاں ۔۔۔ تکبیر کہہ کے جوش میں جھوما وہ نوجواں
افلاک سے گزر گئی ساونت کی صدا ۔۔۔ آئی خدا کے عرش سے احسنت کی صدا

منہ پھیر کر حسین کی جانب جو کی نظر
دیکھا زمیں پہ سجدے میں ہیں شاہ بحر و بر
فریاد کی کہ اے خلفِ سیّد البشر
نزدیک ہے کہ پیاس سے شق ہو دل و جگر
موت آئے اب تو روح کو راحت نصیب ہو
کیجے دعا کہ جلد شہادت نصیب ہو

فرمایا شہ نے اے علی اکبر ترے نثار
ہیں کیا کروں نہیں مرا پانی پہ اختیار
کوثر پہ شیرِ حق کو تمہارا ہے انتظار
مظلوم باپ تم سے نہایت ہے شرمسار
لائے کہاں سے دل کہ یہ صدمہ اُٹھا سکے
تم مانگو اور حسین نہ پانی پلا سکے

ڈیوڑھی پہ روئی بنتِ علی سن کے یہ کلام
روتی ہوئی نکل پڑیں سیدانیاں تمام
راندوں کے روکنے کو بڑھے اس طرف امام
گھوڑا اُڑا کے فوج میں ڈوبا وہ تشنہ کام
سب طور تھا وغائے جنابِ امیر کا
حملے نہ تھے غضب تھا خدائے قدیر کا

قلب و جناح کے جو دلاور ہوئے تلف
گھبرا کے میمنہ پہ گری میسرہ کی صف
یہ غول اُس طرف تو وہ مجمع تھا اس طرف
گویا کہ لڑ رہے تھے غضب ہیں شہِ نجف
یوں حملہ ور تھے تیغ زنوں کی قطار پر
جاتا ہے شیر جیسے غزالوں کی ڈار پر

آرے گئے جو بیچ سے لشکر کے بار بار
مابینِ راہ تیغوں سے تن ہو گیا فگار
اب اُس طرف ہیں آپ اُدھر فوجِ نابکار
غل ہے اُدھر اب آنے نہ پائے یہ نامدار
نیزے ملا دو سینوں سے گھوڑوں کو پھیر کے
کشتہ کرو وہیں علی اکبر کو گھیر کے

روکی تمام فوج نے اک تشنہ لب کی راہ
گھوڑا اُڑا کے بیچ میں آیا وہ رشکِ ماہ
ڈھالوں سے دشت کیں تھا کئی کوس تک سیاہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
لاکھوں سے معرکہ میں کوئی یوں لڑا نہیں
غل تھا عرب میں رن کبھی ایسا پڑا نہیں

گردوں پہ تھی صدائے چکا چاکِ تیغ و تبر
ڈوبا تھا خوں میں سب شہِ دیں کا مہِ منیر
فرماتے تھے جو رُکتا تھا اسپِ فلک سریر
اب ہم بھی ہیں تمام لڑائی بھی ہے اخیر
زخموں سے تو بھی چور ہے اور ہم بھی چور ہیں
افسوس بس یہی ہے کہ بابا سے دور ہیں

نکلا پرے سے شیث ربعی جفا شعار
ہمراہ تھے شقی کے کماں دار دس ہزار
تیروں کا مینہ برس گیا پیاسے پہ ایک بار
راکب کا جسم گھوڑے کے پہلو ہوئے فگار
اُڑ اُڑ کے طے جو کرتا تھا راہِ ثواب کو
غل تھا کہ پر خدا نے دیئے ہیں عقاب کو

نکلے کماں کشوں کے جو حلقے سے وہ جناب
تھی پھر تو برچھیوں کی کرن گردِ آفتاب
ڈوبے لہو میں کٹنے لگا گلشنِ شباب
روتے تھے خوں کے آنسوؤں سے دیدۂ رکاب
مجروح شیر بیچ میں تھا اس ہجوم کے
نیزے پہ نیزے کھا رہے تھے جھوم جھوم کے

طے کر کے معرکہ یہ پھرے تھے کہ ناگہاں
چھاتی پہ سامنے سے لگی ظلم کی سناں
دل توڑ کر انی جو ہوئی پشت سے عیاں
نیزہ جگر سے کھینچ کے تڑپا وہ نوجواں
ٹکڑے کبد کے خوں کے ریڑوں میں بہہ گئے
گھوڑے پہ یا علی ولی کہہ کے رہ گئے

سینہ دھرے تھے زین پہ یالِ فرس پہ سر
چھوٹی تھی لٹکے ہاتھوں سے نہ تیغ نہ سپر
اٹکا ہوا تھا پسلیوں کے بیچ میں جگر
لختے جمے ہوئے تھے لہو کے اِدھر اُدھر
تڑپاتا تھا جو گھوڑے پہ صدمہ سناں کا
غل تھا کہ دم نکلتا ہے کڑیل جوان کا

چلّا رہا تھا یوں پسرِ سعدِ روسیاہ
ابن نمیر کیا تیرا نیزہ چلا ہے واہ
ہم ہیں کسی سے قتل نہ ہوتا یہ رشکِ ماہ
بیکس حسین ہو گئے دُنیا ہوئی تباہ
کردے خبر کوئی علی اکبر گزر گئے
دیکھو تڑپ رہے ہیں کہ شبیر مر گئے

بڑھ کر پکارا شمرِ ستمگار و بدخصال
اے ابنِ فاطمہ خلفِ شیرِ ذوالجلال
جلد آکے دیکھیے پسرِ نوجواں کا حال
لاشہ سموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
جو حملہ ور تھا تیغ دو دم تول تول کے
دم توڑتا ہے اب وہی منہ کھول کھول کے

پہونچی یہ جاں گزا جو صدا گوشِ شاہ میں
دُنیا سیاہ ہو گئی سرور کی نگاہ میں
دوڑے گرے اُٹھے کئی جا اثنائے راہ میں
آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں
چاروں طرف جلال میں جاتے تھے اس طرح
بچے کو کھو کے شیر تڑپتا ہے جس طرح

دَوڑے گئے اِدھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
تھامی کمر کبھی تو سنبھالا جگر کبھی
تشویش تھی کہ مادرِ اکبر نکل نہ آئے
چلاتے تھے کہ ای علی اکبر کدھر ہو تو
کچھ سوجھتا نہیں مرے یاور کدھر ہو تو
آباد گھر حسین کا تاراج ہو گیا
بیٹا ضعیف باپ کدھر ڈھونڈھنے کو جائے
دشمن کو بھی خدا نہ فراقِ پسر دکھائے
مرنے کی جس کی فصل تھی اُن نے قضا کی
ناگہ صدا یہ آئی کہ بابا اِدھر ہوں میں
خالق سے لو لگی ہے چراغِ سحر ہوں میں
دردِ جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دوڑے حسین سن کے یہ آوازِ دردناک
فرزند لوٹتا نظر آیا بروئے خاک
تڑپا جو دل تو لختِ جگر سے لپٹ گئے
دیکھا کہ جسم سرد ہے بیجس ہیں دست و پا
منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ کربلا
بولو تو منہ سے کچھ کہ میں بیکس امام ہوں
سر پیٹ کر امام پکارے کہ ہائے ہائے
جاں بخش دے کے لوں اگر اک جام ہاتھ آئے
سیّد سے بغض ہے سپہ بدصفات کو

بن میں کبھی تھے رن میں کبھی نہر پہ کبھی
کی مُڑ کے خیمہ گاہ کی جانب نظر کبھی
خیمہ سے بنتِ فاطمہ باہر نکل نہ آئے
مرتا ہے باپ اے مرے دلبر کدھر ہے تو
دن ہے کہ رات اے مہِ انور کدھر ہے تو
خورشید دوپہر سے غروب آج ہو گیا
بچھڑے پدر سے عینِ جوانی میں ہائے ہائے
پھر بابا جان کہہ کے پکارو تو چین آئے
واحسرتا کہ عمر نے تم سے وفا نہ کی
ای نخلِ باغِ فاطمہ زیرِ شجر ہوں میں
جلد آیئے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو
دامن تھا ست قمیصِ تنِ یوسفی کا چاک
بس گر پڑے پسر کی برابر امامِ پاک
روحی فداک کہہ کے پسر سے لپٹ گئے
دم ہے مگر حباب میں ہو جس طرح ہوا
کیوں بابا جان کہو گزرتی ہے دل پہ کیا
سوکھی زباں دکھا کے کہا تشنہ کام ہوں
بیٹا حسین ڈھونڈھ کے پانی کہاں سے لائے
ای نورِ عین پیاس تمہاری خدا بجھائے
گھیرے ہوئے ہیں خون کے پیاسے فرات کو

آنسو نہیے یہ سنتے ہی اُس رشکِ ماہ کے
چاہا کہ بل لے آنکھوں کو قدموں پہ شاہ کے
کروٹ امامِ دیں کی طرف لی کراہ کے
کھولا جو منہ نکل گیا دم ساتھ آہ کے
اینٹھی زباں تو ہونٹھ بھی تھرا کے رہ گئے
گیسو زمینِ گرم پہ بل کھا کے رہ گئے

جُھک کر پکارے شاہ کہ بیٹا کدھر گئے
غش آگیا ہے دردِ جگر سے کہ مر گئے
باتیں بھی کچھ نہ کیں کہ جہاں سے گزر گئے
چلتے تھے ہم بھی اور نہ دم بھر ٹھہر گئے
یوں قافلے سے چھوٹ کے شبیر رہ گیا
سب نوجواں چلے گئے یہ پیر رہ گیا

سمجھے تھے ہم نبھے گا نہ پیر و جواں کا ساتھ
پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ
غربت میں کون دے پدرِ ناتواں کا ساتھ
وا حسرتا کہ چھوٹ گیا کارواں کا ساتھ
خیر آگے آگے جاتے ہو تم آسرا تو ہے
گو ہم شکستہ پا ہیں پہ سر پر خدا تو ہے

آگے تمھارے مر نہ گئے ہم ہزار حیف
نکلا نہ اب بھی تن سے مرا دم ہزار حیف
تم نے کیا نہ باپ کا ماتم ہزار حیف
یہ عمر اور یہ الم و غم ہزار حیف
گھر جس کے دم سے ہو وہ سعادت نشاں مرے
قدرت خدا کی پیر جیئے نوجواں مرے

تڑپے یہ کہہ کے شاہ جو بیٹے کی لاش پر
اس سانحہ کی ہو گئی رانڈوں کو بھی خبر
اک غل اُٹھا حرم سے کہ ہے ہے مرے پسر
بچوں کو لیکے بی بیاں دوڑیں برہنہ سر
آفت میں ایک کو خبرِ دست و پا نہ تھی
سر پر کسی کے تھی تو کسی کے ردا نہ تھی

سب بی بیوں میں اک ضعیفہ کا تھا یہ حال
خم تھا کمر میں دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
پیدا تھی زخمیوں کی تڑپ بسملوں کی چال
چلاتی تھی کدھر ہے ارے میرے نونہال
دیتی ہوئی واسطہ میں رسالت پناہ کا
رستہ مجھے بتا دے کوئی قتل گاہ کا

کچھ سوجھتا نہیں مجھے مقتل ہے کس طرف
زخمی ہے جس میں شیر وہ جنگل ہے کس طرف
جس میں چھپا ہے چاند وہ بادل ہے کس طرف
لوگو شبیہ احمدِ مرسل ہے کس طرف
ماں کا پیام کچھ اُسے دینے کو آئی ہوں
اپنے مراد والے کے لینے کو آئی ہوں

ہی ہی کدھر ہی گیسوؤں والا پسر مرا　　جنگل میں بے چراغ کیا کس نے گھر مرا
کس خاک پہ تڑپتا ہی لختِ جگر مرا　　کس نخل کے تلے ہی وہ نورس ثمر مرا
پیٹوں گی بین کر کے تنِ پاش پاش پر　　بٹھلا دو ہاتھ تھام کے اکبر کی لاش پر

لوٹا اجل نے میرے بھرے گھر کو ہی غضب　　خوں میں ڈبو دیا مہِ انور کو ہی غضب
پُرزے کیا شبیہِ پیمبر کو ہی غضب　　برچھی لگی مرے علی اکبر کو ہی غضب
اس عمر میں یہ نخلِ جوانی کا پھل ملا　　بستی مری لُٹی تجھے کیا ای اجل ملا

ای میرے خوش بیاں مجھے اپنی صدا سُنا　　ای میرے نوجواں مجھے اپنی صدا سُنا
ای میرے تن کی جان مجھے اپنی صدا سُنا　　ای میرے قدرداں مجھے اپنی صدا سُنا
عاشق کے دل کو صبر کہاں ہی فراق میں　　گھر سے نکل پڑی ہوں ترے اشتیاق میں

ای ہیچدار گیسوؤں والے ترے نثار　　ای یادگار گیسوؤں والے ترے نثار
ای مشکبار گیسوؤں والے ترے نثار　　ای میرے چار گیسوؤں والے ترے نثار
دُنیا سیاہ ہو گئی رستہ پہاڑ ہی　　جنگل بسا ہوا ہی مرا گھر اُجاڑ ہی

ای میرے گلبدن مرے ابرو کماں جواں　　ای میرے کم سخن مرے شیریں بیاں جواں
ای میرے صف شکن مرے حیدر نشاں جواں　　ای میرے تیغ زن مرے شبیر زباں جواں
لاکھوں سے معرکہ طپشِ آفتاب میں　　دو دن کی پیاس نے تجھے مارا شباب میں

وہ بھینی بھینی تن کی مجھے بو سنگھاؤ پھر　　ماں صدقے جائے تشنے ہوے گھر میں جاؤ پھر
کھِل جائے ماں کا غنچۂ دل مسکراؤ پھر　　جی بھر کے میں گلے سے لگا لوں تو جاؤ پھر
غربت میں شوق سے شہِ والا کا ساتھ دو　　مجکو بٹھا کے پردے میں بابا کا ساتھ دو

گھبرا کے ایک شخص نے راوی سے یوں کہا　　بی بی یہ کونسی ہی جو نکلی ہی بے ردا
مریم ہی یا خدیجہ ہی یا بنتِ مصطفےٰ　　بولا وہ کانپ کر کہ قیامت ہوئی بپا
خواہر حسین کی ہی نواسی نبی کی ہی　　منہ پھیر لے ارے یہی بیٹی علی کی ہی

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و دل کباب
چہرے پہ آفتاب کے تھا دامنِ سحاب
گر گر کے آشیانوں سے طائر پھڑکتے تھے
تھی دشت نے نوا میں وہ بی بی جو بے نقاب
گیتی کو زلزلہ تھا زمانہ کو اضطراب
چنگھاڑتے تھے شیر ہرن سر پٹکتے تھے

اس حشر میں جو شہ نے بہن کی سنی صدا
دیکھا کہ دوڑی آتی ہے زینب برہنہ پا
سر ڈھانپ لو ردا سے قیامت بپا نہ ہو
جلدی اُٹھا کے لاش چلے شاہِ کربلا
رو کر پکارے واعجبا وا مصیبتا
گھر میں چلو بہن علی اکبر خفا نہ ہو

اب روک لے کمیتِ قلم کی عناں انیس
پیری ہے یہ سفر کا رہے دھیان ہاں انیس
خیمے مسافرانِ عدم نے نکالے ہیں
بزم عزا میں سب ہیں ترے قدر داں انیس
کیا جانیئے روانہ ہو کب کارواں انیس
جس قافلہ میں تم ہو وہ سب چلنے والے ہیں

رباعی

دم اُلفتِ حیدر کا جو بھرتا ہوں میں
ممکن ہے کہاں صفاتِ ہمنامِ خدا
حال آتا ہے دل کو وجد کرتا ہوں میں
کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں

رباعی

ہر سینے میں یہ دم مثل سحر گاہی ہے
پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

مرثیہ (۱۳۳)

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
اُمّت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُن کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیندار و سر فروش و شجاع و خوش اعتقاد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گُلِ مراد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کونسا اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں گر آسمانِ پیر
لیکن نظر نہ آئے گا اُن کا کہیں نظیر
گورے نہ اُن کے پاؤں نہ رُکے مہِ منیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرّۂ حقیر
پُرخوں قبائیں جسم میں سینے تنے ہوئے
پہونچے ریاضِ خلد میں دولہا بنے ہوئے

رُستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیِ قمر اُن کے سامنے
اُڑتا تھا رنگ سیہ روئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رُخ سے عیاں جلالِ جوانمردی و نمود
شیدائے آلِ شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہِ دیں کو دُعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی اُنھیں صحبتِ امام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدر سے دل کے جام
ذی قدر، ذی شعور، دلاور، خجستہ کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں سینوں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب
تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور وہ جلال وہ رونق وہ آب و تاب
زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بیک جہان میں اندھیرا سا چھا گیا
دِن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
جعفر کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ
پامال ہو گیا حسنِ مجتبیٰ کا باغ
لاشے اُٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گرے یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر
نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیر نر
رخصت ہوئے حسین سے عباسِ نامور
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتے تھے دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قہر ہی خبرِ مرگِ نوجواں
ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بی بیاں
تھا خانۂ علی میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر اُلٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلِ بیت
دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلِ بیت
ہم لُٹ گئے گزر گیا سقائے اہلِ بیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلِ بیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

ہلتا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلِ بیتِ شاہ
صدمے سے حالِ زوجۂ عباس تھا تباہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتا دو راہ
ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ
خم تھے گرا تھا کوہِ مصیبت حسین پر
ماتم تھا بی بیوں میں سکینہ کے بین پر

ماتم اِدھر بپا تھا جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسین بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آئیے
زخمِ سناں و خنجر و شمشیر کھائیے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں

کاٹے ہیں جس نے بازوے سختِ دلِ امیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں
رونے سے جی اُٹھیں گے نہ عباسِ نوجواں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گزر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب
آدابِ شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں

عمرو کو قتل کر کے بہت بڑھ گئے ہیں شیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب ان میں ہونگے ڈھیر
مجمع جو ہے اُدھر ہمیں تنہا سمجھتے ہیں

جوہر دکھائیں ہم کو بہادر جو ہیں ڈٹے
کیا لطف ہے جو ایک پہ سو مل کے گر پڑے
دیتے ہیں پھر کشتوں سے کوئی جو دلیر ہیں

حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے
تیغیں بھی ہیں چُھپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

ہے خوب آبدار وہ شمشیرِ بے نظیر
یہ گرز وہ ہے ضرب سے جس کی ہوئے اخیر
برچھی وہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

اِک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
حضرت پکارتے ہیں کہ بھائی اب کہاں
اب فکر اپنی کیجیے وہ شبیر مر گیا

کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
سُنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
زخمِ جگر پہ ہاتھوں نمک یہ چھڑکتے ہیں

ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
اچھا یونہیں سہی ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر شیر ہیں

ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جانِ دردمند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے شابِ ماہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
برہم نہ ہو تمہیں سرِ شبیر کی قسم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا کروں
چتون کسے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفےٰ
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا
آمادہ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
کیا بھلے سر کٹائے گا یا شہِ زماں
آ گئے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بچشمِ تر
آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی
چھوٹے تھے جو کہ سن میں تو وہ کر گئے وہ کام
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے

کوفے میں لینگے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
کاٹیں تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
تیغ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے
فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاہ
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے الٰہ
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو
لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
پر امتِ نبی ہے بجز صبر کیا کروں
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
پھر خضر کی حیات ملی گر تو موت ہے
کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
جیتے ہیں ہم سامنے مرتے ہیں نوجواں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں
پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
کی عرض رحم کیجئے مر جائے گا پسر
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی
یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب

مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا ہے غضب

سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسول رن کی رضا دیجیے مجھے
صدقہ علی کا اذنِ وغا دیجیے مجھے

مرتا ہوں یا امام جِلا دیجیے مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے

کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبر نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر

ہے باپ کا عصائے ضعیفی جواں پسر
جب تم نہ ہوگے پاس تو مر جائے گا پدر

ایسے ہنسے نہ تھے کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن
پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمہارا سن

اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن
کیونکر قرار آئے گا ماں کو تمہارے بن

کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
سیّد کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال
ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال

رخصت کا آپ سے یوں ہیں کرتا وہ جب سوال
تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصتِ جدال

کیا جانے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کر کے بولے علی اکبرِ غیور
لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور

فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور
برچھی لگا کے دل پہ خوش آمد یہ کیا ضرور

تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضا مند کیجیے

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار

ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار
ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار

سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اُس کو آئے گا

سب جانتے ہیں جو ہی پھوپھی کو تمہاری چاہ
باہیں گلے میں ڈالے گی زینب بااشک آہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے

حسرت یہ ایک کو ہی کہ دولہا بنے پسر
پوتے کی آرزو میں ہی اک سوختہ جگر
ہردم یہی ہی ذکر جو فضلِ الٰہ ہو
ماں کہتی تھی بناؤں گی دولہا اسی برس
کچھ اس میں زور ہی نہ ہمارا نہ اُن کا بس
شکوہ نہ چرخ کا نہ شکایت ہی آپ کی

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام
دامن سے آکے بالی سکینہ چمٹ گئی
ماں گرد پھر کے بولی کہ ای میرے گلعذار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا

تر ہی قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی بیٹھ جاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو اُسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں

معلوم ہوگا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
قدموں پہ گر کے آپ کے ماں ہوگی سدِّ راہ
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے
آئے دُلھن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
نخلِ مراد کا یہی دنیا میں ہی ثمر
اُنیسویں برس علی اکبر کا بیاہ ہو

مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہی ہوس
ہم بھی مریں گے خیر نہیں اتنا پیش و پس
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی
کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
زینب بلائیں لیکے گلے سے لپٹ گئی

تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہی بیقرار
رُخ تمتما گیا ہی مرے آفتاب کا
سونلا گئے ہو دھوپ میں ٹھنڈی ہوا میں آؤ
گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
کیا ہی جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہی اب جگر
لُٹتا ہی کوئی آن میں خیر النسا کا گھر
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں میں آہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت تنگ ہیں جان سے
دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس
اب غیر یاس کوئی نہیں اُن کے اس پاس
کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں

عباس جب سے مر گئے روتے ہیں دم بدم
چلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیِ ستم
سب روکتے ہیں رن کی طرف جائیں کس طرح
بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نجاؤ

چلنے لگیں نہ تیرِ شرِ مشرقین پر
دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابیِ پسر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار

گھبرائی گو کہ ہوں یہ ہوں میں علی کی ہوں
مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہِ خوش خصال
صدقہ اُنھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال
ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
تم بھی ہو سدِّ راہ پھوپھی بھی ہیں سدِّ راہ
امّاں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ

الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
پیری میں دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں
رخ زرد ہے کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہ پہ ہم

ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح
راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
یا فاطمہ تمھیں علی اکبر کے کام آؤ
نرغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسین پر
وارث کی بےکسی پہ لگا کانپنے جگر
دولت پہ فاطمہ کی تصدّق تمام گھر

روتے ہو کس لیے تمھیں کب روکتی ہوں میں
عابد نثار اصغرِ تشنہ جگر نثار
قرباں گھر کنیز تصدّق پسر نثار
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں
رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال
رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمہارے سب
دن کو اُنھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب
مجھ سے نہ کچھ نہ سیدِ عالی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس
زانو پہ سر لیئے ہوئے کبرا ہے بے حواس
اب تاب طاقتِ جسد روح و دل گئی
اکبر سے مجکو یہ نہ توقع تھی ہے غضب
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب
ہیں محو رن کے شوق میں خدمت کے دھیان میں

پا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم
جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خورد سال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا
دن رات تھی خوشامدِ ہم شکلِ مصطفےٰ
آقا کے نورِ عین ہیں عالی مقام ہیں

لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
لیجئے اُنھیں سے آپ کو جس شئی کی ہے طلب
گر پوچھیئے تو پالنے والی سے پوچھیئے

دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس
کیوں صاحبو رضا علی اکبر کو مل گئی
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
نامِ خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
ہے ہے وہ میرا دردِ مصیبت وہ رنج و غم
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں
بے میرے لپٹے نیند اُنھیں آتی نہ تھی کبھی
روئیں بسر پہ اُن کو رُلاتی نہ تھی کبھی
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

پران کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
میں کہتی تھی ہو علی اکبر ہے میرا لال
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے
پر عون کیا عقیل تھا بخشے اُسے خدا
سینے پہ جب یہ سوئے تو اُس نے یہی کہا
اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر
الفت میں ان کی مجکو سمجھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر
صوت پہ تھی اُنھیں کی تلاوت میں بھی نظر
غافل نہ ان کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پہ تھا حمایل میں جان تھی

میں نے انھیں پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال
تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
مانگے تو آکے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال
نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار
اب کیا غرض گزر گئی وہ فصلِ وہ بہار
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار
مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
ثابت ہوا اُدھر ہی اُدھر مرنے جائیں گے
میں مر بھی جاؤنگی تو وہ یاں تک نہ آئینگے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام
بھابھی نے کیوں لیا تھا ابھی لے کے میرا نام
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
انکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام
خادم جدا نہ تھا شۂ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب
کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضیِ جناب
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجکو نہیں ہے تاب
شکوہ یہ خاکسار کا ہے بنتِ بو تراب
ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجکو مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی
کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی
رکھا عزیز آپ نے عزت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے ذرّہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام
بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اُٹھیں بحالِ زار
اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
لیکر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو
باتیں بھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو
آئے بلا حسین پہ جو اس کو رد کرو
اُلفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر
کبریٰ کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر
بیں روکنے نہ پائی کہ وار اُن کا چل گیا
کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال
ایسا ہی اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب
اصلا خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
کیا کہدیا تھا مرنے کو جائے یہ گلبدن
بیخود ہوں جب سے رن میں سدھارے شۂ زمن
اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں
زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں
اٹھارھواں برس ہے دولھن تو مجھے دکھائیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں

بس ہو گئیں محبّتِ قلبی سے بے قرار
شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے
صدقے ہو تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو
اچھا سدھارو دُکھ میں پدر کی مدد کرو
اُٹھا یہ دل میں درد کہ تھرّا گیا جگر
کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
کیا میں نے کہدیا کہ کلیجہ نکل گیا
ہی ہو مری کمائی پہ آجائے گا زوال
بے ہوش ہوں حواس میں ہی میرے اختلال
جو آپ میں نہ ہو سخن اس کا سند نہیں
میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھو یا تھا ہی غضب
میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا
راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہی کچھ سخن
قابو میں ہی نہ دل نہ زباں اختیار میں
اس پیاس میں شہید ہیں فاقوں میں زخم کھائیں
پالا ہی منتوں سے مرادیں مری بر آئیں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرہ تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر
گر سُن لیا تو دل میں کہیں گی وہ نوحہ گر
سمجھی تھیں کیا جو دی اُسے رخصت جدال کی
سچ ہے کہ اُس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خبر ہے
ماں کی نہ کم توجہی اور نہ کسی کا پیار
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار
دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
جس دم سُنے یہ دور سے بانو نے سب کلام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
لونڈی ہے فاطمہ کی کنیزوں میں باوفا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
غم کھائیے نہ خونِ جگر آپ پیجیے
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں

ایسا نہ ہو کہ بانوئے بیکس کو ہو خبر
پیارا ہوا نہ بنتِ علی کو مرا پسر
زینب نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی
ہوں لاکھ اُن کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے
غصہ ہو یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار
دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
میرا ہے جب یہ حال پھر اُس کی تو جان ہیں
آئی قریبِ حضرتِ زینب وہ نیک نام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا
ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو
عابد کو بھیجیے نہ بھیجیے اصغر کو لیجیے
قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجیے
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں
شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
لونڈی ہوں آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں
ہاں فرق نہ جانیے مجھے ادنیٰ کنیز ہوں

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
قسمت بُری ہے اس میں کسی کا قصور کیا
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا
عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورِ عین کو
آواز سن کے کانپ گئی بنتِ مرتضےٰ
واری سدھار و خیر جو کچھ مرضیِ خدا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیمبر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
لُٹتے ہیں اہلِ بیت دوہائی امام کی
بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نثار
اک حشر تھا جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
ہلتا تھا خیمہ اندر وں میں تھی پڑا دھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی ادھر پڑی
ماتم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا

میدان کو حسین کا نورِ نظر چلا

دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر
اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا ابھی ہے خدا
تابع ہم آپ کے بھی ہیں ان پر بھی ہیں فدا
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں
آئی صدا یہ فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گلعذار
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین کو
بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
بنتِ نبی تمہاری سفارش کو آئی ہیں
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
چلاتی تھی پھوپھی مرا لختِ جگر چلا
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی
اُٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے بار بار
سینوں کو پیٹتی تھیں خواہیں بحالِ زار
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے
آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور

حضرت کھڑے تھے خیمہ کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور

رخصت ہوں اب جو حکمِ شہِ نامدار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار

تھا ثانیِ براق فلک سیر راہوار

یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا

حضرت تو یاں نہیں پہ گرے تھام کر جگر

آتا ہے اک جوانِ حسیں غیرتِ قمر

شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے

ہے دھوم ذرہ ذرہ میں اس آفتاب کی

سر تا قدم ہے شان رسالت مآب کی

گھوڑے کے گرد جن و ملک کا ہجوم ہے

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو

حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو

چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا

چلائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے

غش ہو گیا کوئی، کوئی گر کر سنبھل گیا

خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا

دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا

خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور

دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور

رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار

صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار

گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر

چہرے پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر

کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی

تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی

صلِ علیٰ النبی کی بیاباں میں دھوم ہے

رخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو

آغوش میں لیے ہے شبِ قدر ماہ کو

خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

گویا رسولِ پاک کا رن میں گزر ہوا

ہنگامِ ظہر تھا یہ گمانِ سحر ہوا

خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

صلِ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا

چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا

سب پست تھے زمین کے تارے کا اوج تھا

صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا
ذرّوں کو آفتابِ درخشندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہمدست ہو گیا
اللہ رے نبیرۂ مشکل کشا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اُس مہ لقا کی شان

پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب
گردن کی ضو میں طورِ تجلّیِ طور کے
دل پاک روح پاک نظر پاک جسم پاک
غزنوں سے جس کے حسن کی عروں کو جھانک تاک

نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
لاکھوں تھے ہر طرف پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
پانی تھا خوفِ جاں سے جگہ ہر دلیر کا
غل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا

نازک لبوں کی صفت دہن اس طریق کا
کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
قامت ہے یہ کہ سروِ گلستانِ اعتدال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہووے گی

جو مردہ دل تھے دم میں انھیں زندہ کر دیا
گردوں کو اُس زمیں نے شرمندہ کر دیا
جلوے سے اوج کا کہکشاں پست ہو گیا
تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حمزہ کا رعب اور علی مصطفےٰ کی شان

شیرینیِ کلامِ حسن بات بات میں
وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے ہیں نور کے
طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
یوسف جو دیکھ لے تو کہے روحنا فداک

سو بار پڑھ کے سورۂ نور اس پہ دم کیا
رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
غصہ ستم کا قہر کی چتون غضب کی آنکھ
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا
حُسنِ بہارِ باغِ جوانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا

خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہووے گی

زخمی جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں — ٹپکے گی سر کو خاک پہ بانوئے دل حزیں
تیغوں سے جب کٹینگے یہ رخسارِ نازنیں — پیٹینگے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہِ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے — ایوب بھی جو ہو تو کلیجا نکل پڑے

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام — یہ وقتِ کارزار ہے اے ساکنانِ شام
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام — مارا گیا یہ شیر تو مرجائیں گے امام
لوٹو جنابِ فاطمہ زہرا کے باغ کو — ٹھنڈا کرو حسین کے گھر کے چراغ کو

تصویرِ مصطفےٰ کی مٹائے گا آج جو — کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وہ
محبوبِ کبریا کے مشابہ ہے گر تو ہو — اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اُسے نہ دو
ہے اس سے کیا مراد حسیں ہے کہ نیک ہے — دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے دین کا گر ہو تو ہو ضرر — ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
تم آبدیدہ ہو لبِ خشک اُس کے دیکھ کر — قطرہ نہ دو میں گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر
غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو — اولادِ مرتضےٰ میں کسی کا نشاں نہ ہو

ہاں غازیو نہ اس کی جوانی کا غم کرو — نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو
برچھی اُٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو — نخلِ مرادِ سبطِ نبی کو قلم کرو
بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسین — گھوڑے سے یہ گرے گا تو مرجائیں گے حسین

چھد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر — تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر — نکلے گی خیمہ گاہ سے زینب برہنہ سر
حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئینگے — ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

یہ گلعذار دخترِ حیدر کی جان ہے — بہنوں کی زندگی ہے برادر کی جان ہے
بابا کی روح ہے تنِ مادر کی جان ہے — بے جان کردو اسے کہ یہ سب گھر کی جان ہے
جوشن یہی ہے بازوئے برنا و پیر کا — بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

یہ سن کے فوجِ کیں ہوئی آمادۂ نبرد
غل سن کے ہو گیا شہِ والا کا رنگ زرد
ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپی بلبلا گئی
قرنا پھکی سپاہ میں طبلِ وغا بجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
لڑنے کو اُس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے
چومے قدم نہیب نے جھک کر یہ جب بڑھے
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود
تھرا گیا تمام جنودِ سقر و ر و د
عبرت سپاہِ شام پہ وہ چند ہو گئی
جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ
چمکا اک آئنہ کہ ہوئی فوجِ شام دنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر
اک سیل زور شور سے آئی گزر گئی
جب یہ بڑھے ہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے

دردِ دلِ حسین کا تھا آپ کو نہ درد
کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی
باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جا بجا
چلائے اہلِ بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا
رانڈو دعا کرو علی اکبر اکیلے ہیں
تنہا ادھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
گویا پے جہاد امیرِ عرب بڑھے
قدرت خدا کی دن جو بڑھا رات گھٹ گئی
گو تھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود
نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
باجوں کی فوجِ کیں کے صدا بند ہو گئی
صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغِ شعلہ رنگ
دکھلائے تیغِ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی
جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی
باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
بس فتحِ سپاہ کا دفتر الٹ گیا
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بے کار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغِ ہلالی نظر پڑی
سوئے جنوب فوجِ شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغِ تیز نہیں موت آتی ہے
کیونکر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر
چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے اِدھر اُدھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
چار آئنہ کٹا زرہِ خیرہ سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نے شکر کٹی
سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اُس کی چمک دمک
کانپی کبھی زمیں کبھی تھرّا گئے فلک
شعلہ میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک
ہر ضرب میں سماں سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمیں سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن اُلٹ گئی
باقی تھی جتنی عمر تہہِ تیغ کٹ گئی
آکر زمیں پہ جب سوئے گردوں پلٹ گئی
بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی
گرتے تھے جن زمیں پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیل امیں کانپ کانپ کے

ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں
چِلّے کہیں تھے شست کہیں اور کماں کہیں
نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں
جمدھر کہیں کمند کہیں برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چمکی گری اٹھی اِدھر آئی اُدھر گئی
خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئیں
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی
ندّی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے چنبرِ گردن سے اُڑ گئے
ہاتھ آستیں سے اُڑ گئے سر تن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اُڑ گئے
پائی جو راہ طائرِ جاں تن سے اُڑ گئے
تھے قتلِ عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

اللہ رے دو آبۂ تیغِ دو دم کا کاٹ
آفت تھی جس کی باڑھ قیامت تھا جس کا گھاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ
ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کی کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغزِ قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی
تن سے اُڑا دیا وہی سر جس کو پا گئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی
فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئنہ کا کاٹ اسی پر حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا نہ صورت فرار کی
پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی
ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا

اُتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی
دم بھر میں آبِ تیغ کی ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اُتری یہ کب چڑھی
سب کو بخارِ تیغ سے لرزے کی تپ چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغِ دو دم چھوڑتی نہ تھی
پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی
بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے
بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
قبضہ میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے
کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے
مغفر سروں کے مثلِ سبو پھینکنے لگے

حلقے کماں کے سب لبِ جو پھینکنے لگے
تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے

ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کشمکش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتحِ جنگ کو جو ایک آن میں
رعشہ تھا اُن کے ہاتھ میں لکنت زبان میں

اُلجھاتے تھے کمند کمینے کمان میں
ترکش میں تیغیں رکھتے تھے تیروں کو میان میں

تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے
پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے

حملہ کیا جو تیغِ دو دم تول تول کے
ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے

اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے
اس گھاٹ پر جو آئے سر اُن کے اُتر گئے

رستہ تھا ایک اِدھر وہ گئے یا اُدھر گئے
پھر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے

نار اُن کے اشتیاق میں آب اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب میں پانی نے آگ میں

وہ حرب وہ شکوہ وہ شانِ پیمبری
نعرے وہ زور و شور کے وہ ضربِ حیدری

وہ تیغِ خونچکاں وہ جلالِ غضنفری
راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری

چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں
کنوتے کو دیکھ کر مہِ نو ہوئے سرنگوں

رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں
غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کہوں

قرباں ہزار جاں فرسِ بے نظیر پر
سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل
کیا خوشنما کشادگیِ سینہ و بغل

سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل
پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل

رُک کے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اُس کے لیے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکیِ سمند
سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر مل گئی ہوا سے ذرا باگ، اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال
کبکِ دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
اِک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی دنگ تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہر بار بن گیا
گہہ قلب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اُس کے گشت پہ لوگ اُس ہجوم کے
تھوڑی ہی جا میں پھرتا تھا گیا جھوم جھوم کے

جب اس جری نے قتل کیے پانچسو جواں
ہر صف سے ہر پرے سے اُٹھا شورِ الاماں
چلّایا ابنِ سعد سیہ قلب سخت جاں
نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

فاقہ ہے تین روز کا سولہ پہر کی پیاس
دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس
برساؤ تیر دور سے جاؤ نہ اُس کے پاس
بھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اُٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

یہ سُن کے تشنہ لب پہ چلے چار سُو سے تیر
پتھر عقب سے پڑنے لگے روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
سب سُرخ تھے شبیہِ نبی کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اُس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین پر

سینے پہ تیر کھا کے اُٹھایا جو راہوار
بجلی چمک کے ہوگئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغِ آب دار
تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ رُخ اُن کے تو پھر گئے
پر پیٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب
آمد ہوئی جو غش کی سر پاک جھک گیا
اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
زخم جگر سے بہنے لگا خون دم بدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ کتاں کے ساتھ
نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
زخم سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
پہونچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
گرتا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز ہے ستم
رکھ دی گلے پہ شبث نے شمشیر تیز دم
غل تھا کرو نہ رحم تن پاش پاش پر
حضرت کھڑے تھے خیمے کی تھامے ہوئے طناب
ناگاہ آئی رن سے صدائے فلک جناب
لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
سن کر یہ استغاثہ فرزند خوش خصال
کھولے جناب فاطمہ کی بیٹیوں نے بال
ہے ہے پسر سے کونسی مادر بچھڑ گئی
نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر
پروا نہ مجھ سے کیجیئے سب جانتی ہوں میں

ہو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب
طاقت بھی فرط ضعف سے دینے لگی جواب
واحسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھرّاتے تھے قدم
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ
قربان جرأت پسر شاہ نامدار
ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آبدار
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
دوڑا دو گھوڑے اکبر مہرو کی لاش پر
سن کر یہ غل رہی نہ دل ناتواں کو تاب
بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آیئے شتاب
گھوڑوں سے اہل کیں ہمیں پامال کرتے ہیں
سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
بانو پکاری خیر تو ہے اے علی کے لال
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی
کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مرا پسر
آواز یہ اسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہِ نامدار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار
اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے شبیہ پیمبر ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
اے نورِ عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبر برائے خالقِ اکبر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں ہے کدھر جاؤں کیا کروں
اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان دل کسے سمجھاؤں کیا کروں
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسین کی لے جلد اے اجل
اے جسمِ زار زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تنِ مجروح سے نکل
ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے نہر پر گئے
واں بھی جو وہ گُہر نہ ملا سوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہرو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے باشکِ آہ
ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاشِ پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر — سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کہتا تھا شمر ای پسرِ سیّد البشر — کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسدِ پاش پاش کو — بتلائیں گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سن کے کھینچ لی شہِ والا نے ذوالفقار — چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار — چلّائے ای عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجکو لاش مرے نورِ عین کی — کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسین کی

ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشمِ نم — ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیرِ غم — اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے — قرباں تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر — یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشمِ تر — گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا — وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں — ہچکیاں گلے میں ہیں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پہ جراحتِ تبر و خنجر و سناں — گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کی جراحت پھٹے ہوئے — چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں وا کر کے چشمِ تر — ای جان جسمِ زار میں اور ایک دم ٹھہر
ای موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر — ای درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لوں — مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے — حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے جائے — ای لال تین روز کے فاقہ میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو — زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو ای میرے گلعذار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہی بے قرار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نے ماں کا نام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہی

فرمایا شہ نے ای علی اکبر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے

لکھتا ہی ایک راوی غمگین و پر ملال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہی کس طرف
ای ابر شام چاند ہمارا ہی کس طرف
ہو ہو سناں سے جان گئی میہمان کی

ای میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہی تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہی تو
اٹھارھواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے

کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہی انتظار
اکبر تمھاری ماں نہ جیئے گی فراق میں
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہی کہ دشوار ہی کلام
امداد یا حسین کہ پانی میں جان ہی

پانی نہیں ہی مجکو میسر میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کریں
اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ ای پدر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے
ای آسماں وہ عرش کا تارا ہی کس طرف
ای ارض کربلا وہ سدھارا ہی کس طرف
میت کدھر کو ہی مرے کڑیل جوان کی

ہی ہی مرے غریبی کے پالے کدھر ہی تو
کیونکر پھوپی جگر کو سنبھالے کدھر ہی تو
ای نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید ورشبیہ و متّقی جواں
صف در جواں شکیل جواں نازنیں جواں
آغا نہیں تھیں میں ابھی ایسے سن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے

ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بکا کرو
ماتم ہیں ہاتھ سینہ پہ مارو بکا کرو
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو

اولاد والو درد کرو شہ کے دل کا یاد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیرِ خوش نہاد
خوش رو تھے خوش مزاج تھے شیریں بیان تھے

ہے ہے حسین آپ کا دلبر بچھڑ گیا
واحیف وادریغ دلاور بچھڑ گیا
مظلومیت پہ تشنہ دہانی پہ روئیں گے

آقا انیس ہند میں کب تک پھرے تباہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آنہ جائے آہ
قربِ مزارِ شاہِ دو عالم نصیب ہو

خوش رو جوان غریب جو اں مہ جبیں جواں
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جواں
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

سید انہوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے ادھر سے لاش لیئے شاہ بحر و بر
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
اکبر جہاں سے اٹھ گئے یارو بکا کرو
دے نوجوان بیٹے کا پرسا حسین کو

نہ آج کی خبر ہے نہ ہے کل کا اعتماد
بیٹا جہاں سے اٹھ گیا ناشاد و نامراد
بیٹو جو انو اکبر مہرو جوان تھے

فریاد ہے شبیہِ پیمبر بچھڑ گیا
دردا و حسرتا علی اکبر بچھڑ گیا
جب تک جئیں گے اُس کی جوانی پہ روئیں گے

گھٹتی ہے عمر بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
بلوائیے غلام کو اے میرے بادشاہ
بس کربلا میں اپنی محرم نصیب ہو

مرثیہ (۱۴)

طے کر چکے حسین جو راہِ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہِ گردوں رکاب کو
اُلفت جو واں کی خاک سے تھی ابنِ جناب کو
اِک عید ہو گئی خلفِ بو تراب کو
دل مثلِ غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جانے کا مل گیا

صحرا پہ ہر طرف شہِ دیں نے نگاہ کی
سب تھم گئی سپاہ شہِ کم سپاہ کی
فرمایا آج چھٹ گئے ایذائے راہ کی
ہاں اب کرو پسند جگہ خیمہ گاہ کی
آگے کہیں نہ جائیں گے اس ارضِ پاک سے
اُلفت ہماری خاک کو ہے یاں کی خاک سے

مشتاق اس نواح کا تھا فاطمہ کا لال
رہتا تھا خواب میں بھی اسی دشت کا خیال
آفاق میں یہ ارضِ مقدس ہے بے مثال
سبزہ یہاں کا رحمتِ خالق سے ہے نہال
اب تک کسی صدف کو نہ ایسے گہر ملے
گردوں کو ایک اس کو بہتّر قمر ملے

شکر خدا کہ رنجِ سفر سے ہوا فراغ
غربت کے اشتیاق میں بھولا وطن کا داغ
خاطر شگفتہ ہو گئی اور دل ہے باغ باغ
طبقہ یہ حشر تک نہیں ہونے کا بے چراغ
حاصل ملے گا حشر میں اس کار و کشت کا
روئے زمیں پہ ہے یہی ٹکڑا بہشت کا

عالم میں قدر و منزلت اُس کی سوا ہوئی
گرد اس کی بہرِ چشمِ ملک توتیا ہوئی
ہر درد کی خدا کے کرم سے دوا ہوئی
یہ خاکِ پاک آج سے خاکِ شفا ہوئی
تیغِ عذابِ حق سے لحد میں پناہ ہو
طوفاں میں پاس ہو تو نہ کشتی تباہ ہو

کی سروِ بوستانِ حسن نے یہ گفتگو
آتی ہے اس زمیں کے گلوں سے دُلھن کی بو
اکبر یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباس سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک خو
ہاں کونسی جگہ تمھیں بھائی پسند ہے
اُس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
مولا قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل
پانی سے ہاتھ منہ کو نہ زنہار دھوئیں گے

فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے

زینب نے جب یہ سرورِ دیں سے سنا کلام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے

جنگل میں ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر
بچے بھی مارے ہول کے تر ہیں پسینے میں

اس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجکو خار
یہ بادِ تند تیر سی ہوتی ہے دل کے پار
کیا رنگ آگے دیکھئے قسمت دکھاتی ہے

لوگو مجھے بتاؤ یہ دریا ہے یا سراب
موجوں کو دیکھ دیکھ کے ہے دل کو پیچ و تاب
دھاریں لہو کی مل گئیں دریا کی موج میں

پوچھو کسی سے مسلمِ مظلوم کی خبر
بچوں کے اُس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر
رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے

پانی بھی خوش گوار ہوا بھی ہے معتدل
بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کے متصل
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئینگے

موقع ہو جس جگہ وہیں خیمہ کرو بپا
رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندۂ خدا
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
بھیّا ادھر تو آؤ یہ ہے کونسا مقام
اس دشتِ پُر خطر میں اُترنا تو قہر ہے

اُٹھتے ہیں بار بار بگولے اِدھر اُدھر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے میں

نشتر سے کم نہیں رگِ جاں کو یہ سبزہ زار
اس بن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار
یاں کی زمیں سے خون کی بو مجکو آتی ہے

کاسے سروں کے ہیں کہ یہ ہیں ساغرِ حباب
ڈوبا ہے کون شور ہے کیسا میانِ آب
لہریں یہ ہیں کہ چلتی ہیں تلواریں فوج میں

ذکر دھ

تربت مرے غریب مسافر کی ہے جدھر
لاشے بہا دیئے اسی دریا میں کھینچ کر
اماں کے پیٹنے کی صدا مجکو آتی ہے

یوں نہر کی ترائی میں کوئی ہے نوحہ گر
صاف آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر
دسواس کا مقام ہے جا گہ قلق کی ہے
غش کھا کے اب میں گرتی ہوں مجھ میں نہیں حس اس
اصغر بلکتا ہے سکینہ کو ہے ہراس
نقشہ وہ پھر گیا مری چشم پُر آب میں
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
یہ نہرِ علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
کچھ مال و زر نہیں کہ تلف کا ہو جس کے ڈر
مسکن یہی زمیں ہے یہی بے گھروں کا گھر
انساں کو چاہیئے کہ گناہوں سے پاک ہو
یہ سُن کے بنتِ فاطمہ نے کی جگر سے آہ
ہے ہے حسین کو نہ ملے گی کہیں پناہ
سر پر اُڑاؤ بیبیو اس سرزمیں کی خاک
اُترے فرس سے حضرتِ عباسِ نیک نام
فراش چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام
زینب کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
گھوڑا بڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا
ہٹ جاؤ ابن سعد کے خیمے کی ہے یہ جا
گرمی میں بند ہووے گا پانی امام پر

مرتا ہے جس طرح سے کسی کا جواں پسر
یاں سوئے گا تو اے مرے عباسِ نامور
پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیرِ حق کی ہے
عباس کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس
خیمے یہاں ہوئے تو ہوئی زندگی سے یاس
ایسا ہی دشت تھا جیسے دیکھا تھا خواب میں
اُترو یہیں کہ خوف کی جا گہ نہیں بہن
آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
خیمہ یہاں ہوا تھا جنابِ امیر کا
یکساں ہے بے وطن کے لیے شہر و دشت و بر
کیا جانیں اس مقام سے ہو کس طرف سفر
شاید ہماری خاک اسی بن کی خاک ہو
بولیں یہ کربلا ہے تو لو ہم ہوئے تباہ
ڈوبے گا بحرِ خوں میں دو عالم کا بادشاہ
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمد یہیں کی خاک
بٹھلائے اونٹ خیمے کے سب کھینچ کر زمام
تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آ پہونچی فوجِ شام
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی
بتلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ڈھونڈو کنوئیں کہیں تمھیں دریا سے کام کیا
ہوگا نہ کل ہوا کا گزر اس مقام پر

لہ یعنی لگام

چھپ جائے گی سپاہ کی کثرت سے سب زمیں
دریا بھی سوکھ جائے تو اس کا عجب نہیں
دُنیا میں آج شام کے حاکم کا زور ہے
برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسِ خوش خصال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علی کا لال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
دیکھیں ہٹا تو دو نہیں ہٹنے کے یاں سے ہم
گر واں بہت ہے فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم
ہم اور خوفِ جاں سے لڑائی کو چھوڑ دیں
گو فوج کم امامِ دلاور کے ساتھ ہے
عباس سا غلام برادر کے ساتھ ہے
غصے کے وقت جاں کو نہیں جاں سمجھتے ہیں
یاں سے کہیں بتول کا پیارا نہ جائے گا
لاشہ بھی اُٹھ کے یاں سے ہمارا نہ جائے گا
رکھتے ہیں اس زمیں کے لیے سر کو ہات پر
اعدا پکارے تب کہ نہ مانیں گے ہم یہ بات
بولا یہ سن کے باندھے سلطانِ کائنات
کیا تم کو ضربِ تیغِ علی کی خبر نہیں
ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہلِ شر
زینب پکاری ہیبت کے محمل سے اپنا سر
للہ شبیر بینۂ حیدر کو روکیے

موسم وہ ہے کہ اتریں گے سب نہر کے قریں
جلد ہی کنارہ کش ہوں کنارے سے شاہِ دیں
یاں دوپہر سے شمر کے آنے کا شور ہے
غازی کو شیرِ حق کی طرح آ گیا جلال
اب یاں سے ہم کو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
ہم آسماں سمیت اُلٹ دیں زمین کو
برپا کریں گے اب تو یہیں خیمۂ حرم
آلِ نبی بڑھا کے ہٹاتے نہیں قدم
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں
روحِ رسول نائبِ حیدر کے ساتھ ہے
لاکھوں تو لے سکیں یہ میں سر کے ساتھ ہے
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائے گا
مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائے گا
قبضہ ہے تا بہ حشر ہمارا فرات پر
اُترے گی آ کے فوج ہماری لبِ فرات
ہٹ جاؤ میرا ہاتھ ہے دستِ خدا کا ہات
آگے بڑھا قدم تو کسی تن پہ سر نہیں
عباس نے بھی رکھ دیا قبضہ پہ ہاتھ ادھر
بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روکیے

عباس کو یہ بڑھ کے پکارے شہِ اُمم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانیِ ستم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرضِ عین ہے
غصّہ یہ کس پہ میری طرف تم کرو نظر
پہچانتے نہیں تمھیں بھائی یہ اہلِ شر
منظور ناریوں کو ہے پانی کا آسرا
بیکس ہیں ہم کو تیغ پکڑنا نہ چاہیئے
گر جان پر بنے تو بگڑنا نہ چاہیئے
شکلِ حباب خلق ہیں آخر فنا تو ہے
کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو پہ کیوں ہے بل
ہمّت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل
مانو مرا کہا میں تمھارا امام ہوں
سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کہ دوں جواب
بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
بندہ ہوں جاں نثار ہوں یا شاہِ بحر و بر
دیدیں گر اُن کو آپ مرے ہاتھ باندھ کر
گر یہ بدی کریں نہ شہِ کائنات سے
فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار
ہے ابنِ فاطمہ کی کمر تجھ سے استوار
ہاں یہ ملال ہے کہ سر اُن کے کٹے نہیں

کھینچو نہ تیغ روحِ علی کی تمھیں قسم
خیمہ کریں گے اور کہیں یاں سے جاکے ہم
بے چین ہوں تو ہم ہوں پہ اُمّت کو چین ہو
تم کو ہٹا سکے کوئی کس کا ہے یہ جگر
جانے دو آؤ دور کرو دھیان ہے کدھر
کوثر ہے اپنی تشنہ دہانی کا آسرا
غربت میں قافلہ سے بچھڑنا نہ چاہیئے
اُمّت سے ناناجان کی لڑنا نہ چاہیئے
دریا اگر قریب نہ ہوگا خدا تو ہے
مالک ہو تم تمھارا ہی دریا پہ ہے عمل
غصّہ کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں
ذرّے کو تاب کیا ہے بھلا پیشِ آفتاب
ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابنِ بوتراب
حکمِ حضور حکمِ خدا و رسول ہے
مولا عدول حکمی کی کیا تاب کیا جگر
ہمراہ ہوں غلام کی صورت جھکا کے سر
سر اپنا کاٹ ڈالوں میں یہیں اپنے ہات سے
سر میرا تیرے سر پہ تصدّق ہزار بار
بولا وہ باوفا کہ غلامی ہے افتخار
تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں

حضرت کے حکم سے تو لیا ہیں نے ہاتھ تھام
ہٹ جائیں پہلے یہ تو ہٹے آپ کا غلام
حضرت نے ہاتھ اُٹھا کے کہا اے سپاہِ شام
ہٹ جاؤ ورنہ سب ابھی ہو جاؤ گے تمام
لاکھوں ہو گر تو ہو اسے ٹوکا نہ جائے گا
بگڑے گا پھر یہ شیر تو روکا نہ جائے گا

جس وقت یہ سُنے شہِ ذی جاہ کے کلام
پسپا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہِ شام
بھائی کو ساتھ لیکے پھرے سید الانام
سر کو جھکا کے رہ گئے عباسِ نیک نام
کہتے تھے راہ میں کہ نہ وارا اپنا چل گیا
افسوس ہو کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

وقت ایسا اب نہ آئے گا یا سیدِ اُمم
گرمی میں پیاس لگتی ہے بچوں کو دم بدم
پانی بھی چھاگلوں میں بہت رہ گیا ہے کم
فرمایا شہ نے چاہیے اللہ کا کرم
پانی کے بند کرنے پہ وہ ہیں تُلے ہوئے
جنت کے در ہماری طرف ہیں کھلے ہوئے

یہ کہہ کے آئے یا دھوپ میں نہ ٹھہرا کا آفتاب
برپا ہوئے خیامِ امامِ فلک جناب
حقا تھی موجِ رحمتِ حق جس کی ہر طناب
بے چوبہ فلک نظر آنے لگا حباب
صحن اُس کا سب بتول کے پیاروں سے بھر گیا
اِک آسمان تھا کہ ستاروں سے بھر گیا

خیمہ میں اُترے یاں تو شہِ عرش بارگاہ
آ آ کے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ
یاں تک کہ بند ہو گئی چاروں طرف سے راہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمیں رن کی بھر گئی
اِک رات میں چڑھی ہوئی ندّی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آ پہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم
جس کی جلو میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم
اکثر ہیں یکہ تاز جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوئے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشاں
اُمڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس رواں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادباں
ہلتا تھا دشت کیں دہل اس طرح بجتے تھے
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیوں کے پرے شامیوں کے دل
مکّار و اہلِ نار و دغا باز و پُر دغل
بدخواہِ خاندانِ رسالت پناہ تھے

تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے وہ طرف ہوا
ڈنکے کی دم بدم تھی صدا آسماں کے پار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسانِ شام تھے

اُترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
خیمہ ہے کس طرف کو شہِ خوش خصال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر
عباس مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو

وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگاریِ حسین
پھروں علی کی بیٹیاں روتی ہیں کر کے بین
بچّوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوجِ شہِ اُمم
اُس نے کہا حسین کے یاور بہت ہیں کم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشاں
اُردو میں جنسِ غم کے سوا جنس ہے گراں
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں

خوفِ خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلیں مہیب یوں سے قد ابروؤں پہ بل
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

غل ہو گیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
آگے بڑھے چلو یہ نقیبوں کی تھی پکار
زریں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

سر پر لگا یا دوڑ کے خادم نے چترِ زر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا

آئے تھے یاں اُترنے کی خاطر امامِ دہر
ہم نے اُٹھا دیا اُنھیں لیکن بہ جبر و قہر
شبیر پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا نورِ عین
خیمہ نہ سایہ میں ہے نہ دریا قریب ہے

سُنتے تھے واں سپاہِ حسینی کی دھوم ہم
فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
میں نے تو خود گنا ہے اکیاسی جوان ہیں

یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کارواں
غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحطِ آب و ناں
کل سترہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں

مطبخ ہے سرد آگ کا اُس میں نہیں ہے نام
خاک آبدار خانے میں اُڑتی ہے صبح و شام
یاں سیکڑوں کمانیں ہیں فوجِ امیر میں

یہ سب غلط سُنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
ہیں اُن میں سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائینگے

کیا جانے دل میں سمجھے تھے کیا شاہِ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے دغا
کچھ آزمودہ کار نہیں کچھ مُسن نہیں

ہم شکلِ مصطفےٰ کو تو اٹھارھواں ہے سال
نو دس برس کے ہوئینگے زینب کے دونوں لال
چھوٹے ہیں اور سب کئی ان میں جواں نہیں

سُنتا ہوں میں ہیں دو پسرِ شاہِ نامدار
زینب کے دو ہیں تین حسن کے ہیں گلعذار
زہرا کے جان و دل ہیں محمد کے پیارے ہیں

بتّیس سب سوار شہِ دیں کے پاس ہیں
آفت میں مبتلا ہیں مگر باحواس ہیں
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے

بولا وہ تب کہ ہوں گے جواں یاں کئی ہزار
ہیں تین چار کوس کے گھیرے میں سب سوار
کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے

بچّے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام
کیونکر لڑیں گے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
دو دو گریں گے خاک پہ ایک ایک تیر میں

کچھ نوجوان ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
پس جائیں گے وہ ٹاپوں سے ہنگامِ دار و گیر
اُن سے تو تیغ بھی سنبھالے نہ جائیں گے

مقتل میں کھینچ کر اُنھیں لے آئی ہے قضا
عمریں ہیں چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑیں گے کیا
اُن کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہیں

تیرہ برس کا ہے ابھی شبّیر کا نونہال
ہاں اک جواں ہیں حضرتِ عباس خوش خصال
خط اک طرف مسیں بھی کسی کی عیاں نہیں

بیمار اُن میں ایک ہے اور ایک شیرخوار
دس ہیں عقیل و مسلم و حیدر کے یادگار
یہ سترہ تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہیں
غازی ہیں سرفروش ہیں اور حق شناس ہیں
سجدے ہیں اور دعائیں ہیں اور حق کا ذکر ہے

خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہیں شمار
ایک ایک جواں ہے رستمِ میدانِ کارزار
لشکر کی ہیں صفیں کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہیں اک طرف تو رسالے ہیں اک طرف
خنجر ہیں ایک سمت تو بھالے ہیں اک طرف
جانباز ہاتھ قبضوں پہ ڈالے ہیں اک طرف
اور دس ہزار برچھیوں والے ہیں اک طرف
سب لوگ فکرِ قتلِ شہنشاہِ دیں میں ہیں
کھینچے ہوئے کمانوں کو سرکش کمیں میں ہیں

ہاتھوں میں پہلوانوں کے ہیں گرزِ گاؤ سر
ضربت سے جن کی ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
ہر جا بچھی ہوئی ہیں کمندیں اِدھر اُدھر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالوں کی نہر پر
سب لوگ جا بجا پئے قتل و ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں دبی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
نوک اس کی سینۂ علی اکبر کے ہوگی پار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
آئے تو رن میں حضرتِ شبیر کا یادگار
اب کوئی دم میں گھر کی حسن کے صفائی ہے
تلوار آج زہر میں میں نے بجھائی ہے

تیغا اُٹھا کے کوئی یہ کہتا ہے بدمزاج
قیمت ہے اُس کی شام کا اور روم کا خراج
دریا پہ اُن کو لائے تو پانی کی احتیاج
عباس نامدار کے کاٹوں گا ہاتھ آج
جب دولتِ علی کو قضا لوٹ جائے گی
فرزندِ فاطمہ کی کمر ٹوٹ جائے گی

کہتا ہے کوئی تیر کو چلّے میں جوڑ کے
گزرے گا یہ گلا علی اصغر کا توڑ کے
سوئیں گے جب زمین پہ جھولے کو چھوڑ کے
دونوں کڑے اُتاروں گا پہنچے مروڑ کے
اصغر کا طوق اپنے پسر کو پنھاؤں گا
سوغات کربلا سے یہی لیکے جاؤں گا

سنتا تھا میں کہ کہتا تھا اک شخص برملا
گھوڑے سے جب گریں گے شہنشاہِ کربلا
جو فاطمہ کے دودھ کی دھاروں سے ہے پلا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹوں گا اُس شاہ کا گلا
وارث نہ کوئی ہوئے گا سید کی لاش کا
لوٹوں گا سب لباس تنِ پاش پاش کا

کوفے کے لوگ کرتے ہیں آپس میں یہ سخن
اب بعدِ فتح بازوئے زینب ہے اور رسن
سر پر ردا نہ ہوگی کہ بھائی کو دے کفن
خیمہ جلا کے لوٹیں گے اسبابِ پنجتن
ہے آرزو کہ دولتِ آلِ عبا ملے
دیکھیں کسے علی کی بہو کی ردا ملے

بولا خبر یہ سن کے وہ بانیٔ ظلم و جور
حاکم ہیں آج زیر فلک ہے ہمارا دور
فرصت اب ایک شام کی نہ ہاں دو حسین کو

بولا کوئی کہ ہے انھیں بیعت سے اجتناب
کہنے لگا وہ تیرہ دروں کھا کے پیچ و تاب
پیاسوں پہ تیریاں سے بھی پڑتے ہیں کس طرح

یہ کہہ کے اپنے خیمہ میں آیا وہ خیرہ سر
ظاہر ہوئی جو رن میں شب قتل کی سحر
گردوں نشیں سروں کو بہم پیٹنے لگے

زینب تھی بے حواس پریشاں تھے سر کے بال
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت بہن کا حال
فرما کے الوداع ہر اک سوگوار سے

جب صدر زیں پہ وارثِ نبی کا نگیں چڑھا
گویا کہ آسمان پہ خدیو زمیں چڑھا
ایک ایک رخ پہ قدرت حق کا ظہور تھا

مجرے کو جھک گئے رفقا باندھکر پرا
ہنس کر نظر عزیزوں کی جانب جو کی فرا
تھے اس طرح جوانوں میں لڑکے ملے ہوئے

ہنگام صبح تھی عجب اس باغ پر بہار
لٹکے ہوئے تھے چہروں پہ گیسوئے پیچدار
شملے چھٹے جہاد پہ کمریں کسے ہوئے

کل تک ابھی تو شام سے آئے گی فوج اور
سر کاٹ لیں گے صلح کا ہوگا اگر نہ طور
بیعت اگر کریں تو اماں دو حسین کو

مرنے کو راہ حق میں سمجھتے ہیں وہ ثواب
ہاں اب خیام شہ میں پہونچنے نہ پائے آب
دیکھیں حسین لاکھوں سے لڑتے ہیں کس طرح

یاں غازیوں نے رات عبادت میں کی بسر
پڑھکر نماز شہ نے کسی جنگ پر کمر
بکھرا کے بال اہل حرم پیٹنے لگے

چلاتی تھی دہائی ہے یا شبیرِ ذوالجلال
غل تھا کہ مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
خیمے سے نکلے شاہ پیمبر مزار سے

خاتم پہ جیسے دُرِّ نجف کا نگیں چڑھا
غل پڑ گیا جہاد پہ ضرغام دیں چڑھا
لشکر نہ تھا حسین کا دریائے نور تھا

حضرت نے سر پہ ہاتھ عجب پیار سے دھرا
سب باغ فاطمہ نظر آیا ہرا بھرا
ہوں جس طرح سے پھول چمن میں کھلے ہوئے

جوں غنچہ مسکراتا تھا ایک ایک گلعذار
گھوڑے ہوا تو نکہت گل تھے وہ شہسوار
خوشبو سے تن کی عطر میں کپڑے بسے ہوئے

قد چھوٹے چھوٹے سروِ گلستانِ اعتدال
شمشاد جن کے سایۂ قامت سے پائمال
چہرے سے ہے برنگ لالہ شجاعت سے لال لال
رُخ صاف صاف جن پہ نمایاں نہ خط نہ خال
کیا دخل نورِ حسن میں خالِ سیاہ کو
نقطہ کی احتیاج نہیں مہر و ماہ کو

گلدستۂ حسین میں اکبر سا گل بدن
قربان جس کے تن کی نزاکت پہ یاسمن
سنبل کو لائے پیچ میں وہ زُلفِ پُرشکن
غل تھا کہ تنگ تر کہیں غنچہ سے ہے دہن
مطلب کھلا ہوا ہے خطِ سبزہ رنگ کا
یہ حاشیہ لکھا ہے اسی متنِ تنگ کا

تھی گرچہ پیاس سے دلِ نازک کو بے کلی
لیکن شگفتہ تھا وہ گلِ گلشنِ علی
یوں مُسکرائے بات شجاعت کی جب چلی
جیسے کھلی ہوئی ہو گلِ سُرخ کی کلی
خوشبو مہک گئی چمنِ کائنات میں
بولے تو پھول جھڑنے لگے بات بات میں

کیا رو ہلالِ عید کا ابرو کے سامنے
بیجا ہے ذکر مشک کا گیسو کے سامنے
آئینہ دنگ آئینۂ رو کے سامنے
پانی گلاب جسم کی خوشبو کے سامنے
مضمون صفاتِ قد کا قیامت سے لڑ گیا
قامت کے آگے سرو خجالت سے گڑ گیا

عباسِ نامدار جوانوں میں لاجواب
قد سروِ باغِ حسن تو رخ مثلِ آفتاب
حمزہ کا زور جعفرِ طیار کا شباب
شبّر کا خُلق شان و شکوہِ ابو تراب
لڑنے کو فوجِ کیں سے بہادر تُلا ہوا
سر پر نشانِ دیں کا پھریرا کھلا ہوا

چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ بڑھے جب وہ گلعذار
اُس دم فرس پہ قبلۂ عالم ہوئے سوار
ہمیز کی نگہ نہ بڑھا واں سے راہوار
حضرت کے مُنہ کو تکتا تھا پھر پھر کے بار بار
کوہِ الم گرا تھا دلِ دردناک پر
آنکھوں سے اُس کی اشک ٹپکتے تھے خاک پر

آزردہ ہو کے اُس سے یہ بولے شہِ اُمم
تو ساتھ گر نہ دے تو پیادے ہی جائیں ہم
بولا یہ کانپ کانپ کے وہ اسپِ خوش قدم
قدموں کو میں نہ چھوڑوں گا جب تک ہے دم میں دم
میری طرف حضور نہ رُک رُک کے دیکھیے
مولا مرے قدم کی طرف جھک کے دیکھیے

جھک کر جو پشتِ زیں سے شہِ دیں نے کی نظر
کہتی ہے آنکھیں مل کے قدم پر یہ نوحہ گر
پاؤں گی پھر نہ فاطمہ کے نورِ عین کو

پچھلے سموں پہ رکھے ہے سر دوسری بہن
روکے ہے راہ زوجۂ عباسِ صف شکن
صدمے سے تھرتھری ہے تنِ خوش خرام میں

گردن سے لپٹی کہتی ہے بانوئے نامدار
کرتا ہے مجھ کو رانڈ محمد کا یادگار
مرجاؤں گی میں ساتھ جو وارث کا چھٹ گیا

اترے قدم رکابوں سے حضرت نکال کر
رو کر کہا ابھی سے نہ زینب یہ حال کر
کچھ زور بے قراریِ دل سے نہ چل سکا

فرمایا تم کو فاطمہ کی روح کی قسم
بچوں کو ساتھ لے کے چلے پیٹتے حرم
تسکیں نہیں مرے دلِ پُر اضطراب کو

سجاد نے کہا کہ نہیں آپ کا یہ کام
تنہا ہمارے بعد جو رہ جائیں گے امام
حیدر نے دی صدا کہ ادھر دل حزیں بھی ہے

روتے ہوئے فرس پہ چڑھے بادشاہِ دیں
رخسارِ آفتاب تو مہتاب تھی جبیں
جن کے تنوں میں جان نہ تھی زندہ ہو گئے

دیکھا سموں سے لپٹی ہے زینب برہنہ سر
اے ذوالجناح دخترِ زہرا پہ رحم کر
لے جا نہ تو بہن سے چھڑا کر حسین کو

پکڑے شکار بند کو ہے بیوۂ حسن
گھونگھٹ دھرے ہے بال پہ اک رات کی دلھن
ڈالے ہے ننھے ہاتھ سکینہ لگام میں

صدقے میں تیرے اے مرے آقا کے راہوار
کام آ کہ ہوں علی کی بہو میں جگر فگار
آگے قدم بڑھا تو مرا راج لٹ گیا

ہاتھوں سے خود بہن کو اٹھایا سنبھال کر
بولی وہ ہاتھ شاہ کی گردن میں ڈال کر
بھائی میں کیا کروں نہ کلیجہ سنبھل سکا

جاؤ ابھی تو آئیں گے مقتل سے پھر کے ہم
رستے سے پھر کے بولی یہ زینب بچشمِ نم
گھوڑے پہ تم چڑھو میں سنبھالوں رکاب کو

خدمت کے واسطے ابھی حاضر ہے یہ غلام
تب تھامی رکابِ شہنشاہِ تشنہ کام
زہرا بھی ہے رکاب میں روح الامیں بھی ہے

تھے پشتِ زیں پہ شاہ کہ خاتم پہ تھا نگیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
ذرّے زمیں پہ اخترِ تابندہ ہو گئے

مطلع سوم

میداں میں جب سواریِ شاہِ امم چلی
فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
سرتاجِ عرش تھا جو مکیں صدرِ زین پر
کس شان سے جلو میں سپاہِ حشم چلی
بدلی ہوا نسیمِ ریاضِ ارم چلی
قدسی پروں کو فرش کیئے تھے زمین پر

جوں جوں قدم بڑھاتا تھا سرور کا خوش خرام
تھا ارضِ کربلائے معلّےٰ کا یہ کلام
ذرّوں کا اُس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
بنتے تھے نقشِ سُم سے زمیں پر مہِ تمام
گو فرش تھی پہ اب میں ہوئی عرش احتشام
ہر سنگ ریزہ رشکِ دُرِ شب چراغ تھا

بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
ہنستے تھے روے مہر پہ ذرّوں میں تھا یہ نور
تھا یہ زمیں کا قول کہ عنبر سرشت ہوں
ہنستا تھا کہکشاں پہ ہر جادو کو تھا غرور
ہر سنگ ریزہ کہتا تھا میں ہوں چراغِ طور
کہتی تھی گرد نکہتِ باغِ بہشت ہوں

وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشیدِ خاوری
وہ نور اور وہ شانِ جوانانِ حیدری
صدقے سواریِ شہِ گردوں رکاب کے
وہ صاف صاف آئنۂ چرخِ اخضری
راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری
گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

پہونچا جو اس حشم سے خدیوِ جہانِ دیں
کھولا نشانِ مرتضوی نے نشانِ دیں
قدسی سب اُٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے
صف باندھ کر کھڑے ہوئے سب ناصرانِ دیں
غل پڑ گیا کہ آج دو بالا ہے شانِ دیں
طوبیٰ کا سر بھی جھک گیا تسلیم کے لیے

ظاہر میں گرچہ تھے رفقا شاہ کے قلیل
جرأت میں بے نظیر شجاعت میں بے عدیل
فاقوں میں صبر و شکر سے دل اُن کے سیر تھے
پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
سرگرم جان دینے پہ سب صورتِ خلیل
جانباز تھے جری تھے مجاہد تھے شیر تھے

سر پر عمامے چاندی پیشانیوں پہ نور
لب برگِ گل سے سوکھے ہوئے پیاس کا وفور
پیرو امام کے تھے نہ کیوں خوش طریق ہوں
حاضر گلا کٹانے کو سب شاہ کے حضور
یکتا ہر اک مگر نہ تکبّر نہ کچھ غرور
آقا حسین سا ہو تو ایسے رفیق ہوں

ہر دم فروتنی کا لبوں پہ کلام تھا
شکرِ خدا سے اُن کی زبانوں کو کام تھا
ایک ایک دل سے عاشقِ شاہِ انام تھا
آنکھوں میں نشۂ مئے حُبِّ امام تھا
ہر حال میں وہ لوگ رضا جوے شاہ تھے
رخ اُن کے مثلِ قبلہ نما سوئے شاہ تھے

ذی جاہ و ذی جلالت و ذی فہم و ذی شعور
شایق ریاضِ خلد کے مشتاقِ وصلِ حور
ہر شخص نشۂ مئے حبِ علی میں چور
ذکرِ دعائے نور سے پیشانیوں پہ نور
ذرّہ نہ مہر و ماہ میں اور اُن میں فرق تھا
اک اک جوان حُسن کے دریا میں غرق تھا

ناگاہ فوجِ شام میں بجنے لگا دُہل
تیغیں کھچیں چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
کڑکیں کمانیں آنے لگے ناوکِ اجل
شیروں کے تیوروں پہ پڑے اس طرف بھی بل
تن تن کے ہونٹ چاب کے تھرّا کے رہ گئے
تیروں کے زخم شاہ کو دکھلا کے رہ گئے

بولے یہ رنگ دیکھ کے شبیرِ خوش نہاد
ہاں اے مجاہدو رہِ حق میں کرو جہاد
جوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد
سُرخی لبوں پہ آ گئی پایا گلِ مُراد
بڑھ بڑھ کے پیادوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

جس غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی حد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
نعرہ ہر ایک ضرب پہ تھا یا علی مدد
دو کرتے تھے وہ مجمعِ قومِ جہول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
دریا کی سمت رُخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
پیاسے تھے تین روز کے لیکن غضب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے

الحق تھے شیرِ بیشۂ ہیجا وہ صف شکن
مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخمِ تن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرتِ چمن
قربانِ بندہ پروریِ سرورِ زمن
غازی ستمگروں سے وفا کر کے مر گئے
حقِ نمک جو تھا وہ ادا کر کے مر گئے

جب اجلِ جاں ہوئے وہ خاصگانِ حق
برہم ہوئے نبی کے مرقع کے بھی ورق
فرزندِ فاطمہ کو نہایت ہوا قلق
صدمے سے ہوگیا رُخِ انور کا رنگ فق
چمکی جو اُن کی تیغ تو بجلی چمک گئی
شیروں کی آنکھ خوف کے مارے جھپک گئی

لڑکے ہوئے جو معرکہ آرائے کارزار
واں کے جواں نہ روک سکے نیمچوں کے وار
بیدل نہ اُن کی ضرب سے بچتا تھا نہ سوار
کردیتے تھے وہ ایک کو دو اور دو کو چار
چھوٹے سے نیمچوں سے ستمگر نہنگ تھے
گہ سر پہ گہ کمر پہ کبھی زیرِ تنگ تھے

لشکر میں اہلِ ظلم کے غل تھا کہ الاماں
دو بجلیاں چمکتی ہیں ہاے کوئی کہاں
ان سے کہیں پناہ نہیں زیرِ آسماں
یہ کس کے شیر ہیں کہ نہیں جن کو خوفِ جاں
حضرت پکارتے تھے کہ دو دن کے پیاسے ہیں
جس کا پسر ہوں میں یہ اُسی کے نواسے ہیں

پامال کرکے فوج کو جب وہ ہوئے تمام
روشن کیا چراغِ حسن نے تب اپنا نام
نکلا جہاد کرنے کو پھر بازوئے امام
ایسا لڑا کہ ڈوب گئی خوں میں فوجِ شام
روئے امام اُس کی جوانی کے واسطے
دریا پہ قتل ہوگیا پانی کے واسطے

رخصت ہوا پدر سے علی اکبرِ دلیر
لشکر کو سرکشوں کے کیا دم میں اُس نے زیر
آخر ہجوم کرکے لیا ظالموں نے گھیر
برچھی جگر پہ چل گئی مارا گیا وہ شیر
صدمہ سے آلِ سبطِ نبی غیر ہوگیا
تا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہوگیا

تنہا کھڑے تھے دل کو سنبھالے ہوئے حسین
ہلتا تھا چرخ کہتے تھے جب ہائے نورِ عین
خیمے کے در پہ بیبیاں روتی تھیں کرکے بین
چلاتی تھی یہ فاطمہ زہرا بہ شور و شین
صدمے سہوں کلیجے پہ کس کس کے داغ کے
افسوس پھول جھڑ گئے سب میرے باغ کے

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اس دم بحالِ زار
لائے حسین ہاتھوں پہ اک طفلِ شیرخوار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار
تھا فرطِ غش سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھے مٹھیاں منہ تھا کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا زیبِ سر
جُٹّی بھویں وہ جن پہ تصدّق دلِ پدر
سایہ میں دامنِ خلفِ بوتراب کے
پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل اِدھر اُدھر
باچھوں سے تھا نمود جمے دودھ کا اثر
ننھے سے دل کو ماں سے بچھڑنے کا درد تھا
مہکی ہوئی تھی دشت میں گل سے بدن کی بو
شہ سونگھتے تھے دودھ بھرے اُس دہن کی بو
آثارِ مرگ پھول سے رُخ پر نمود تھے
تھے لعلِ لب نگینۂ یاقوتِ احمری
غنچہ کا مُنہ ہی کیا جو کرے اُن سے ہمسری
تھی نازکی ہراس پہ خزاں مارے پیاس کے
روشن گلا تھا شمعِ تجلّیِ طورِ حسن
گھیرے ہوئے تھا ننھی سی ہنسلی کو نورِ حسن
چھیدیں وہی گلا یہ لعینوں کے جی میں تھا
کُرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر
سینہ تھا صاف صورتِ آئینہ جلوہ گر
چھاتی میں دمبدم جو دم اُس کا اٹکتا تھا
صدمے سے پیاس کے رخِ معصوم تھا جو زرد
ہچکی جب اُس کو آتی تھی اُٹھتا تھا دل میں درد
پانی کی جستجو تھی شہِ خوش صفات کو

ماتھا جھنڈولے بالوں میں ہالے میں جوں قمر
آنکھیں تو نرگسی پہ نقاہت سے بادہ تر
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے
خشکیدہ ہونٹ ہوئے قطرۂ آنسوؤں سے تر
ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینے پر
رن کی ہوائے گرم سے جسم اُس کا سرد تھا
ان گورے گورے گالوں میں تھی یاسمن کی بو
گویا لبوں سے آتی تھی نہرِ لبن کی بو
ہچکی لگی ہوئی تھی مسوڑے کبود تھے
رنگیں ہیں جن کے وصف میں باغِ سخنوری
وہ خار ہے رگِ گلِ بستانِ حیدری
تالو سے لگ گئی تھی زباں مارے پیاس کے
مثلِ ستارۂ سحری تھا وفورِ حسن
ہوتا ہے جس طرح مہِ نو سے ظہورِ حسن
یاں کنٹھ بیٹھ جانے سے دم دُھکدھکی میں تھا
پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دمِ سحر
گرمی سے ہوگیا تھا شلوکہ عرق میں تر
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دیدے پٹکتا تھا
حضرت فلک کو دیکھتے تھے بھر کے آہِ سرد
آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد
تکتے تھے چشمِ یاس سے نہرِ فرات کو

جاری یہ لب پہ تھا کہ نہ آیا تجھے حجاب
دو دن سے خشک ہے چمنستانِ بوتراب
سیراب سب چرند و پرند اور پیاسے ہم

یہ کہہ کے شامیوں کو صدا دی بچشمِ تر
نکلا یہ سُن کے فوج سے ظالم بہ کرّ و فر
خادم تھے ساتھ ساتھ میں عہدے لیئے ہوئے

بولے دکھا کے بچّے کو شاہِ فلک سریر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
مہماں ہے کوئی آن کا ہونٹوں پہ جان ہے

نالاں ہے تجھ سے رُوحِ رسولِ فلک اساس
موجود ہیں صراحیاں پانی کی تیرے پاس
بچّے پہ ظلم صاحبِ ایماں سے دور ہے

برپا ہے اہلِ بیتِ محمد میں شور و شین
آنکھیں بھرائے دیتا ہے اب تو یہ نورِ عین
تجھ کو قسم ہے روحِ رسالت مآب کی

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہِ بحر و بر
رویا جھکا کے سر پسرِ سعد خیرہ سر
مضطر تمام فوج کے پیر و جواں ہوئے

بولے یہ ابن سعد سے سردارِ فوجِ شام
دیتے ہیں اُس کو آب جو کافر ہو تشنہ کام
کچھ شرم بھی ہے شرط مسلماں کے واسطے

اے نہر مر گئے مرے بچے بغیر آب
محشر میں دے گی ساقیِ کوثر کو کیا جواب
شکوہ ترا کریں گے رسولِ خدا سے ہم

کہتا ہے کچھ مجھے عمرِ سعد ہے کدھر
پہنے لباسِ فاخرہ باندھے ہوئے کمر
اور ایک شخص چتر کا سایہ کیئے ہوئے

مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودکِ صغیر
لِلّٰہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
اِس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

اتنا بھی دل نہ سخت کر اے ناخدا شناس
اک گھونٹ دے اسے کہ ہے سولہ پہر کی پیاس
چھوٹے سے میہماں کی خاطر ضرور ہے

در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
لایا ہے اس عطش میں ترے پاس اب حسین
ٹپکا دے اُس کے حلق میں اک بوند آب کی

دل دشمنوں کے ہل گئے تھرّا گئے جگر
فولاد موم ہو گیا اللہ رے اثر
آنکھوں سے مرکبوں کے بھی آنسو رواں ہوئے

واللہ اے امیر یہ ہے رحم کا مقام
بیکس و غریب تو سیّد ہے اور امام
دے حکمِ آب اصغرِ ناداں کے واسطے

تب ابنِ سعد شمر سے کرنے لگا کلام
کہنے لگا بگڑ کے یہ وہ نطفۂ حرام
پیاسا کریں گے ذبح ہم اس نونہال کو
یہ کہہ کے ابنِ سعد کے کچھ کان میں کہا
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ کربلا
خیر اب کچھ آرزو نہیں اس آبِ جنت کی
فرما کے یہ حسین چلے سوئے خیمہ گاہ
تنہا کماں کشوں میں گھرا فاطمہ کا ماہ
چھایا ستم کا ابر شہِ نامدار پر
آئے جو ہر طرف سے شہِ بحر و بر پہ تیر
غل تھا چلیں حسین کے لختِ جگر پہ تیر
آنسو رواں تھے آنکھوں سے بچے کے حال پر
پیہم پکارتے تھے شہِ آسماں جناب
منہ پھیرتے تھے سب کوئی دیتا نہ تھا جواب
جلدی کماں میں جوڑ کے سرکش نے تیر کو
کتنا بچایا شہ نے اجل سے نہ بس چلا
آنسو بھر آئے آنکھوں میں منکا جو ہیں ڈھلا
جو حسرتیں تھیں دل میں قضا نے نکال دیں
اِک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
رونے لگے صغیر کی صورت کو دیکھ کر
چوما گلا چھدا ہوا اُس نونہال کا

اصغر کو خود پلا دے تو پانی کا ایک جام
ہم کو نہیں ہے تابِ عتابِ امیرِ شام
پانی نہ دیں گے بانوئے بیکس کے لال کو
حضرت کے سامنے سے ہٹا تب وہ بے حیا
سمجھا میں تیرے مکر کو اے بانیِ جفا
لہرا رہی ہیں سامنے نہریں بہشت کی
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہوئی فوج سدِّ راہ
جھپٹے ادھر اُدھر پہ نہ پائی کہیں پناہ
تیروں کا مینہ برسنے لگا شیر خوار پر
تلوار سے قلم کیئے روکے سپر پہ تیر
آنے دیا نہ شاہ نے لیکن پسر پہ تیر
مثل کماں جھکے ہوئے تھے اپنے لال پر
یہ کیا خطا ہے روحِ نبی سے کرو حجاب
نکلا پرے سے حرملۂ خانماں خراب
تاکا نگاہِ قہر سے حلقِ صغیر کو
کڑکی اُدھر کمان اِدھر چھد گیا گلا
آنکھوں سے شہ نے آنکھیں ملیں منہ سے منہ ملا
ننھی سی باہیں باپ کی گردن میں ڈال دیں
سینے میں فرطِ غم سے لہو ہو گیا جگر
منہ رکھ دیا کھلے ہوئے منہ پر بچشمِ تر
ملنے لگے جبیں پہ لہو اپنے لال کا

کھینچا جو شہ نے تیر تو بچہ دہل گیا
مُردہ ہوئے حیات کا نقشہ بدل گیا
حضرت نے سر کو پیٹ کے اس طرح آہ کی
ای اہل بزم پیٹنے رونے کی ہی یہ جا
کیا شاہِ دیں پہ ظلم ہوئے وامصیبتا
پھٹ جائے کیوں جگر نہ شہِ خوش خصال کا
غصّے سے حرملہ سے کہا یوں پُکار کر
مجھ سے نکل کے جنگ اب ای نابکار کر
سینے پہ میرے تیر لگاتا تو غم نہ تھا
یہ کہہ کے رو رہے تھے شہنشاہِ بحر و بر
یا شاہ اب نکلتی ہی بانو برہنہ سر
بہنیں ہیں بے قرار پھوپھی بے حواس ہی
چلائے منہ پھرا کے شہنشاہِ مشرقین
فضّہ یہ شہربانو سے کہدے یہ شور و شین
جن کی تمھیں طلب ہی وہ سوئے جناں گئے
یہ کہہ کے ذوالفقار سے کھودی ہیں زمیں
تربت پہ منہ کو رکھ کے پکارے یہ شاہِ دیں
تم یہ نہ جانیو کہ ہمیں چھوڑے جاتے ہیں
یہ کہہ کے اُٹھے واں سے بحسرت امامِ پاک
بازو سے خوں رواں تھا گریبان چاک چاک
دل دشمنوں کے خنجرِ ابرو سے کٹ گئے

خوں جوش کھا کے زخمِ گلو سے اُبل گیا
ہچکی کے ساتھ ہونٹ کھلے دم نکل گیا
تڑپی لحد میں روح رسالت پناہ کی
اولاد والو ہی یہ دمِ نالہ و بُکا
گودی میں مر گیا چھ مہینے کا دلربا
ماتم اُدھر جواں کا اِدھر خُرد سال کا
نازاں ہی تیر حلق پہ بچے کے مار کر
آتا ہوں ننھی لاش لحد میں اُتار کر
بچہ مرا یہ ناقۂ صالح سے کم نہ تھا
ناگہ پکاری ڈیوڑھی سے فضہ بچشمِ تر
اصغر جو رو رہے ہوں تو لے آیئے ادھر
مادر کی گود خالی ہی جھولا اُداس ہی
اصغر تو کوچ کر گئے لائے کسے حسین
گھر میں بس اب نہ آئے گا زہرا کا نورِ عین
جاتے ہیں ہم بھی اب وہیں اصغر جہاں گئے
ہاتھوں سے کی سپردِ لحد لاشِ نازنیں
اب سو و خوب چین سے ای میرے مہ جبیں
ہم بھی تمہارے پاس کوئی دم میں آتے ہیں
رخسار پہ لگی تھی مزارِ پسر کی خاک
اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشمناک
اُلٹی جو آستینیں تو پرے سب اُلٹ گئے

نعرہ کیا تو رعد نے گردوں پہ کی فغاں — کھینچی جو تیغ برق پکاری کہ الاماں
اُٹھا جو ہاتھ کانپ گیا شیرِ آسماں — گردش جو دی تو سب تہ و بالا ہوا جہاں
طبقے زمیں کے روحِ امیں کے پروں پہ تھے — یاں سر پڑے تھے خاک پہ اور تن سروں پہ تھے

جس صف پہ کوند کر وہ گری سر اُڑا دیئے — بازو کماں کشوں کے برابر اُڑا دیئے
پھل برچھیوں کے پھول سپر پر اُڑا دیئے — جو مرغِ تیر اُدھر سے اُڑا پر اُڑا دیئے
جاں سرکشوں کی جانبِ ملکِ عدم چلی — ایسی ہوا بھی گلشنِ عالم میں کم چلی

شمشیرِ شہ کے وصف میں لکھتا ہوں چند بند — جو ہر شناس بھی یہ کریں گے پسند بند
نیزہ کا جس نے باندھا بڑھا کر تمند بند — کاٹا علی کی تیغ نے گرتے ہی بند بند
کیا ضرب تھی کہ فتح کا دروازہ کھل گیا — اجزائے جسمِ نحس کا شیرازہ کھُل گیا

بجلی سی کوند کر صفِ اعدا پہ جب گری — ہر سمت غل ہوا کہ وہ برقِ غضب گری
بیدم تھا جس پہ تیغِ شہِ تشنہ لب گری — کھلتا نہ تھا کب اُٹھ گئی اور سر پہ کب گری
چل پھر سے اُس کی فوجِ ستم دردناک تھی — گردوں پہ تھی کبھی تو کبھی زیرِ خاک تھی

دو لاکھ پر وہ تیغ برستی چلی گئی — ناگن کی طرح فوج کو ڈستی چلی گئی
بجلی سی دونوں باگوں پہ کستی چلی گئی — دم میں جلا کے خرمنِ ہستی چلی گئی
زخموں کو اُس نے آتشِ سوزاں بنا دیا — ہر نخلِ قد کو سروِ چراغاں بنا دیا

اس تیغ کی برش سے زبردست زیر تھے — روباہ بن گئے تھے وہ دل جن کے شیر تھے
گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتنے دلیر تھے — تودے تھے سرکشوں کے کمانوں کے ڈھیر تھے
غل تھا کہ اے نبی کے نواسے پناہ دے — اے دو شبانہ روز کے پیاسے پناہ دے

آئی ندائے غیب کہ اے ابنِ مرتضا — معنی یہی ہیں جنگ کے شاباش مرحبا
کس کا یہ منہ ہے تجھ سے کوئی کر سکے وغا — اعدا پہ بخشنے کے مناسب ہے اب وفا
ہم منتقم ہیں ان سے نہ تو انتقام لے — اے صابروں کے فخر بس اب ہاتھ تھام لے

آوازِ غیب سنتے ہی تھرا گئے امام
گردن پھرا کے منہ کو لگا تکنے خوش خرام
رُک جا کہ خاتمہ ہوا جنگ و جدال کا
رُکنا تھا بس کہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
تیغوں سے ہاتھ کٹ گئے سر ہو گیا فگار
کھائی سناں جو غش میں دلِ دردناک پر
پہونچی جو ضرب پھٹ گئے زخمِ تنِ حسین
سر خاک پہ پٹکنے لگا توسنِ حسین
اعدا نے کائنات کا دفتر الٹ دیا
بولا یہ فوج سے عمرِ سعد روسیاہ
نکلے کہیں نہ خیمے سے زینب باشک و آہ
راحت کے بعد فتح سرانجام کیجیو
خولی علم لیے ہوئے شمشیرِ کیں بڑھا
خنجر کمر سے کھینچ کے شمرِ لعیں بڑھا
زینب نے دی دہائی تو منہ کو پھرا لیا
پھیرا گلوئے خشک پہ خنجر جو ایک بار
شہ رگ پہ جب پہنچ گئی تیغِ ستم کی دھار
بیکس ہوں تشنہ کام ہوں تیغوں سے چور ہوں
یارب بحقِ گوہرِ دندانِ مصطفا
یارب بحقِ حرمتِ زہرا و مجتبا
ہے تجھ سے التجا یہی مجھ دل ملول کی

ر۔ ناگاہ [illegible] پہ چلے برچھیوں کے وار

کی ذوالفقار میان میں اور روک لی لگام
فرمایا تجھ سے ہوتا ہے رخصت پہ تن نہ کام
اب سر چڑھے گا نیزے پہ زہرا کے لال کا
اک جسمِ نازنیں پہ چلے تیر دس ہزار
تیورا گیا وہ فاطمہ زہرا کا گلعذار
کرسی نشینِ عرش گرا فرشِ خاک پر
سب خاک خون میں بھر گیا پیراہنِ حسین
سجدے کو سوئے قبلہ جھکی گردنِ حسین
نیزوں سے لاشِ شہ کو زمیں پر الٹ دیا
رہتی پہ اب تو غش ہے محمد کا رشکِ ماہ
ہاں کاٹ لو سرِ پسرِ ضیغمِ الٰہ
زہرا کے گھر کو لوٹ کے آرام کیجیو
بڑھتے ہی اس کے اپنے پرے سے حصین بڑھا
شہ کی طرف چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
زانو سے شہ کا سینۂ زخمی دبا لیا
آثارِ صبحِ حشر ہوئے رن میں آشکار
چلائے ہاتھ اٹھا کے امامِ فلک وقار
یارب گواہ رہیو کہ میں بے قصور ہوں
یارب بحقِ خونِ سرِ شاہِ مرتضا
کچھ اور مانگتا نہیں اصغر کا خوں بہا
امت کو بخش دے مرے نانا رسول کی

یہ کہتے تھے کہ حلق سے خنجر گزر گیا
خورشیدِ آسمانِ شرف خوں میں بھر گیا
دُنیا سے بادشاہِ اُمم کوچ کر گیا
چلائی فاطمہ کہ مرا شبیر مر گیا
برپا ہو جب یہ حشر تو کیا دل کو کل پڑے
باہر سب اہلِ بیتِ محمد نکل پڑے

زینب نے خیمہ گاہ سے باہر جو کی نظر
دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری بچشمِ تر
میں لُٹ گئی پھوپھی مرے بابا گئے کدھر
شہ ذبح ہو گئے نہ کسی کو خبر ہوئی
ہی ہی ذری سی عمر میں میں بے پدر ہوئی

بنتِ علی کی آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ
ہاتھوں سے دل پکڑ کے کہا وا محمدا
مُنہ پیٹ کے زمیں پہ گری بھر اشک و آہ
چلائی ہائے خانۂ زہرا ہوا تباہ
ہم سب کے چین اب تہِ افلاک اُٹھ گئے
ہی ہی جہاں سے پنجتنِ پاک اُٹھ گئے

ہی ہی شہیدِ خنجرِ ظلم و جفا حسین
ہی ہی گلو بریدۂ راہِ خدا حسین
ہی ہی غریب و بیکس و بے آشنا حسین
ہی ہی ذبیحِ ماریہ و نینوا حسین
ہی ہی لہو بھری ہوئی زلفیں لٹکتی ہیں
ہی ہی رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

لوٹا بلا کے گھر سے محمد کی آل کو
پیاسا کیا شہید شہِ خوش خصال کو
ہی ہی دیا کفن بھی نہ زہرا کے لال کو
لوگو خبر کرو اسدِ ذوالجلال کو
دیکھیں بغور زخمِ تنِ پاش پاش کے
ٹکڑے اُٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے

بس ای انیس حشر ہی مجلس میں اب خموش
سر پیٹتے ہیں عاشقِ سرور بصد خروش
ہی ماتمِ حسین کا بزمِ عزا میں جوش
کیا مرثیہ پڑھا کہ کسی میں نہیں ہی ہوش
فرما رہے ہیں شبیرِ خدا مرحبا تجھے
دیتی ہی روحِ فاطمہ زہرا دعا تجھے

مرثیہ (۱۵)

ای شمعِ قلم روشنیِ طور دکھا دے
ای لوحِ تجلّیِ رُخِ حور دکھا دے
ای بحرِ طبیعت گہرِ نور دکھا دے
ای شاہدِ معنی رُخِ مستور دکھا دے
بزمِ غمِ شبیر میں وہ جلوہ گری ہو
خورشیدِ جہاں تاب چراغِ سحری ہو

ای طبعِ رسا خلد کا گلزار دکھا دے
ای باغِ سخن گلشنِ بے خار دکھا دے
ای شمعِ زباں لمعۂ انوار دکھا دے
ای حسنِ بیاں خوبیِ گفتار دکھا دے
لرزاں ہی قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغِ زباں آج تو کر کام قلم کا

مانی کو بھی حیرت ہو وہ نقشہ نظر آئے
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشہ نظر آئے
سب بزم کو حیدر کا سراپا نظر آئے
مہتاب تو کیا ہی رُخِ خورشید بھی فق ہو
جو بند ہو تصویرِ تجلّی کا ورق ہو

ہی رتبۂ مداحِ چمنِ فاطمہ عالی
ہاں باندھ لو گلدستۂ مضمونِ خیالی
ہر مصرعِ شاداب ہی اک پھولوں کی ڈالی
لفظوں کے بھی غنچے ہوں نزاکت سے نہ خالی
لبریز لطافت سے ہو رنگینِ سخن ایسا
رضواں بھی پکارے نہیں دیکھا چمن ایسا

خاموش! زباں دعویِ بیجا نہیں اچھا
ہو جس میں تکبّر سخن ایسا نہیں اچھا
بس بس یہ غرور اور یہ دعویٰ نہیں اچھا
آپ اپنی ثنا واہ یہ شیوا نہیں اچھا
کم مایہ کمال اپنا جتا دیتا ہی اکثر
جو ظرف کہ خالی ہی صدا دیتا ہی اکثر

خورشید کو کچھ حاجتِ زیور نہیں زنہار
پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہی بیکار
اعلیٰ ہی اگر جنس تو کیا حاجتِ اظہار
خود مشک ہو خوشبو نہ کہ خوشبو کہے عطار
جو بد ہی سو بد ہی جو نکو ہی وہ نکو ہی
چھپنے کی نہیں آپ اگر عود میں بو ہی

انساں کے لیۓ عجز ہی لازم ہی بہر کیف
گر صاحبِ جوہر نہ چلے جھک کے تو صد حیف
آفاق میں یوں فیضِ نگیں عام نہ ہوتا
یارب مری فریاد میں تاثیر عطا کر
دولت کے عوض فقر کی جاگیر عطا کر
دعویٰ نہ سخن کا ہی نہ اعجاز بیاں ہوں
ای باعثِ ایجادِ جہاں وقتِ مدد ہی
ای خضرِ رہِ گم شدگاں وقتِ مدد ہی
چلنا ہی دمِ تیغِ دو دم پر کوئی دم کو
ای قبلۂ کونین اعانت کی طلب ہی
ای بحرِ عطا ہمت و رحمت کی طلب ہی
مقبول ہی وہ تو جسے منظور کرے گا
ای ساقیِ کوثر مۓ فردوس عطا کر
ای دستِ خدا قلبِ مکدّر کی صفا کر
مستی میں نہ فکرِ خرد و ہوش کروں میں
اندیشۂ توصیفِ شہنشاہِ امم ہی
یہ راہ ہی باریک کہ لغزش میں قدم ہی
خامے سے نہ کچھ طبعِ خداداد سے ہوگا
بلبل سے کبھی وصفِ گلِ تر نہیں ممکن
ذرّے سے ثنائے شہِ خاور نہیں ممکن
مقدور کسے سَرِّ الٰہی کی ثنا کا

مطلع دوم

ہی خانۂ دنیا میں ہر اک پیر و جواں ضیف
خارج ہی اصالت سے وہ کستی نہیں جو سیف
ہوتا نہ فرو تن تو کبھی نام نہ ہوتا
بلبل بھی پھڑک جاۓ وہ تقریر عطا کر
توفیقِ ثنا خوانیِ شبیر عطا کر
تو عالم و دانا ہی کہ میں ہیچداں ہوں
ای منتظمِ کون و مکاں وقتِ مدد ہی
ای دادرسِ پیر و جواں وقتِ مدد ہی
یوں ہاتھ پکڑ لے کہ نہ لغزش ہو قدم کو
ای ہادیِ دارین ہدایت کی طلب ہی
ای نورِ خدا نورِ بصیرت کی طلب ہی
اس ذرّہ کو خورشید ترا نور کرے گا
ای عیسیِ دوراں مرضِ دل کی دوا کر
ای نورِ حق آئینۂ خاطر کی جلا کر
کیفیتِ دنیا کو فراموش کروں میں
زانو پہ سرِ فکر ہی سجدے میں قلم ہی
ای دستِ زبردستِ خدا وقتِ کرم ہی
یہ مرحلہ طی آپ کی امداد سے ہوگا
آئینہ سے اوصافِ سکندر نہیں ممکن
جبریل سے تعریفِ پیمبر نہیں ممکن
ہو سکتا ہی بندے سے کہیں شکر خدا کا

ہے عرش جہاں فرش یہ کاشانہ ہے کس کا
ہر سو ہے تجلّی یہ جلوخانہ ہے کس کا
جلتا ہے دلِ شمع یہ افسانہ ہے کس کا
سرگشتہ ہے مہتاب یہ پروانہ ہے کس کا
روشن ہے جہاں جلوۂ نورِ ازلی ہے
ہاں بزمِ معلائے حسین ابنِ علی ہے

مجلس کا نہ ہے نور خوشا محفلِ عالی
حیدر کے محبّوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی
اثنا عشری پنجتنی شیعۂ غالی
ششدر نہ ہوں کیوں چار طرف جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

اللہ رے رتبہ یہ فلک ہے کہ زمیں ہے
ہے عرش مکاں جس کا وہ آج اس میں مکیں ہے
جو دل ہے سو وابستۂ لطفِ شہِ دیں ہے
مجلس ہے کہ گلدستۂ فردوسِ بریں ہے
یہ اوج یہ رُتبہ کسی محفل کو ملا ہے
ان پھولوں کے قربان عجب باغ کھلا ہے

فرماتے ہیں شیعوں کے یہ حق میں شہِ اکرم
یہ بزمِ عزا ہوتی ہے جس گھر میں فراہم
بن جاتے ہیں اشک ان کے مرے زخموں کے مرہم
یہ لوگ ہیں سب میرے مصاحب مرے ہمدم
مر جاتا ہے کوئی تو بکا کرتا ہوں میں بھی
ان کیلئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

کیسا ہی گنہگار مرے میرا عزادار
ہے اس کے گناہوں سے فزوں رحمتِ غفّار
فرماتے ہیں بخشش کی دُعا احمدِ مختار
اللہ سے میں ہوتا ہوں بخشش کا طلبگار
گر نزع میں سختی ہو تو زہرا و نبی ہیں
اور قبر کی مشکل میں شریک اُس کے علی ہیں

کیوں مومنو کیا فیض ہے کیا لطف و عطا ہے
کیا مرتبۂ اشک ہے کیا اجرِ بکا ہے
گوہر ہیں یہ وہ جن کا خریدار خدا ہے
جو کچھ ہے سو بس دوستیِ آلِ عبا ہے
دُنیا پہ نہ دولت پہ توجہ ہے نہ زر پہ
زہرا کی نظر پڑتی ہے اشکوں کے گہر پہ

کیا اشکِ عزادار کا رتبہ کوئی جانے
یہ گنجِ گہر بخشا ہے مردم کو خدا نے
کی ہے نظرِ عینِ عنایت شہدا نے
دکھلائیں گے کیا کیا ثمر ان اشکوں کے دانے
یاں اس کا نہ عقدہ دلِ مضطر پہ کھلے گا
یا قبر پہ یا چشمۂ کوثر پہ کھُلے گا

یاں اشک کا دانہ ہے تو واں دُرِ ثمیں ہے   یاں آب ہے واں غازہ کشِ چہرۂ دیں ہے
یاں آنسوؤں کا تار ہے واں حبلِ متیں ہے   یاں قطرہ ہے واں خاتمِ رحمت کا نگیں ہے
قطرہ ہے مگر بحر کو بھی گرد کرے گا   دوزخ کے شراروں کو یہی سرد کرے گا
جو لوگ ہیں پاک انھیں دوزخ سے نہیں باک   منہ اشکوں سے دھویا تو گناہوں سے ہوئے پاک
ہے دولتِ ایماں غمِ سبطِ شہِ لولاک   ہو جاتی ہے کیا بعدِ بکا طبع فرحناک
آنکھوں کی ضیا رُخ کی صفا دل کی جلا ہے   سب ایک طرف گلشنِ فردوس ملا ہے

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو   آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو   ایذا بھی ہو مجلس میں تو راحت اسے جانو
فاقے کیے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں   آقا نے تمھارے لیے کیا ظلم سہے ہیں
تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے   پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمیِ عاشور کا بھی حال سنا ہے   سر پیٹنے کا وقت ہے فریاد کی جا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر   بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

وہ گرم ہوا آہ وہ آندھی وہ بگولے   اُٹھے جو ترائی سے تو دم شیر کا پھولے
دو گام چلے گر تو ہرن چوکڑی بھولے   کیا تاب ہے اس کی جو کوئی سنگ کو چھو لے
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر   اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر
حدت تو یہ خورشید کی اور پیاس کا وہ حال   لب خشک تھے سنولا گیا تھا فاطمہ کا لال
سایہ نہ علم کا تھا نہ عباسِ خوش اقبال   گہہ رُخ پہ سپر روکتے تھے اور کبھی رومال
تھی دھوپ کڑی فاطمہ کے رشکِ چمن پر   تھی گرم زرہ جلتے تھے ہتھیار بدن پر

زلفیں وہ جنھیں سونگھتی تھی فاطمہ ہر شب   غیرت وہ مشکِ ختن عنبرِ اشہب
کہتے تھے جنھیں فاطمہ کا رشتۂ جاں سب   کیوں دل نہ پریشان ہو وہ مٹی میں اٹیں جب
آہوں کا دھواں کیوں نہ اُٹھے کون و مکاں سے   فریاد کہ باندھا انھیں شقی نے سناں سے

وہ چاندسی پیشانیِ نورانیِ شبیر
اندھیر ہے اس پر بنِ اشعب کا لگا تیر
سجدے کریں محرابِ حرم کی ہے یہ توقیر
ان ابروؤں پر ہائے چلی ظلم کی شمشیر
آہو کو ستاتے نہیں صیاد حرم میں
آنکھیں وہ لہو روتی تھیں فرزندوں کے غم میں

وہ ریش جو ہالہ تھی تو چہرہ مہِ انور
فاقوں سے تھا یہ زرد وہ تھی آنسوؤں سے تر
وہ پھول سے رخسار وہ لعلِ لبِ اطہر
اس کے لیے تلواریں تھیں اس کے لیے پتھر
دنداں دہنِ پاک میں سب رشکِ گہر تھے
گزرے تھے کئی روز کہ دنداں پہ جگر تھے

وہ حلق جسے چومتے تھے احمدِ مختار
تیر اس کے لیے ہوتے تھے واں خنجرِ خونخوار
وہ دوش جو امت کا اٹھائے ہوئے تھا بار
لگتا تھا تبر اس پہ کبھی اور کبھی تلوار
لڑنے کی نہ طاقت تھی شہِ تشنہ گلو میں
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں بازو کی لہو میں

وہ شمعِ سرِ طور سی پرنور کلائی
اس پر خطِ شمشیر دوہائی ہے دوہائی
منہ دیکھ لو صاف ایسی ہتھیلی میں صفائی
ہے سب پہ کھلی انگلیوں کی عقدہ کشائی
نسبت نہیں ناخن سے کبھی بدر کی ضو کو
ہفتہ میں دکھائے تو کوئی دن مہِ نو کو

وہ سینۂ روشن کہ جو تھا مطلعِ انوار
گنجینۂ علمِ احدی مخزنِ اسرار
قرآن کو رکھ لیتے ہیں سر پر جو ہیں دیندار
کیا قہر ہے واں پاؤں دھرے شمرِ ستمگار
سینے پہ نہ تھا اس کا قدم حشر بپا تھا
ہوجاتی جو دنیا تہ و بالا تو بجا تھا

عباس سے بھائی کا جو تھا صدمۂ جانکاہ
ٹکڑے تھا جگر ٹوٹ گئی تھی کمرِ شاہ
اس ضعف میں لغزش سے نہ وہ پاؤں تھے آگاہ
پایا تھا ثبات قدمِ پاک یداللہ
سب خاک پہ ٹکڑے تو کلیجے کے پڑے تھے
لاکھوں سے لڑائی تھی یہ بشاش کھڑے تھے

منہ کرکے سوئے چرخ یہ فرماتے تھے ہر بار
عالم مری نیت سے ہے تو واقف مرے مختار
گھر سے نہ علاقہ ہے نہ بچوں سے سروکار
ہر حال میں ہوں تجھ سے اعانت کا طلبگار
گو شاہِ زمن ہوں پہ ترے در کا گدا ہوں
محتاج ہوں بیکس ہوں غریب الغربا ہوں

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے
واقف نہیں کوئی ترے اسرارِ نہاں سے
پیاس آج کے دن کی مجھے مرغوب ہے مولا
ہر دم ہے ترا لطف مرے حال کے شامل
بخشا وہ مکاں رہنے کو اے خالقِ عادل
یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پہ

نانا تو دیا اشرفِ ذریتِ آدم
ماں سیدہ کون و مکاں ثانیِ مریم
دنیا میں کسی اور کا رتبہ ہے کب ایسا
ماں طاہرہ جد طیب و پاکیزہ پدر پاک
گلشن کی زمیں پاک شجر پاک ثمر پاک
پھولے وہ شجر جس کو ثمردار کرے تو

بچپن میں محمد نے زباں اپنی چوسائی
قربان رہی احمدِ مختار کی جانی
افلاک سے دن میں کئی بار آتے تھے جبریل
دم بھر کبھی تنہا نہ رہا آٹھ پہر میں
ماں ساتھ مرے ہوتی تھیں پھرتا تھا جو گھر میں
اس رتبۂ اعلیٰ کا سزاوار میں کب تھا

تھا عید کو عریاں کہ عنایت ہوئی پوشاک
مرکب جو نہ تھا اونٹ بنے سیدِ لولاک
یہ تختِ سلیماں کو نہ یہ تاج ملا تھا
ہے ناطقہ عاجز کہ زبا ہو وہ ہے بیاں سے
دشوار ہے عالم کی صفت ہیچمداں سے
جو تیری مشیت ہے وہی خوب ہے مولا

پیدا کیا واں وحی جہاں ہوتی تھی نازل
بے اذن ملک جس میں نہ ہو سکتے تھے داخل
جبریل و سرافیل کھڑے رہتے تھے در پر
بابا شہِ مرداں سا دیا فخرِ دو عالم
بھائی وہ کہ تو جس کی بزرگی سے ہے محرم
نام ایسا گھر ایسا نسب ایسا حسب ایسا

رحمت سے تری کیوں نہ ہوا ایسوں کا پسر پاک
گھر پاک جگہ پاک صدف پاک گہر پاک
جس قطرے کو چاہے درِ شہوار کرے تو
اب تک کسی نعمت میں وہ لذت نہیں پائی
جب سے وہ میٹھا نعمتِ فردوس بھی کھائی
ڈوری مرے جھولے کی ہلا جاتے تھے جبریل

گہ دوشِ نبی پر گہے آغوشِ پدر میں
پتلی کی طرح رکھتے تھے سب مجھ کو نظر میں
مولا یہ تری چشمِ عنایت کا سبب تھا
عمامہ نبی سر پہ دیا جامۂ رو پاک
بالا رہا سب سے مرا رتبہ تہِ افلاک
بچپن میں مجھے رتبۂ معراج ملا تھا

رحلت ہوئی خورشیدِ فلک کو پئے حیدر
روزہ جو رکھا میں نے تو اے خالقِ اکبر
منظور تھی خوردی میں بزرگی مرے سن کی

کیا عمر تھی جب سر سے اُٹھا باپ کا سایا
تھا تو جو نگہبان تو نہ اعدا نے ستایا
رحمت سے تری خلق کے مختار ہوئے ہم

دولت مجھے دی گوہرِ عزت مجھے بخشا
مسند مجھے دی تختِ امامت مجھے بخشا
اختر کو قمر قطرے کو گوہر کیا تو نے

انصار دیئے وہ جو پیمبر نے نہ پائے
احباب وہ یکرنگ جو شبر نے نہ پائے
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا

فرزند وہ امداد کیا جو شمائل
خورشید زمیں بُرجِ شرف کا مہِ کامل
دولت یہ نہ ملتی جو خداوند نہ دیتا

اکثر ترے بندے ہیں کہ جن کے نہیں اولاد
کہتے ہیں کہ غمگین ہیں کبھی اور کبھی شاد
مرتے ہوئے دیکھا ہی برابر کے پسر کو

سو مرتے جو فرزند تو بے صبر نہ ہوتا
دامن کو ترے خوف میں اشکوں سے بھگوتا
یوں تو وہ کلیجہ تھا مرا اور مرا جی تھا

یعنی نہ قضا ہوئے نمازِ شہِ صفدر
دن تھا پہ ہوئی رات چھپا مہرِ منوّر
دن ہو گیا واں شب کا تو یاں شب ہوئی دن کی

دو بھائی تھے دو بہنیں تھیں اور دیس پرایا
ماں باپ کا مرنا تری شفقت نے بھلایا
دیکھی جو یتیمی دُرِ شہوار ہوئے ہم

بابا کی طرح اوجِ شرافت مجھے بخشا
ان سب کے سوا تاجِ شفاعت مجھے بخشا
ذرّہ تھا سو خورشیدِ منوّر کیا تو نے

اصحاب وہ بخشے کہ جو حیدر نے نہ پائے
لوگ ایسے کسی صاحبِ لشکر نے نہ پائے
خادم کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

تھی جس کی زیارت کے سببِ روشنیِ دل
یہ بھی تری امداد تھی اے خالقِ عادل
کیا کرتا اگر تو مجھے فرزند نہ دیتا

نے فاتحہ خواں کوئی نہ فرزند نہ احفاد
بچّے ہوئے اور مر گئے اور گھر ہوا برباد
اس داغ کی قدر آج ہوئی میرے جگر کو

خادم کبھی اس اجر کو ہاتھوں سے نہ کھوتا
اکبر کو میں فرزند سمجھ کر نہیں روتا
میں اس لیے روتا ہوں کہ ہمشکلِ نبی تھا

بچھڑا تھا کبھی مجھ سے نہ وہ گیسوؤں والا
جب چاند سی چھاتی پہ لگا ظلم کا بھالا
اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تفتیدہ جگر ہوں
دریا پہ جو عباس نے جان اپنی گنوائی
باعث تھا یہ لاشے پہ جو رقت بہت آئی
صدمے سے نہ پھر ضبط کا یارا ہوا مجھکو

تنہا ہوں بس اب کوئی نہیں مونس و ہمدم
اب رنج نہ گھر کا ہے نہ اولاد کا ماتم
وابستۂ تسبیح رکھوں رشتۂ جاں کو
گو روح کو راحت نہیں اور قلب کو آرام
کم ہے ترے سجدے میں ہوں گر سحر و شام
آنکھیں تری ہی جانب ہیں تو دل تیری طرف ہے

نے پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقہ کی شکایت
وہ بھی ترا انعام تھا یہ بھی ہے عنایت
وہ کونسی دولت ہے جو موجود نہیں ہے
ہرچند کہ ہے سخت بہت ذبح کی منزل
زانو جو رکھے سینۂ مجروح پہ قاتل
سجدہ تہِ شمشیر بہ ناشاد نہ بھولے

حضرت تو یہ کرتے تھے سخن صبر و رضا کے
چلاتا تھا یوں شمر کماں داروں میں آکے
یاں تک خلفِ شاہِ نجف آنے نہ پائے

پیری کی عصا تھا وہی اور گھر کا اجالا
تھا سینے میں خادم کا کلیجہ تہ و بالا
تو رحم کر اے خالقِ اکبر کہ بشر ہوں
خادم کی کمر ٹوٹ گئی مر گیا بھائی
مولا مجھے یاد آگئی بابا کی جدائی
پھر داغِ یداللہ دوبارا ہوا مجھکو

موجود ہے تو سر پہ کچھ اس کا بھی نہیں غم
بہتر ہے گزر جائے تری یاد میں جو دم
جب تک ہے دہن میں حرکت خشک زباں کو
ہے تقویتِ جان و دل و روح ترا نام
قاصر ہے زباں شکر میں اے خالقِ علام
گر تو اسے مقبول کرے عین شرف ہے

ہر طرح ہے راضی پسرِ شاہِ ولایت
الطاف کا پایاں ہے نہ بخشش کی نہایت
ہاں ایک شہادت ہے سو اب وہ بھی قریں ہے
تو چاہے تو ہو جائے گی آسان یہ مشکل
وہ صبر عطا کیجو کہ تڑپے نہ مرا دل
سب محو ہوں دل سے پہ تری یاد نہ بھولے

بند ہونے تھے ادھر رن میں ہوئے اہلِ جفا کے
تاکے رہو سینہ کو امام دوسرا کے
یہ شبیر ترائی کی طرف آنے نہ پائے

برچھے لیے ہاتھوں میں سواران جفاکار
آلودۂ خوں برچھیاں تولے ہوئے خونخوار
لشکر کے جواں گرزِ گراں تولے ہوئے تھے
وہ غل عربی باجوں کا وہ بوق کے نالے
رستم کی نہ طاقت تھی جو واں دل کو سنبھالے
پیدا تھی جلاجل سے اک افسوس کی آواز
رو رو کے یہ پُر درد صدا دیتی تھی شہنا
فانی ہے زمیں اس پہ ہمیشہ نہیں رہنا
دو روز کے پیاسے شہ مظلوم کھڑے ہیں
چلّے سے جو بدکیش ملانے لگے سوفار
فرمایا قسم ہے تمھیں ای قومِ ستمگار
انصاف سے کہدو کہ طلبگار ہوں جس کا
ہے کون گلِ سر سبدِ گلشن اسلام
آتی تھی کسے وحیِ الٰہی سحر و شام
جبریلِ امیں ہمدم و ہمراز ہے کس کا
برپا علمِ نظم و نسق کر دیا کس نے
رنگِ رخِ کفّار کو فق کر دیا کس نے
لب ہل گئے جب نخلِ دعا میں ثمر آیا
بخشا کسے اللہ نے معراج کا پایا
پڑتا تھا نہ اس خاک پہ کس شخص کا سایا
کس رخ کو تجلّی صفتِ بدر عطا کی

بڑھ بڑھ کے صفِ جنگ میں چمکاتے تھے رہوار
تھی ڈھال پہ ڈھال اور تھی تلوار پہ تلوار
ہر صف میں علم اور نشاں کھولے ہوئے تھے
وہ شورِ دہل سر پہ جو گردوں کو اٹھا لے
دب جائے اگر دیو بھی آواز نکالے
جاتی تھی کئی کوس تلک کوس کی آواز
اچھا نہیں سیّد کا لہو خاک پہ بہنا
ڈرتی نہ ہو مظلوم کے مانو مرا کہنا
اس غم سے کلیجے میں مرے چھید پڑے ہیں
خود چھیڑ کے گھوڑے کو بڑھے سیدِ ابرار
کس شخص کا دلبند ہوں میں بیکس و ناچار
جد کس کا ہے تم سب کلمہ پڑھتے ہو کس کا
آبادکنِ کعبۂ حق کاسرِ[۱] اصنام
جو نام خدا سے ہے بہم کس کا ہے وہ نام
قرآن جسے کہتے ہو اعجاز ہے کس کا
عالم کو سوئے کعبۂ حق کر دیا کس نے
ہلال بدر کو انگشت سے شق کر دیا کس نے
انگشتِ شہادت کو اٹھا کر شجر آیا
مردوں کو مسیحا کی طرح کس نے جلایا
جد کس کا ہے وہ سورۂ کوثر جسے آیا
دنیا میں کسے حق نے شبِ قدر عطا کی

[۱] یعنی توڑنے والا بتوں کا

سب بولے کہ اس بات سے واقف ہے زمانہ
روشن ہے شب ماہ سے معراج کا جانا
وہ قبلۂ دیں باعث ایجاد فلک ہے

شبیر نے فرمایا کہ وہ کس کی ہے مادر
دنیا کا شرف زینت دیں عرش کا زیور
بھیجی ہے انھیں چادر تطہیر خدا نے

کہنے لگے بے شرم کہ ہے خاصۂ قیوم
سب جانتے ہیں ساکن شام و عرب و روم
زہرا کا پدر فخر رسولان سلف ہے

اس حجت ہادی نے یہ فرمایا پھر اک بار
کس کا ہے لقب شیر خدا حیدر کرار
ہر جنگ میں کفار پہ ور کون رہا ہے؟

آباد ہوئی کس کی رعایت سے رعایا
کس کے لیے اکملت لکم دینکم آیا
یکتائے جہاں کون ہے جرات میں سخا میں

وہ کون ہے اللہ و نبی کو جو ہے پیارا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا
اعلیٰ کے فرمایا علی کس کو کہا ہے

طاعت سے جو افضل ہے اطاعت ہے وہ کس کی
پہنچا وے جو کوثر پہ رفاقت ہے وہ کس کی
انصاف کا اس وقت طلبگار ہوں تم سے

لاریب ہیں محبوب خدا آپ کے نانا
کافر ہے وہ اس بات کو جس نے نہیں مانا
آپ ان کے نواسے ہیں کچھ اس میں نہیں شک ہے

قرآں میں جسے حق نے کہا طاہر و اطہر
خاتون جہاں نور خدا بنت پیمبر
امت کے گنہ ڈھانپ دیئے جن کی ردا نے

وہ آپ کی مادر ہیں یہ کس کو نہیں معلوم
وہ سیدہ معصوم ہے اور آپ بھی معصوم
حوا کا نہ رتبہ ہے نہ مریم کا شرف ہے

من بعد نبی کون ہے کونین کا سردار
اللہ نے بھیجی ہے کسے عرش سے تلوار
محبوب الٰہی کی سپر کون رہا ہے؟

کس شاہ نے دینداروں کی بستی کو بسایا
اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
دو حصے ہے قرآن خدا کس کی ثنا میں

جو عرش کی زینت ہے وہ ہے کونسا تارا
اللہ نے کس گھر میں ستارے کو اتارا
اللہ نے قرآں میں ولی کس کو کہا ہے

پوچھے گا خدا جس کو محبت ہے وہ کس کی
جو اجر رسالت ہے مودت ہے وہ کس کی
ہے کون مراد آیۂ لا اسئلکم سے

جو والیِ کونین ہی وہ کون ولی ہی
قرآں میں کس کے لیئے وہ نصِ جلی ہی
وہ کون ہی جو شاہِ امامِ ازلی ہی
سب نے کہا برحق وہ علی ہی وہ علی ہی
برعکس ہیں جو لوگ وہی بانیِ شر ہیں
سب پہ ہی یہ آئینہ کہ آپ اُن کے پسر ہیں

گردوں کی طرف دیکھ کے بولے شہِ بیکس
کافی ہی شہادت کو تری ذاتِ مقدس
یارب مجھے ان سے کوئی حجت نہ رہی بس
کرتے ہیں ستم دیدہ و دانستہ یہ ناکس
دُکھ کونسا اور کونسی ایذا نہیں دیتے
مہماں ہوں اور پانی کا قطرہ نہیں دیتے

جاہل نہیں سب ہیں مرے رُتبے کے شناسا
خود اس کے مقر ہیں کہ نبی کا ہوں نواسا
اس نہر سے پانی نہیں دیتے ہیں ذرا سا
شاہد تجھے کرتا ہوں کہ تین دن سے ہوں پیاسا
ٹکڑے ہو بدن یا تہِ شمشیر گلا ہو
اس سب کے عوض حشر میں شیعوں کا بھلا ہو

سُن کر یہ سخن رونے لگے فوج کے بے پیر
مظلوم کی فریاد نے کی سنگ میں تاثیر
بولا پسرِ سعد کہ یا حضرتِ شبّیر
تنہا ہوئے اب کیوں نہ کرو عجز کی تقریر
میداں سے ہٹاتے نہیں اس فوجِ گراں کو
ایسا ہی مرا رعب کہ لکنت ہی زباں کو

اس عجز کو مانے گا نہ یہ لشکرِ سفّاک
پھر کیا کریں گر ہو پسرِ سیدِ لولاک
سو مل گئے ہیں خاک میں ایسے گہرِ پاک
حاکم ہیں کہ ہی دورِ ہمارا تہِ افلاک
ڈرتے نہیں گر شکوۂ بیداد کروگے
کیا ہوگا جو اللہ سے فریاد کروگے

عباس سے کہدو کہ مدد کرنے کو آئیں
جعفر کے پسر جوہرِ شمشیر دکھائیں
قاسم ہیں کدھر خون کے دریا جو بہائیں
اکبر سے کہو جنگ کریں برچھیاں کھائیں
اب آپ کی جرات کا بھی وہ طور نہیں ہی
شاید کوئی زینب کا پسر اور نہیں ہی

بیدرد نے چھیڑ کا جو نمک زخمِ جگر پر
طاری ہوا غصہ شہِ مرداں کے پسر پر
سُرخی سی نظر آنے لگی دیدۂ تر پر
کی تیز نظر قبضۂ شمشیرِ دو سر پر
شہ کی نظرِ غیظ نہ تھی قہرِ خدا تھا
شمشیر ید اللہ جدا میان جدا تھا

خود تیغِ علی شاہ کے اعجاز سے نکلی
فریادِ دلِ فوجِ دغا باز سے نکلی
کس شان و تجمل سے کس انداز سے نکلی
پریوں کے بھی ہوش اڑ گئے اس ناز سے نکلی
فانوس سے خود شمعِ تجلی نکل آئی
محمل سے تڑپتی ہوئی لیلیٰ نکل آئی

تھیں تیغ کی دونوں جو زبانیں شرر افشاں
موسیٰ کا عصا کہتا تھا کوئی کوئی ثعباں
غل چار طرف تھا کہ زہے قدرتِ یزداں
ہیں ایک جگہ دو مہِ نو دست و گریباں
شہباز اجل بازوؤں کو تولے ہوئے ہے
پر اوجِ سعادت کے ہما کھولے ہوئے ہے

نعرہ کیا ہاں اے پسرِ سعد جفاکار
لے دیکھ تو ان کانپتے ہاتھوں کا کوئی وار
ہر چند کہ ہے عجز ہی بندے کو سزاوار
مجبور نہیں لختِ دلِ احمدِ مختار
شاید مرا رتبہ تجھے معلوم نہیں ہے
وہ کونسی شے ہے کہ جو محکوم نہیں ہے

حاکم ہوں میں سب خلقِ خدا ہے مرے تابع
ہیں بابِ اجابت ہوں دعا ہے مرے تابع
مختارِ قدر ہوں میں قضا ہے مرے تابع
آتش مری محکوم ہوا ہے مرے تابع
قبضہ ہے مرا خاک کے ہر گنجِ نہاں پر
جاری ہے مرا حکم رواں آبِ رواں پر

آتش کو جو دوں حکم ابھی سب کو جلا دے
ہستی کے چراغاں کو ہوا دم میں بجھا دے
پانی کا یہ طوفاں ہو کہ عالم کو ڈبا دے
ہل ہل کے زمیں خاک زمانے کی اڑا دے
ہستی ہو نہ پستی نہ مکیں ہے نہ مکاں ہوں
آثارِ اذا زلزلت الارض عیاں ہوں

ذرہ بخ سے کچھ بیم نہ دہشت ہے بلا سے
مضطر ہوں نہ دکھ سے نہ ستم سے نہ جفا سے
خائف ہوں نہ جن سے نہ بشر سے نہ قضا سے
ہاں ایک جو ڈرتا ہوں تو ڈرتا ہوں خدا سے
کیا غم ہے اگر لاکھ سواروں کے پرے ہیں
روباہ کے لشکر سے کہیں شیر ڈرے ہیں

تو کیا ہے ترا رعب ہے کیا او سگِ ناپاک
میں بیشۂ حیدر کا ہوں اک شیرِ غضبناک
اف کر دوں تو جل کر ترا لشکر ہو یہ سب خاک
مشتاقِ اجل ہوں مجھے مرنے سے نہیں باک
باتوں میں کروں بند فصیحانِ جہاں کو
یہ پیاس سے لکنت ہے مری خشک زباں کو

نازاں نہ ہو اے بانیِ ظلم و ستم و جور
مٹ جاتا ہے اک گردشِ افلاک میں یہ دور

تو آج جو حاکم ہے تو کل ہوگا کوئی اور
کیا ہو گئی گم دولتِ قاروں پہ ذرا غور

نمرود نہیں حشمتِ ضحاک نہیں ہے
ڈھونڈو جو خزانے میں تو اب خاک نہیں ہے

قیصر کا وہ افسر ہے نہ وہ تاجِ کیاں ہے
نے قصرِ خورنق کا مکیں ہے نہ مکاں ہے

آئینہ لئے روے سکندر نگراں ہے
چینی کی صدا یہ ہے کہ فغفور کہاں ہے

ٹھکراے جو چلتا ہے ہر اک راہ گزر میں
سو بار شکستوں سے ہیں واں کاسۂ سر میں

جامِ سرِ جمشید تہِ خاک ہے واژوں
کاؤس کی دولت ہے نہ گنجینۂ قاروں

نے تاجِ قباد آج ہے نے تختِ فریدوں
دارا ہے نہ پرویز نہ خسرو ہے نہ گلگوں

دانا تھے یہ کس طرح پھنسے دامِ اجل میں
گھر وحشیوں کے بن گئے کسریٰ کے محل میں

مشہور ہے فرعونوں کے غرق کا احوال
شدّاد کو کس طرح کیا مال نے پامال

وہ باغ کہ زر جس پہ کیا صرف مہ و سال
دیکھا بھی نہ اس کو کہ اجل آ گئی دنبال

لوٹا ہے وہ گلشن کہ نہ پھل پائے گا ظالم
اب تو بھی جہنم میں یونہیں جائے گا ظالم

کیا غم مجھے عباس علمدار نہیں گر
چاہوں تو مدد کرنے کو آئیں ابھی حیدر

بہتر ہوا اس راہ میں گر مر گئے اکبر
خود سینہ سپر ہونے کو حاضر ہیں پیمبر

جعفر بھی شریکِ الم و یاس ہیں میرے
تو دور نہ جان ان کو یہ سب پاس ہیں میرے

پہچان تو میں کون ہوں او جاہلِ مطلق
اُنگلی سے قمر کو مرے نانا نے کیا شق

نفریں کروں گر میں تو اُڑے خلق سے رونق
طبقے سے زمیں کی برکت سلب کرے حق

فریاد جو میرے دلِ صد چاک سے نکلے
تا حشر نہ دانا کبھی اس خاک سے نکلے

فرماکے یہ جلوہ دیا تیغِ دو زباں کو
عبرت ہوئی بجلی کے چمکنے سے جہاں کو

ہر نیزے نے اونچا کیا انگشتِ اماں کو
خود چھوڑ دیا سہم کے تیروں نے کماں کو

چڑھ سکتا ہے دنیا میں کوئی شیروں کے منہ پر
تیزی نہ رہی خوف سے شمشیر کے منہ پر

اس شان سے لشکر پہ امامِ اُمم آئے
اتنا تو پکارے کہ خبردار ہم آئے
پُل بندھ گئے لاشوں کے نہ اک پل ہوئی آخر
جیسے صفِ آہو پہ ہژبرِ اَجم آئے
اک دم میں ستمگر نہ تیغِ دو دم آئے
ثابت نہ ہوا کب صفِ اول ہوئی آخر

جب تیغِ علی قبلۂ عالم نے علم کی
اللہ ری برش سیفِ شہنشاہِ اُمم کی
گلرنگ ہوئے جوہر اک جسمِ شقی تھا
اک برق سی میدانِ بلاخیز میں چمکی
اعدا کو نظر آنے لگی راہ عدم کی
تھی دوپہر اور دامنِ صحرا شفقی تھا

شمشیرِ یداللہ نے نئی چال دکھائی
ہر بار چمک برق کی تمثال دکھائی
جل جل کے بدن ناریوں کے سر ہوئے تھے
سرداروں کی صف فوج کو پامال دکھائی
سب خون سے مقتل کی زمیں لال دکھائی
ڈر ڈر کے سیہ کاروں کے منہ زرد ہوئے تھے

کٹ کٹ کے صفیں خاک پہ بے جاں نظر آئیں
بے چلہ کمانیں سرِ میداں نظر آئیں
چلاتے تھے وہ ہوش نہ تھا خوف سے جن کو
جو برچھیاں یاں جمع تھیں وہ واں نظر آئیں
ساری سپریں خون سے افشاں نظر آئیں
فریاد کہ شب خون گرا فوج پہ دن کو

خالی نہ کوئی وار گیا تیغِ دوسر کا
سینہ جو بچا اس سے کسی بانیِ شر کا
ہاتھ اُڑ گئے گر پاؤں بچا کر کوئی سرکا
تھی عقدہ کشا کھول دیا بند کمر کا
تیغ اُس نے سپر اس نے زرہ اس نے نہ چھوڑی
دس اُنگلیوں میں ایک گرہ اُس نے نہ چھوڑی

رہ رہ کے چمکتی تھی جو شمشیرِ قضا دم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظِ عالم
وہ جیں تھیں ہی جان کی سب دیے ہم و برہم
مضطر تھے ملک کانپتا تھا عرشِ معظم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریل
یا شیرِ خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبریل

ناگاہ محمد کی صدا آئی کہ شبیر
اب عصر کا ہے وقت کرو میاں میں شمشیر
یہ سنتے ہی بس تھم گیا وہ تابعِ تقدیر
تلوار کا تھمنا تھا کہ چھاتی پہ لگا تیر
تھا دھیان غلاموں کا جو اس خاصۂ حق کو
بس رہ کا خود اُلٹے ہوئے دنیا کے رُخ کو

حضرت پہ جھکے اہلِ ستم چار طرف سے
نیزے ہوئے بیکس پہ علم چار طرف سے
پڑنے لگی شمشیرِ دو دم چار طرف سے
بس گھر گیا اک کشتۂ غم چار طرف سے
تر خون میں سر تا بقدم ہو گئے شبیر
برچھی جو لگی پشت پہ خم ہو گئے شبیر

جھکنا تھا کہ تیغوں کے برابر سے چلے وار
قدموں سے رکابیں بھی جدا ہو گئیں اک بار
جب گرنے لگا خاک پہ وہ بیکس و ناچار
زہرا کی صدا آئی کہ یا حیدرِ کرّار
گھیرا ہی لعینوں نے اکیلا اُسے پا کر
گرتا ہے مرا لال مدد کیجئے آکر

گھوڑے نے جو دیکھا کہ سنبھلتے نہیں سرور
بس بیٹھ گیا ٹیک کے گھٹنوں کو زمیں پر
زخموں سے جو تھا چور تنِ سبطِ پیمبر
غش ہو گئے رہوار سے ریتی پہ اُتر کر
افراطِ جراحت سے بدن رشکِ چمن تھا
سب فوج کے حربے تھے اور اک شاہ کا تن تھا

دس سو نو کماں دار تھے اک سینۂ شبیر
برچھی کا جہاں زخم تھا لگتا تھا وہیں تیر
یا شاہِ نجف کہتے تھے جب پڑتی تھی شمشیر
چلاتی تھی دروازے سے یہ زینبِ دلگیر
تم کھاتے ہو تلواریں موئی جاتی ہوں بھائی
اب سینہ سپر ہونے کو میں آتی ہوں بھائی

اس وقت بھی شہ ہاتھ سے کرتے تھے اشارا
ہٹ جاؤ بہن گھر سے نکلیو نہ خدا را
رتبہ ہے فزوں مریم و حوّا سے تمھارا
دم تن میں ہے جب تک نہیں یہ مجھکو گوارا
للّٰلہ نہ اس دم تنِ صد پاش پہ آنا
سر تن سے اُتر لے تو مری لاش پہ آنا

تھی رانڈوں میں ڈیوڑھی پہ عجب گریہ و زاری
سر کھولے ہوئے روتی تھیں واں بیبیاں ساری
کہتی تھی سکینہ کہ پھوپھی جان میں واری
مجھ کو تو دکھا دو مرے بابا کی سواری
یاں چھوڑ کے ہم سب کو چلے جاتے ہیں بابا
کیوں روتی ہو کیا گھر میں نہ آئیں گے بابا

ڈیوڑھی سے ہٹو تن سے نکلتا ہے مرا دم
میں جاؤں وہاں رن میں جہاں ہیں شہِ عالم
کہتی تھی لئے تھامے ہوئے زینبِ پُرغم
اصغر کی طرح تیر نہ ماریں کہیں ظالم
واں چلتی ہے تلوار کہاں جاؤ گی بی بی
بابا کو بس اب حشر کے دن پاؤ گی بی بی

ناموسِ نبی میں تو قیامت یہ بھی برپا
راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی تھیں
چہرے پہ بھلی لگتی تھی کیا زلفِ مسلسل
تھا طوقِ گلو رشکِ ہلالِ شبِ اوّل
کُرتے کا عجب تنگ تھا اُس گل سے بدن پر
ماں ڈیوڑھی کے پردے کو اُٹھا کر یہ پکاری
پھر آؤ کہ بے تاب ہوں میں رو کی ماری
کہنا مرا مانو نہ ارادہ کرو رن کا
وہ کہتا تھا اماں ہمیں قسمیں نہ دلاؤ
قاسم کی طرح داغ ہمارا بھی اُٹھاؤ
لاکھوں میں کہاں جاتے ہو اس آن اکیلے
میداں میں چچا قتل ہوں ہم خیمے میں آئیں
ہم سائے میں ہیں دھوپ میں وہ برچھیاں کھائیں
بس صبر کرو قید ہوں کیا خیمے میں آکے
چلاتی تھی رو رو کے یہ بیوہ جگر افگار
کس طرح لڑوگے نہ سپر پاس نہ تلوار
وہ کہتا تھا قربانِ شہنشاہِ اُمم ہیں
دروازے پہ خیمے کے تڑپتی رہی مادر
بند آنکھیں تھیں اور جھومتے تھے سبطِ پیمبر
کہتا تھا کہ سب خوں سے بدن لال ہوا ہے

سر کھولے ہوئے پیٹتی تھی دخترِ زہرا
روتا ہوا اک طفلِ حسین خیمے سے نکلا
منہ چاند سا تھا ہنسلیاں گردن میں پڑی تھیں
ظاہر تھا کہ گھیرے ہوئے ہے چاند کو بادل
ہاتھوں میں کڑے کان میں دُر سینے پہ ہیکل
معلوم یہ ہوتا تھا کہ شبنم ہے چمن پر
میں بھی نکل آتی ہوں کہاں جاتے ہو واری
بیوہ ہوں کرو رحم غریبی پہ ہماری
میں واسطہ دیتی ہوں تمھیں روحِ حسن کا
ہم گھر میں نہ اب آئیں گے تم خیمے میں جاؤ
ہاں سُنتی تھی اک بات تو سُن لو ادھر آؤ
وہ کہتا تھا ہیں میرے چچا جان اکیلے
جیتے رہیں بعد ان کے تو منہ کس کو دکھائیں
تیغوں میں نہ عمّو کی سپر ہونے کو جائیں
فردوس میں اب جائیں گے ہمراہ چچا کے
صدقے میں اماں دیکھ تیرے ای مرے دلدار
پھر آتا ہے سن جنگ کے قابل نہیں زنہار
کیا ہم علی اصغر سے بھی کچھ عمر میں کم ہیں
جنگاہ میں جا پہونچا وہ لختِ دلِ شبر
لپٹا پسرِ فاطمہ زہرا سے وہ دلبر
ای میرے چچا جان یہ کیا حال ہوا ہے

ہیں تھامے ہوں یا شاہ ذرا غش سے سنبھلیے
زخموں کا لہو چہرۂ انور پہ نہ ملیے
سب روتے ہیں اس وقت نہیں ہوش کسی کو
فرمانے لگے کھول کے آنکھیں شہِ ذی جاہ
ان تیغوں سے اے لال بچائے تمھیں اللہ
کٹتا ہے گلا تیغِ ستم سے کوئی دم میں
یہ کہتے تھے حضرت کہ بڑھا ایک جفا کار
ہاتھ اس نے سرِ شہ پہ سپر کر دیئے اک بار
ریتی پہ وہ ننھے سے گرے ہاتھ جو کٹ کر
گودی میں اسے لیکے پکارے شہِ دلگیر
گودی میں تڑپتا تھا کہ گردن میں لگا تیر
لپٹا جو تڑپ کر وہ شہِ تشنہ گلو سے
منہ زرد ہوا جان نکلنے لگی تن سے
جس وقت سفر کر گیا ہستی کے چمن سے
فردوس سے زہرا بصد افغاں نکل آئی
بیٹھے تھے سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
نیزے کا ابنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا

کیوں آپ جھکے جاتے ہیں زانو کو بالیے
سر ننگے نکلتی ہیں پھوپھی خیمے میں چلیے
پیٹی ہیں یہ سینہ کہ غش آیا ہے چچی کو
کیوں گھر سے نکل آئے یہ کیا تم نے کیا آہ
لو خیمے میں اب جاؤ کہ عمو ہے سرِ راہ
گھر میں تمھیں لے چلنے کی طاقت نہیں ہم میں
چاہا کہ قریب آن کے حضرت پہ گرے ار
بچے کے کہاں ہاتھ کہاں ظلم کی تلوار
غش ہو گیا شبیر کی گردن سے لپٹ کر
صدقے ترے ان دونوں کٹے ہاتھوں کے شبیر
چلایا کہ قربان علی اصغرِ بے شیر
تر ہو گئیں سب ہنسلیاں گردن کی لہو سے
خوں ہچکیوں کے ساتھ اگلتا تھا دہن سے
رونے کی صدا آنے لگی قبرِ حسن سے
خیمے سے ادھر خاک بسر ماں نکل آئی
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت سے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خونخوار
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

لکھا ہے کہ جب مر گیا لختِ دلِ شبّر
اک سیدہ نکلی درِ خیمے سے کھلے سر
چلّائی یہیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے

اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتری ہے سواری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں ہیں

اس وقت شہِ دیں نے سُنی زاریِ خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
آخر تو سفر ہونا ہے اس دارِ محن سے

مُنہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں

دوڑی یہ صدا سُن کے یداللہ کی جائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی

بھیّا۔ مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سرورِ ذیجاہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی

بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
مقنع تھا نہ برقع تھا نہ موئے تھے نہ چادر
لو فاطمہ آئی ہیں بچانے کو پسر کے

اے سبطِ نبی ابنِ علی عاشقِ باری
بھیّا بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں ہیں

جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک پہ خنجر
زینب نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

دی شہ نے یہ زینب کو صدا اشک بہا کے
دیکھو گی کیسے ہم تو ہیں پنجے میں قضا کے
گھبراؤ نہ امّاں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

چلّائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے سر و تن میں جدائی
پہنچی تو سناں پر سرِ شبیر کو دیکھا

دکھ پائے بہن آپ کی مظلومی کے واری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی

احمد ہیں نہ زہرا نہ حسن ہیں نہ یداللہ
چھوڑا نہ مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

ای میرے شہید ای مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بیجاں نہیں کرتا
خاموش انیس اب ہے دل سینے میں بیچین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیے بین
اب حق سے دعا مانگ کہ ای خالق کونین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے تو چین
ناحق ہی عداوت انھیں اس ہیچداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیر زباں سے

رباعی

ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے
گلزار بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں حب ساقی کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

رباعی

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

رباعی

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلئے اب جو ہدایۂ مرگ آیا ہے

مرثیہ (۱۶)

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
ہاں خوں بہے گا آج محمد کی آل کا
گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غل چار سو اٹھے
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
لکھے خدا نماز گزاروں میں ان کا نام
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور
فیاضِ حق شناس اولوالعزم ذی شعور
کانوں کو حسنِ صوت سے حظ بر ملا ملے
خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

ساونت بردبار فلک مرتبت دلیر
گردانِ دہر ان کی زبردستیوں سے زیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
عالی منش سخا میں سلیماں۔ وغا میں شیر
فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز و کنایے کہ لاجواب — نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب — سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے — پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو — پیدا انھوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو — پرہیزگار و روزہ و ابرار و نیک خو
پتھر میں ایسے لال صدف میں گہر نہیں — حوروں کا قول تھا کہ ملک میں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب — پرتھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب — ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی — مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال — جن میں کئی تھے حضرتِ خیر النسا کے لال
قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش جمال — اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا — اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوانِ طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے — جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے — پتّے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار — تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار — ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محوِ قدرتِ ربِّ عباد پر — مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوشنوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پُکار
تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیلِ کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول
خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب زینتِ کاشانۂ بتول
وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں لٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار
جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں کِھل گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شاں
گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بیچ ہے سپہر بنے جس کا سائباں
بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جاں
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں
کہتا تھا آسمانِ دہم چرخِ ہفتمیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حور عیں
تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نورِ شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبح گلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں
تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں
صوتِ حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر
تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محو ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در
پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے موذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنائے صفتِ ذو الجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت یہ شدّ و مد
حقا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤدِ با خرد
یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
وہ خوش بیاں کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے
دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسین پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ
قائم ہوئی نماز اٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلّی ملک صفات
قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلّےٰ حسین کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّےٰ حسین کا

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

اُمید مغفرت ہی خدائے علیم سے
غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے
پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے
حبل المتین یہی ہے نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآں کا اور آلِ محمدؐ کا ساتھ ہے

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دلپسند
کرّوبیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمد و حیدر کے رشتہ دار
اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار
پر سب جگر فگار رہِ حق آگاہ و خاکسار
پیرو امامِ پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں خاک انھیں کی ہے

دنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
ان کے لیے تھی بندگیِ واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خدا
خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرّائے آسمان ہلا عرشِ کبریا
شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا
وہ خاکسار محوِ تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام
آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مردِ با خدا
نعتِ نبی کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
زاری تھی التجا تھی مناجات تھی ادھر
کہتا تھا ابنِ سعد یہ جا جا کے نہر پر
ڈورو زہے ہو تشنہ وہاں حسین کو

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہِ فلک سریر
دیکھا ہر اک نے مُڑ کے سوئے لشکرِ شریر
پروانے تھے سراجِ امامت کے نور پر
اکبر سے مُڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر
گرمی ہے پیاس ہے رات کو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہوش
یہ کس خطا پہ تیر بپا پے برستے ہیں

اُٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار
فرمایا مُڑ کے چلتے ہیں اب ہم کارزار
دیکھو فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں کوئی دعا
مولا اُٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسین کو
ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
عباس اُٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
روکی سپر حضورِ کرامت ظہور پر

تم جا کے کہدو خیمے میں یہ ای پدر کی جاں
بچّوں کو لیکے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغر ہدف نہ ہو
فضّہ پکاری در سے کہ ای خلق کے امیر
اصغر کے گاہوارے تک آکر گرے ہیں تیر
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
بچوں کو لیکے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں
ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
اُمت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
جوشن پہن کے حضرتِ عباسِ نامور
دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خودِ سر
کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر
وہ رعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دُعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال
بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچّوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سیّد پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا
ان ننھے ننھے بچّوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب ترے رسول کی ہم آلِ پاک ہیں

سر پر ہیں اب علی نہ رسولِ فلک وقار
گھر لٹ گیا گزر گئیں خاتونِ روزگار
امّاں کے بعد روئی حسن کو میں سوگوار
دنیا میں اب حسین ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اُس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب
مضطر نہ ہو دُعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب
خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرّکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسول نے پہنا تھا جو لباس
کشتی میں لائیں زینب اسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامہ سردارِ حق شناس
پہنی قبائے پاکِ رسولِ فلک اساس
بر میں وہ نیمہ چست تھا جامہ رسول کا
رومال فاطمہ کا عمامہ رسول کا

شملے کے دو سرے جو پڑے تھے بصد وقار
ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار
جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو
دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دلھن کی بو
حیدر کی فاطمہ کی حسین و حسن کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لنڈھا تھا عطر وادیِ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضوان بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن
لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی ہائے آج نہیں حیدر و حسن
اماں کہاں سے لائے تمھیں اب بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے
پیٹا منہ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے
بازو پہ جوشنیں پڑھے عز و جاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے

یاد آ گئے علی نظر آئی جو ذوالفقار
قبضے کو چوم کر شہِ دیں رو دیے زار زار
تولی جو لیکے ہاتھ میں شمشیرِ آبدار
شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اس کی تجھ کو ضربِ عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام
تیار ادھر ہوا علمِ سیدِ انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
روتی تھی تھامے چوبِ علم خواہرِ امام
پیٹیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار
مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
جعفر کا رعب دبدبۂ شبیرِ کردگار
بوٹا سے اُن کے قد پہ نمودار و نامدار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے گہے جانبِ علم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیِ ولی کے نشان کا
امّاں کسے ملے گا علم نانا جان کا

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال
ہم بھی محق ہیں آپ کو اس کا رہے خیال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں نام کے اُمیدوار ہیں

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں
لیکن ہمارے جد کو نبی نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں
پایا علم علی نے مگر وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انھیں کے ہم ہیں انھیں کے نواسے ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام
کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام
بگڑوں گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

سر کو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مرے حواس
بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگوگے تم جو برا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

عمریں قلیل اور ہوسِ منصبِ جلیل
اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ہاں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ علم
نکلیں تنوں سے سبطِ نبی کے قدم پہ دم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھیں سے کام
بیجاں ہوئے تو نخلِ دعا نے ثمر دیئے
لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال
غم خوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
واللہ کیا مجال جو اب لیں علم کا نام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو نہ مجھے خبر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بری لگی

چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں سبھوں سے کم
عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے
زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی[1] پہ افتخار
دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
فوجیں پکار بن خود کہ نواسے علی کے ہیں
یہ بھی تھی اک عطائے رسولِ فلک مقام
جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیئے
بخشا علم رسولِ خدا نے علی کو تب
در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
جس طرح توڑ لے کوئی پتّا درخت سے
اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
ہیں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے
غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے
چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

[1] وصفِ اضافی وہ ہے جو بالذات نہ ہو بلکہ دوسرے کی وجہ سے اُس کی تعریف کی جائے۔

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن
شیروں کے شیر عاقل و جرار و صف شکن
یوں دیکھنے کو سب ہیں بزرگوں کے طور ہیں
نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے
بے شک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں

بس جس کو تم کہو اسے دیں فوج کا علم
فرمایا جب سے اٹھ گئیں زہرائے با کرم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
بولیں بہن کہ آپ ابھی تو لیں کسی کا نام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام
شوکت میں قد میں شان میں ہمسر کوئی نہیں

عاشق۔ غلام۔ خادمِ دیرینہ جاں نثار
جرار۔ یادگارِ پدر۔ فخرِ روزگار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن
کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ
زینب وہیں علم لیے آئیں بہ عز و جاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے

کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
زینب وحیدِ عصر ہیں دونوں یہ گل بدن
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

کی عرض جو صلاح شہِ آسماں حشم
اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
جس کو کہو اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو
ہے کس طرف توجہ سردارِ خاص و عام
قرآں کے بعد ہے تو علی ہی کا کچھ کلام
عباسِ نامدار سے بہتر کوئی نہیں

فرزند بھائی۔ زینتِ پہلو۔ وفا شعار
راحت رساں مطیع و نمودار و نامدار
بے مثل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے
ہاں تھی یہی علی کی وصیت بھی اے بہن
اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
بولے نشاں کو لے کے شہِ عرش بارگاہ
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار
زینب بلائیں لیکے یہ بولیں کہ میں نثار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو

کی عرض میرے جسم پہ جب وقت تک ہے سر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
منہ کر کے سوئے قبرِ علی پھر کیا خطاب
یہ عرضِ خاکسار ہے بس یا ابوتراب
سر تن سے ابنِ فاطمہ کے روبرو گرے

یہ سُن کے آئی زوجۂ عباسِ نامور
لیں سبطِ مصطفےٰ کی بلائیں بچشم تر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا
بچے جئیں ترقیِ اقبال و جاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لیکے جائے
اُم البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
ناگاہ آکے بالی سکینہ نے یہ کہا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی

ہمشیر کے قدم پہ مَلا منہ بہ افتخار
عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار
ان آفتوں سے بھائی کو لیکر نکل چلو
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بدگہر
دیکھیں اُٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
گر شیر ہو تو پھینکدیں آنکھیں نکال کے

ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
آقا کے آگے ہیں جو ہوں شہادت سے کامیاب
شمشیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
عزت بڑھی کنیز کی رُتبہ غلام کا
تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا
سایہ ہیں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے
جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
لاؤ دولھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں
کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
لوگو نہ مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
میں بھی تو دیکھوں شان علم کے نشان کی

عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ
عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ
اب تو علم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجیے نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجیے

بانوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آکے ابنِ حسن نے کہ یا امام
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عباس اب علم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار
آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدارِ نامدار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیے عباسِ باوفا
دوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ اک ایک سے کہا
لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفےٰ
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینبِ زار و حزیں گری
بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اجڑا چمن ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عباسِ عرش جاہ
آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ
نشتر بدل تھی بنتِ علی کی فغان و آہ
رہ رہ گئے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمد کی شان سے
ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے
اترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دولھن کا ہے چہرہ پری کا ہے

غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے
جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دوی میں اُس کو ہما پر بھی فوق ہے

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم اٹھا
رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لیکے بادِ بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

پنجہ اودھر چمکتا تھا اور آفتاب ادھر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضَو اس کی عرش پر
زرریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تارِ خطوطِ شعاع کے

اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شاں
جھکنے لگے جنودِ ضلالت کے بھی نشاں
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جواں
دنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جاں
ایک ایک دودمانِ علی کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ بھی قد سمن عذار
گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار
کھیلیں جو پنجوں سے کریں شیر کا شکار
تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولھا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام
ہمشکلِ مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

دُنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے سب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسین پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانبِ امام
نکلے اِدھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزانِ شاہِ دیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیرِ خشمگیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے

اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں
شوکت ہو بہو تھی جنابِ امیر کی

کس حسن سے حسن کا جوانِ حسیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا
حملے دکھا دیئے اسدِ کردگار کے

چمکی جو تیغِ حضرتِ عباسِ عرش جاہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعدِ رو سیاہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے

بے سر ہوئے موکلِ سر چشمۂ فرات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بد صفات
عباس بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے

گھوڑا اُڑھا کے آپ نے جست بھی کی تمام
بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام
اک اک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

دونوں کے پیچھے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائیاں
طاقت دکھا دی شیروں نے زینب کے شیر کی

گھر گھر کے صورتِ اسدِ خشمگیں لڑا
سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولہا نہیں لڑا
مقتل میں سوئے ازرقِ شامی کو مار کے

روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
کشتوں سے بند ہوگئی امن و اماں کی راہ
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں پیر کے

ہل چل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
گویا حباب ہوگئے تھے نقطۂ حیات
جس طرح نہروان میں امیرِ عرب لڑے

آفت تھی حرب و ضربِ علی اکبرِ دلیر
سب سر بلند پست تھے زبردست سب تھے زیر
سر ان کے اُترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
ڈھالوں کا دَور برچھیوں کا اوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبطِ نبی خود اُٹھا کے لائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے انفراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر

مقتل سے آئے خیمہ کے در پر شہِ زمن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن
پھر ایک بار اس مہِ انور کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑی آلِ پیمبر برہنہ سر
بچے کو لیکے بیٹھ گئے آپ خاک پر
غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر

غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
عباس سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک
نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ ای بہن
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
منہ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیمبر
بٹھلا لیا حسین نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر
مارا جو تین پھال کا اُس بے حیا نے تیر
تڑپا جو شیرخوار تو حضرت نے آہ کی
تھا اس طرف کمیں میں بِن کاہلِ شریر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مرگیا وہ طفلِ شیرخوار
بچے کو دفن کرکے پکارا وہ ذی وقار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علی کی ہے
چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
دولت ہے فاطمہ کی امانت نبی کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے
سیّد ہے لال حضرتِ خیر النسا کا ہے
واقف نہیں ہے قبر کی شبہائے تار سے
گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام
زیبِ بدن کئے تھے بصد عزو احتشام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہِ لافتا کی تھی
آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار
کیا خوشنما تھا زینِ طلاکار و نقرہ کار
خوش خو تھا خانہ زاد تھا دُلدل نژاد تھا
جرّار بُردبار سبک رو وفا شعار
اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں
وہ لو کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لو وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اُٹھتے تھے تا بہ شام
آہو جو کالے تھے تو چیتے سیاہ فام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر[۱] کا تھا مقام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ مومِ خام

آبِ رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
مردم[۲] بھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑجائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں
انگارہ تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تابِ تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر[۳] میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ امم
نے دامنِ رسول تھا نے سایۂ علَم
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دم بدم
اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱؎ سمندر ایک جانور ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے اور آگ کھاتا ہے مگر اس روز بسبب حرارت اس کو بھی پانی کی تلاش تھی ۱۲ ۲؎ یہاں آنکھ کی پتلی سے مراد ہے جو سات پردۂ چشم کے اندر ہے ۱۲ ۳؎ اثیر فلکی ہے

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
پیتے تھے آبِ نہر پرند آکے بے شمار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہ کے لیئے قحطِ آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر
کرتے تھے آب پاش مکرّر زمیں کو تر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
فرزندِ فاطمہ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سَونلا گیا تھا رنگِ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ ای آسماں جناب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب
بیعت جو کیجیے اب بھی تو حاضر ہو جامِ آب
دریا کو خاک جانتے ہیں ابنِ بوتراب
فاسق ہی پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

کہدوں تو خوان لیکے خود آئیں ابھی خلیل
کیا جام آب کا تو مجھے دیگا او ذلیل
چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
بے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لیکے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لیکے آئے
کوثر یہیں رسول کے احکام لیکے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لیکے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار
تھرّا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
آواز کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تُل گئے
کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کُھل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش
تھرّائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش
کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیاں کے گوش
نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو
کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی شرر اڑے
پرکالۂ سپر جو ادھر اور ادھر اڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت شرر اڑے
جس پر چلی وہ تیغ۔ دوپارا کیا اسے
واں بھی جدھر اجل نے اشارا کیا اسے
ذرہ میں تھا نہ فرس تھا نہ اسوار زین پر
آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی
آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
اس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان
لہرا گئی جب اتر گیا دریا چڑھا ہوا

گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
گویا علی الٹتے ہوئے آستیں بڑھے
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو
جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرو جدا
سینے سے دم جدا رگِ جاں سے لہو جدا
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی
کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر
جھونکا چلا ہوا کا جوشن سے تو سر اڑے
روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
جن پر علی لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اسے
سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اسے
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
یل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہہ گیا
پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

قلب و جناح میمنہ و میسرہ تباہ　　گردن کشانِ اُمّت خیر الوریٰ تباہ
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ　　بے جان جسم روح مسافر سرا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلّے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی　　چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی　　حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار رَو میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغ خزاں تھی گلشنِ ہستی سے کیا اسے　　گھر جس کا خود اُجڑ گیا بستی سے کیا اسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اسے　　جو آپ سربلند ہو پستی سے کیا اسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا　　گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا　　جو اس کے منہ پہ آ گیا بے آبرو ہوا
رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اُس کی آنچ سے

بجھ بجھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی　　چمکی تو اس طرف اُدھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی　　اس نے کہا وہاں وہ پکارا یہاں چلی
مُنہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جان سے ہاتھ　　گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ　　جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوف تیغِ شہِ کائنات کا　　زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا میں حال یہ تھا ہر اک بدصفات کا　　چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی
دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی

پِس پِس کے کشمکش سے کماندار مر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے
دہشت سے ہوش اُڑ گئے تھے مکر و ہم کے
تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور
تاریک شب میں جن کا نشانا نہ تھا پئے مور
ہوش اُڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشان کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی
غصے تھا شیر بیشہ صحرائے کربلا
تیغِ علی تھی معرکہ آرائے کربلا
بستی بسی تھی مردوں کی قریئے اُجاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر اُدھر
تھے نہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آگئی
آئی صدا زمین سے یا بو تراب کی
چلے تو سب چڑھے ہوئے بازو اُتر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
لشکر میں خوفِ جاں نے انھیں کر دیا تھا کور
پیکاں ہیں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے
اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
مخبر پہ ہیک ہیک پہ مرکر عسس گرے
دنیا میں اس طرح کی بھی اُفتاد کم ہوئی

چھوڑے تھا گرگ منزل و ماوائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے
تھی طرفہ کشمکش فلکِ پیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
وہ شور و صیحۂ فرسِ ابلق و سرنگ
پھنکتا تھا دشتِ کین کوئی دل نہ تھا چین سے

سقّے پکارتے تھے پہ مشکیں لیے اُدھر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
آنکھوں میں ٹیس اُٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
مردم کی کش مکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ وہ چمک تیغِ تیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
آری جو ہو گئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے

اللہ رے لڑائی میں شوکت جناب کی
سوکھے تھے لب پہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں

رہ رہ کے ابرِ شام سے تھی بارشِ خدنگ
وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین سے

بازارِ جنگ گرم ہے ڈھلنی ہے دوپہر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
پینے تھے سب حسین ترستے تھے آب کو

اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
جھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا اُدھر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

چلتی تھی ایک تیغِ علی لاکھ رنگ سے
رُکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زِہیں جھکا کے سر
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
تیغوں نے منہ بھر لیے تھے کارزار سے

سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دُہائی حسین کی — اللہ کا غضب ہے لڑائی حسین کی
دریا حسین کا ہے ترائی حسین کی — دُنیا حسین کی ہے خدائی حسین کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوح کا — اب رحم واسطہ علی اکبر کی روح کا

اکبر کا نام سُن کے جگر پر لگی سناں — آنسو بھر آئے روک لی یہ ہوا رکی عناں
مُڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں — تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر اے پدر کی جاں
قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں — لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلّایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد — اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلافِ وعد — اک پہلواں یہ سُنتے ہی گرجا مثالِ رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر — اے ابنِ سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر — روئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیامِ مرگ کے ترکش اجل کا گھر — تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا — گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل — آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بد شعار و ستمگار و پُر دغل — جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیئے کسے ہوئے کمریں ستیز پر — نازاں وہ خوب گرز پہ یہ تیغِ تیز پر

کھنچ جائے شکلِ حرب وہ تدبیر چاہیئے — دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیئے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیئے — فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیئے
نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا — پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی — ساونت بے حواس ہراساں دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسین بڑھے تیغ اب چلی — غل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر ادھر علی
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو — کِس کی ظفر ہو دیکھیئے کِس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں
اُٹھی علی کی تیغِ دو دم چاپٹ کر زباں
واں سے وہ شورِ تحسین بڑھا نعرہ مار کے
لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند
وہ تیر کٹ گئے جو ورائے تھے سنگ میں
ظالم اُٹھا کے گرز کو آیا جناب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر
ہر ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغِ آبدار
قربان تیغِ تیز شہِ نامدار کے
پھر دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ
سرشار تھا شرابِ تکبّر سے روسیاہ
غل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پھٹ پڑا
پیوندِ صدرِ زیں جسد و فرق ہو گیا

بسم اللہ ای امیرِ عرب کے سرورِ جاں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے
وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں ادھر گڑائے
غصّے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کرکڑائے
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پاؤں
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
چلّہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغِ سربلند
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں
طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
بجلی گری شقی کے سرِ پُرعتاب پر
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں
پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے
کیوں ضربتِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے
ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شاہین و کبک چھپ گئے اِک جا ملا کے سر
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
آئی صدائے غیب کہ شبیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس اب نہ کرو غا کی ہوس اے حسین بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسین بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدہام میں
لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں
بیکس حسین ظلم شعاروں میں گھر گئے
سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِّ الٰہی کے جسم پر
چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسین پر
یہ دُکھ نبی کے گود کے پالے حسین پر
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور وہ پہلوئے شبیر ہائے ہائے
غصّے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے

شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
اُڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سیمرغ نے گرا دیئے پر کانپ کانپ کے
اس ہاتھ کے لیئے تھی یہ شمشیر مرحبا
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر
دم لے ہوا میں چند نفس اے حسین بس
وقتِ نمازِ عصر ہے بس اے حسین بس
اب اہتمام چاہیئے امت کے کام میں
پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
مولا تمھارے لاکھ سواروں میں گھر گئے
چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسین پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسین پر
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا
فرزندِ فاطمہ کی یہ توقیر ہائے ہائے
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
خالی کیئے حسین پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبی کا رنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے

لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوکِ ستم
کھینچی چھری گلے کی طرف سے بچشمِ نم
اُبلا جو خوں نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا

دشمن تھا شہ کا اعورِ سلمی عدوے دیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب
قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا

گر کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا
اس وقت کون حقِ محبت کرے ادا
اُنیس[19] سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر

پر وہ اُلٹ کے بنتِ علی نکلی ننگے سر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے

اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

مُنہ کھل گیا اُلٹ گئی گردن رکا جو دم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
بھالا گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
تھرّا گئی ضریح رسالت پناہ کی

نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

اُمّت نے مجھکو لوٹ لیا وا محمدا
ہی ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
زینب نکل حسین تڑپتا ہے خاک پر

لرزاں قدم خمیدہ کمر غرقِ خوں جگر
اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ
سیّد کدھر تڑپتا ہے امّاں کدھر ہیں آہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
اب چھوڑ دو نہ دشتِ بلا میں حسین کو

بنتِ علی تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر
زینب کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیّا چھری کی دھار
صدقے گئی لُٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں

بھیّا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
بھیا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں

دُنیا تمام اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گزر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے

لوگو خدا کے واسطے مجھکو بتاؤ راہ
کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے
بس اب سفر قریب ہے للّلہ گھر میں جاؤ
یا مرتضےٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
یا فاطمہ چھپا لو ردا میں حسین کو

کٹتا تھا نورِ چشمِ علی کا گلا ادھر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
دیکھا سرِ حسین کو نیزے کی نوک پر
سیّد تری لہو بھری صورت کے میں نثار
بھولے بہن کو اے اسدِ حق کی یادگار
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

چلّا رہی ہے دخترِ حیدر جواب دو
کیونکر جیئے گی زینبِ مضطر جواب دو
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں

بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا
بھیّا بتاؤ کیا تہِ خنجر گذر گئی
صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ نابکار
خیمے میں جبکہ آگ لگا دیں ستم شعار
بیزار ہو وہ خستہ جگر اپنی جان سے
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس ای انیسؔ ضعف سے لرزاں ہی بند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
یہ فضل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہی
عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
عالم پسند بند ہیں سلطان پسند بند
پیری کے ولولے میں خزاں کی بہار ہی

رباعی

گر لاکھ برس جیئے تو پھر مرنا ہی
ہاں توشۂ آخرت مہیّا کرلے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہی
غافل تجھے دُنیا سے سفر کرنا ہی

رباعی

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے
جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
لو صاحبو ہوگیا محرّم افسوس

رباعی

قاسم کو عدو نے خوں میں جب لال کیا
تابوت پہ جس کے باپ کے مارے تیر
شبیرؔ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
گھوڑوں کے سموں سے اس کو پامال کیا

مرثیہ (۱۷)

جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا
گھر لُٹ گیا جنابِ رسالت پناہ کا
بھائی نہ وہ رفیق نہ وہ نورِ عین تھے
ڈیوڑھی وہ صبح تک تھے دو دستہ جہاں سوار
وہ لو اور وہ دوپہر کی طپش اور وہ غبار
آفت تھی بیکسی تھی مصیبت تھی یاس تھی
وہ گھر کہ جس میں لاتے تھے جبریل وحیِ رب
نہوڑائے سر کھڑے تھے شہنشاہِ تشنہ لب
لب پیاس سے کبود تھے رخسار زرد تھے
فرماتے تھے کہ واہ یہ تاخیر اے اجل
اب مجھکو اک برس کے برابر ہے ایک پل
اک جا چھری گلوں پہ جو چلتی تو خوب تھا
اُٹھتا نہیں حسین سے اب بارِ زندگی
جیتے رہیں وہ جو ہیں طلبگارِ زندگی
عبرت کی جا ہے خاک میں رنگِ چمن ملے
کی خوب سیرِ باغِ جہاں خوب پھل ملے
ممکن نہیں کہ خلق میں چین ایک پل ملے
جنت میں پیاس تشنہ دہانوں کو لے گئی

کوثر پہ قافلہ گیا پیاسی سپاہ کا
خاک اُڑ رہی تھی حال یہ تھا بارگاہ کا
دو بہنیں رونے والیاں تھیں اک حسین تھے
خادم ہے واں کوئی نہ کوئی ہے رفیق و یار
پردہ ہوا سے سر کو پٹکتا تھا بار بار
بے فوج بادشاہ تھا ڈیوڑھی اُداس تھی
واں تیر فوجِ ظلم سے آتے تھے ہے غضب
تر تھا جواں پسر کے لہو سے لباس سب
مولا کی ایک جان تھی اور لاکھ درد تھے
اکبر کے بعد کونسا تھا زیست کا محل
موت آئے اب یہ ہے شجرِ زندگی کا پھل
یہ جان اُن کے ساتھ نکلتی تو خوب تھا
اے موت اب گرا کہیں دیوارِ زندگی
اب ق ہے اپنی جان سے بیمارِ زندگی
زندہ ہو باپ اور نہ پسر کو کفن ملے
ہو عید اب گلے سے جو تیغِ اجل ملے
دُنیا میں آج اُن کو نہ پایا جو کل ملے
افسوس خوب چُن کے جوانوں کو لے گئی

ہی ہی کہاں وہ گوہرِ بحرِ شرف گئے
جو میرے پاس رہتے تھے وہ کس طرف گئے
قاسم سدھارے شبّر خدا کے خلف گئے
سارے مرے چنے ہوئے دُرِ نجف گئے
کیا تفرقہ یہ لشکرِ شاہی میں پڑ گیا
میں قافلے سے چھٹ کے تباہی میں پڑ گیا

ہم سب کے بعد خلق سے جانے کو رہ گئے
سر پیٹنے کو خاک اُڑانے کو رہ گئے
پیری میں آہ ٹھوکریں کھانے کو رہ گئے
اس نوجواں کا داغ اُٹھانے کو رہ گئے
بیٹا کہاں خبر جو دمِ انتقال لے
اتنا نہیں جو گرتے ہوئے کو سنبھال لے

فرما کے یہ جو گھر میں گئے شاہِ خوش خصال
محبوبِ حق کی آل کا دیکھا عجیب حال
بیٹھے ہوئے ہیں سب صفِ ماتم پہ کھولے بال
برپا ہے شورِ ماتمِ فرزندِ خوش جمال
بانو قریبِ مرگ ہے زینب ہلاک ہے
سینے تو سب کبود ہیں بالوں پہ خاک ہے

بہنیں پکارتی تھیں کہ بیرن ترے نثار
اب تک تو گھر میں آتے تھے مقتل سے چند بار
بھیّا سنگھا دو نکہتِ گیسوئے مشکبار
اُس بھینی بھینی بو کے لئے دل ہے بے قرار
آئے نہ تم جو جان کا پُرسا بھی دینے کو
کیا بے کہے چلے گئے صغرا کے لینے کو

شہ نے کہا بہشت میں ہیں اکبرِ حسیں
صغرا کہاں ہماری ہے اُن کو خبر نہیں
رخصت کرو حسین کو اے زینبِ حزیں
خیمے تک آ نہ جائے کہیں فوجِ اہلِ کیں
لا دو رسولِ پاک کا رختِ کہن ہمیں
پہنا دو اپنے ہاتھ سے زینب کفن ہمیں

بیٹھی تھی غم میں نورِ نظر کے وہ دلفگار
سمجھی نہ کچھ کہ کون یہ روتا ہے زار زار
جب یہ سنا کھڑا ہے محمد کا یادگار
ماتم کی صف پہ گر پڑی اُٹھ کر وہ سوگوار
رو کر کہا نہ پاؤں نہ قابو میں ہاتھ ہیں
کیوں صاحبو کہو علی اکبر بھی ساتھ ہیں

پُرخوں جبیں پھٹے ہوئے کپڑے بدن پہ خاک
چادر سیاہ ایک گریباں ہزار چاک
سر بھی جگر بھی سینہ پُرخوں بھی دردناک
بیکس بہن کے حال پہ روئے امامِ پاک
فرمایا آئیں کیا کہ سناں دل پہ کھائے ہیں
ہم اُن کی لاش چھوڑ کے رخصت کو آئے ہیں

میں کیا ہوں ایک عبد نحیف و ضعیف و زار ۔ قدرت نہ زندگی کی نہ مرنے پہ اختیار
حاضر ہوں جب بلائے کہ حاکم ہے کردگار ۔ ہے اُس کی ذات ارحم و غفار و پردہ دار
منظور پرورش ہے جو سب کی کریم کو ۔ رانڈوں کو بھولتا ہے نہ طفلِ یتیم کو

جو معرضِ فنا ہیں ہوں کیا اُن کا آسرا ۔ میں ہوں تو کیا ہوں مالک و مختار ہے خدا
اُٹھ جائیں بھائی بھانجے یا ہوں پسر جدا ۔ صابر اُسی سے صبر کی کرتے ہیں التجا
وہ قید میں نہ گھر کی تباہی پہ روتے ہیں ۔ روتے ہیں گر تو خوفِ الٰہی میں روتے ہیں

وہ کہتی تھی کہ جان نکل لے تو جائیے ۔ خنجر اجل کا حلق پہ چل لے تو جائیے
مضطر ہے دل بہن کا سنبھل لے تو جائیے ۔ اچھا ذرا سکینہ بہل لے تو جائیے
بالوں پہ خاک ڈالوں منہ اشکوں سے دھو تو لوں ۔ ماں جائے بھائی میں تجھے جی بھر کے رو تو لوں

بولی قدم پہ گر کے یہ بانوے خوش خصال ۔ اے جانِ فاطمہ خلفِ شیرِ ذوالجلال
فرمائیے تو ساتھ چلے یہ شکستہ حال ۔ رُخ پر نقاب ڈال کے بکھرا کے سر کے بال
عزت اب اس کنیز کی ہے ہاتھ آپ کے ۔ پردہ مرا رہے جو مروں ساتھ آپ کے

منجدھار میں ہے ناؤ تلاطم ہے آشکار ۔ موجیں ستم کی آتی ہیں طوفاں میں بار بار
اے ناخدا سے کشتیِ امت ترے نثار ۔ بیکس کا ڈوبتا ہوا بیڑا لگا دے پار
رحم اب کہ بیقراریِ بسمل کا وقت ہے ۔ حلالِ مشکلات یہ مشکل کا وقت ہے

بانو کے اضطراب پہ روئے شہِ اُمم ۔ فرمایا ناگوار ہے صاحب تمھارا غم
بانو اسیر و بیکس و بے آشنا ہیں ہم ۔ یاور نہ بھائی بند نہ لشکر نہ وہ علم
موت اپنی خود طلب نہ کرے شہ تو کیا کرے ۔ جس کا کوئی نہ ہو نہ مرے وہ تو کیا کرے

لازم ہے تم کو صبر یہ ہے صبر کا مقام ۔ مالک کی ہے اسی میں خوشی اور اسی میں نام
یاں گھر لٹے کہ قید میں جاؤ ہو سوئے شام ۔ ہر دم رہے زبان کو شکرِ خدا سے کام
دیں یہ تمھارا ساتھ تم ان سب کے ساتھ ہو ۔ میرا یہی ہے ساتھ کہ زینب کے ساتھ ہو

یہ کہہ کے نکلے خیمے سے شبّیرِ دلفگار
گردن پہ ہاتھ پھیر کے بولا وہ نامدار
یہ گردشِ فلک یہ جفائے زمانہ ہے

منہ رکھ کے شہ کے بازو پہ بولا وہ باوفا
کچھ حق نہ دانہ خوری کا مجھ سے ہوا ادا
حیوان ہوں پر نہ ترکِ رفاقت کروں گا میں

پھیلا کے دونوں ہاتھ جھکا وہ سوئے زمیں
پرنور ہو گیا رُخِ انور سے صدرِ زیں
شورِ درود غرب سے تا شرق ہو گیا

بوئے بہشت لے کے نسیمِ سحر چلی
خود سر پہ چتر بن کے ضیائے قمر چلی
غرفوں سے حوریں دیکھتی تھیں شہسوار کو

ہاتوں پہ زر ہیں سب گلِ خوش رو لیے ہوئے
تیغ و سپر جو ہیں شہِ خوشخو لیے ہوئے
شبیر تو امام ہے ابنِ امام ہے

بجلی کی ضو دکھاتی ہے رُخ کی چمک اُدھر
ڈر سے سما ادھر تھا ہراساں سمک اُدھر
کچھ کہکشاں سے بڑھ گئی تھی شان راہ کی

جھکتی تھیں جب صفوفِ ملائک پئے سلام
جن ہوتے تھے جو خم پئے تسلیم و احترام
مطلب یہ صاف تھا کہ مدد ناگوار ہے

دیکھا کھڑا ہے ڈیوڑھی پہ اسپِ وفا شعار
طاقت نہ ہو تو جائے پیادہ ترا سوار
تو بھی تو تین روز سے بے آب و دانہ ہے

ای شہسوارِ دوشِ محمد ترے فدا
فاقہ ہو جب کہ آپ کو مولا تو میں ہوں کیا
جیتا ہوں گر تو آپ کے آگے مروں گا میں

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا حیدر کا نازنیں
مرکب پہ تھے حسین کہ خاتم پہ تھا نگیں
بیٹھے جو تن کے آپ فرس برق ہو گیا

آگے فرس کے فتح تو پیچھے ظفر چلی
گھوڑا اچھلا کہ فتح کی گویا خبر چلی
پریاں طبق لیے تھیں سروں پر نثار کو

دوڑی صبا بہشت کی خوشبو لیے ہوئے
غل ہے کہ ہاں نجات کا پہلو لیے ہوئے
گر غیظ آگیا تو یہ دنیا تمام ہے

خود عرش اِس طرف نگراں تھا فلک اُدھر
جنات اِس طرف تھے صف آرا ملک اُدھر
غل تھا سواری جاتی ہے شاہِ ہدیٰ کی

ہنس کر جواب دیتے تھے مولا سے خاص و عام
رکھتے تھے سر پہ ہاتھ امامِ فلک مقام
میرا یہ سر امانتِ پروردگار ہے

شرمندہ ہے جبینِ مبیں سے قمر کا نور
پیدا ہوا ہے زلف سے شب کی سحر کا نور
صلِ علیٰ یہ نور ہے خیر البشر کا نور
پروانہ روشنی پہ ہے جس کی نظر کا نور
دیکھو نشانِ سجدہ جبینِ جناب پر
غنچہ ہے نیلوفر کا گلِ آفتاب پر

کیا خوشنما ہیں چہرے پہ گیسو کو دیکھیے
شب اور آفتاب کے پہلو کو دیکھیے
دو راتیں اک سحر رُخِ نیکو کو دیکھیے
جنگل تمام بس گیا خوشبو کو دیکھیے
چہرے کی ضو سے دشتِ پر آشوب عرش ہے
ساری زمیں پہ عنبرِ سارا کا فرش ہے

ابرو ہے یا کھنچی ہوئی حیدر کی ذوالفقار
یہ مو بھرے ہوئے نہیں جوہر ہیں آشکار
قرباں کماں ہلالِ فلک مرتبت نثار
آنکھوں پہ چین کی جا ہے یہ ایسی ہیں ذی وقار
پیوستہ منکسر ہیں وہ جو ارجمند ہیں
اتنی فروتنی بھی ہے جتنی بلند ہیں

آنکھوں کو کہیے عین تو عینِ خطا ہے یہ
پردے نہ کیوں ہوں سات کہ نورِ خدا ہے یہ
سب کو ہے چشمداشت کہ عینِ عطا ہے یہ
بیمار خود پہ سب کے مرض کی دوا ہے یہ
سرخوش ہے جام ان کی جو الفت کا پی گیا
دیکھا نگاہِ لطف سے جس کو وہ جی گیا

احسان بھی حیا بھی مروّت بھی قہر بھی
خود موت بھی حیات بھی امرت بھی زہر بھی
بینا بھی نکتہ سنج بھی دانائے دہر بھی
تسنیم بھی بہشت بھی کوثر کی نہر بھی
سر شرم سے جھکائے ہے نرگس باغ میں
جنّت سواد ہیں یدِ بیضا بیاض ہیں

آہو شکار و تیر و کمان دار و شیر گیر
ہشیار و خوش نگاہ و سخن سنج و دلپذیر
خونریز و جاں فریب و دلاویز و بے نظیر
قبضے ہیں ابروؤں کی کمانیں مژہ کے تیر
جس سادہ دل کو ان کی سیاہی کی یاد ہو
ناخواندہ بھی اگر ہو تو روشن سواد ہو

ذرّہ نواز و زہد نما صاحب امتیاز
طنّاز و شرمگین و گراں خواب و سرفراز
حق بین و پاکباز و خدا بین و بے نیاز
بیدار و داغ دادہ و خونبار و غم طراز
گرد اس کے پھر یہ کعبۂ ایماں کا طوف ہے
بس اے انیس بس نظرِ بد کا خوف ہے

اللہ رے رعب شیر ہرن ہو گئے ہیں سب
خود دل شکستہ قلعہ شکن ہو گئے ہیں سب
آماج خوف تیر فگن ہو گئے ہیں سب
خم صورت کماں ہمہ تن ہو گئے ہیں سب
آنکھیں ملائیں کب یہ شریروں کی تاب ہے
کس دل کو اس نگاہ کے تیروں کی تاب ہے

شیر خدا کے شیر سے کیونکر ہو چار آنکھ
وہ گربہ چشم اور یہ آہوے شکار آنکھ
خورشید فاطمہ سے ملائیں ہزار آنکھ
عاجز ہے جھپکی جاتی ہے بے اختیار آنکھ
گھورے کوئی تو حاصل عین الکمال لے
خود اس کی آنکھ پنجۂ مژگاں نکال لے

گر کوئی شوخ چشم و جفا جو نظر لگائے
یوں پہونچے چشم زخم کہ ظالم نہ تاب لائے
عین الکمال کی سر میداں سزا وہ پائے
انگشت بن کے موئے مژہ چشم میں در آئے
بینا کہیں کہ کھوئی بصیرت بصیر نے
مردم کہیں کہ عین خطا کی شریر نے

کیا نور ہے رخ خلف بوتراب پر
ہے یہ عرق کہ عطر کے قطرے گلاب پر
کچھ تیرگی سی آ گئی ہے آب و تاب پر
سونا چڑھاؤ پھر ورق آفتاب پر
آئے جلال میں نہ جلالت حضور کی
تشبیہ ہے خدا و محمد کے نور کی

کیوں منہ کو پھیرتا ہے خجل ہو کے آفتاب
شرمندہ ہوگا اپنی چمک کھو کے آفتاب
آنکھیں ملے اٹھا ہے اگر سو کے آفتاب
لازم ہے آئے سامنے منہ دھو کے آفتاب
گر چاہتا ہے عرش سے سر اس کا جا ملے
کہہ دو کہ ارض پاک کے ذروں میں آ ملے

درج دہن پہ لعل و عقیق یمن نثار
غنچے نثار پھول تصدق چمن نثار
حسن بیاں پہ طوطی شکر شکن نثار
شور نمک پہ شاعر شیریں سخن نثار
فقروں میں لطف باتوں میں لذت بھری ہوئی
قرآن کی طرح ہے فصاحت بھری ہوئی

توبہ تنافر کلمات اور یہ دہن
جملے صحیح شستہ و رفتہ ہر اک سخن
پھولا ہوا فصاحت الفاظ کا چمن
تقریر وہ کہ سمجھ لیں جسے صاف مرد و زن
معنی کا بھی یہ حال ہے حسن قبول سے
خوشبو سحر کو جیسے نکلتی ہے پھول سے

لفظوں میں یوں ہے معنی روشن کی آب و تاب ۔۔ جس طرح عکس آئینہ میں جام میں گلاب
مضموں میں تناسب الفاظ لاجواب ۔۔ تصحیح بھی فصیح کنایے بھی انتخاب
یاں ہیتی وہ سب ہیں جو علم و کمال ہیں ۔۔ صل علیٰ یہ مصحف ناطق کے لال ہیں

دنداں کواکب فلک عز و شان حسن ۔۔ گر ہیں تو بس یہی ہیں زمانہ میں جان حسن
خالق نے موتیوں سے بھرا ہے دہان حسن ۔۔ خود لال ہے صفات میں جن کی زبان حسن
کوسوں ضیا ہے وادی مینو سرشت میں ۔۔ گویا چمک رہے ہیں ستارے بہشت میں

بتیس دُر وہ لعبت محبوب کردگار ۔۔ اختر چمک سے جن کی خجل برف شرمسار
برّاق و درفشان و ضیا بار و آبدار ۔۔ بھولا ہے ان سبھوں سے ہے ان کا فزوں وقار
ہیرے نہیں نجوم سعادت اثر نہیں ۔۔ یہ نیر فاطمہ کے ہیں قطرے گہر نہیں

وہ ریش پاک اور وہ چہرے کی آب و تاب ۔۔ نکلا ہے چیر کر شب یلدا کو آفتاب
کچھ جا بجا جو کھل گیا ہے ریش کا خضاب ۔۔ رخصت ہے دل رہے ہیں گلے پیری و شباب
تا وقت عصر اور زمان حیات ہے ۔۔ اب زندگی میں کوئی نہ دن ہے نہ رات ہے

سینے کا آئینہ ہے کہ نور خدا کا گھر ۔۔ یا وہ مدینہ علم کا حیدر ہے جس کا در
اس صدر میں بھرے ہوئے ہیں راز کے گہر ۔۔ آئندہ و گزشتہ کی سب ہے انھیں خبر
پنہاں جو دل میں ہے اُسے پہچانتے ہیں یہ ۔۔ جو بے زباں ہیں اُن کی زبان جانتے ہیں یہ

ذکر گلو جو ہے تو گلے میں رکا ہے دم ۔۔ حوروں کی گردنیں ہیں یہی جا ادب سے خم
لیتے ہوں بوسے جن کے رسول فلک حشم ۔۔ افسوس اُس گلے پہ چلا خنجر ستم
سوکھی رگیں گلوئے مبارک کی کٹ گئیں ۔۔ افلاک گر پڑے نہ زمینیں اُلٹ گئیں

پیہم زباں دکھا کے کہا آب آب آب ۔۔ ای وا محمدا نہ کسی نے دیا جواب
قطرے سے بھی زبان نہ ہوئی آہ کامیاب ۔۔ آخر تڑپ کے رہ گیا وہ آسماں جناب
جلتی زمیں پہ لاش شہ نیک خو رہی ۔۔ گردن گلے سے کٹنے پہ بھی قبلہ رو رہی

وہ سر رکھا خدا نے شفاعت کا جس پہ تاج
وہ صدر جس کے علم کی عالم کو احتیاج
دشمن تو لاکھ اور اکیلے حضور تھے
وہ پاؤں معرکہ سے کبھی جو نہیں ہٹے
دشوار ہے یہ امر کہ رکنِ رکیں ہٹے
مسکن سے منہ پہاڑ کبھی موڑتے نہیں
گھر کا خدا کے رکنِ رکیں ہے کہاں ہٹے
یہ لنگرِ سفینۂ دیں ہے کہاں ہٹے
زور اس سے آسماں کا بھی چلتا نہیں کبھی
اس دبدبے سے لشکرِ پیماں شکن میں آئے
یا بلبل اشتیاق میں گل کے چمن میں آئے
اگلی صفیں الٹ گئیں پچھلی فوج پر
بھڑکے فرس پرے ہوئے ابتر علم ہٹے
نامی نشان چھوڑ کے ثابت قدم ہٹے
بھاگڑ میں خاک اڑ کے جو سوئے فلک گئی
چلّے ہیں چتکموں سے سراسر چھٹے ہوئے
خالی ہیں مورچال تو سنگر چھٹے ہوئے
تلوار اگر کھنچے تو خدا کی پناہ ہے
ہل چل کو دیکھ کر یہ پکارا وہ حق شناس
سب مر گئے امید کسی کی ہے اب نہ آس
ماتم میں اپنی فکر نہ لڑکوں کا ہوش ہے

گردن وہ بزمِ لم یزلی کا جو ہے سراج
وہ ہاتھ جس سے خیر و عطا کا ہوا رواج
سارے یہ عضو ظلم کی تیغوں سے چور تھے
وہ کیا ہٹیں ہٹے تو صفِ فوجِ کیں ہٹے
سر کیں نہ آسمان ہٹے یا زمیں ہٹے
ثابت قدم جو ہیں وہ جگہ چھوڑتے نہیں
نقش اس قدم کا نقشِ نگیں ہے کہاں ہٹے
یہ قطبِ آسمان و زمیں ہے کہاں ہٹے
نقطہ ہے دائرے سے نکلتا نہیں کبھی
جیسے شکار کھیلنے کو شیر بن میں آئے
غل پڑ گیا ہٹو اسد اللہ رن میں آئے
طوفاں میں موج گرتی ہے جس طرح موج پر
بڑھتے ہوئے جو بانیِ ظلم و ستم ہٹے
دریا ہٹا کہ فوج کے بادل بہم ہٹے
لشکر میں غل ہوا کہ زمیں بھی سرک گئی
افسر سے فوج فوج سے افسر چھٹے ہوئے
غربت میں یاد کرتے ہیں سب گھر چھٹے ہوئے
دیکھو یہ سب کرشمۂ تیغِ نگاہ ہے
اے اہلِ شام اک متنفس سے یہ ہراس
اک بیں ہوں اور حسرت و اندوہ و درد و یاس
خنجر سے کاٹ لو کہ یہ سر بارِ دوش ہے

کیوں بھاگتے ہو بیکس و تنہا کی جنگ کیا
جب مر گیا ہو دل تو وغا کی اُمنگ کیا
بے دست و پا دکھائے لڑائی کا ڈھنگ کیا
طاقت ہو گر تو شیر ہی پھر کیا۔ پلنگ کیا
پر خبر کیا میں تم سے عوض لوں عناد کا
لڑ لوں گا کچھ کہ حکم ہی مجھ کو جہاد کا

یہ سُن کے پھر جائے پرے فوجِ شام نے
کالے نشان کھل گئے لشکر کے سامنے
چھوڑا ادھر نیام علی کے حسام نے
جلوہ دیا عروسِ ظفر کو امام نے
گھونگھٹ ہٹا تو برق سی چمکی لڑائی میں
نقدِ حیات لینے لگی رونمائی میں

گھوڑا جو پھاند کر صفِ اوّل سے مل گیا
تھا صاعقہ کہ شام کے بادل سے مل گیا
وہ پیپلا جو فوج کے اُس دَل سے مل گیا
بے برگ و بر ہوئے یہ ثمر پھل سے مل گیا
پھرتے ہوئے سروں پہ نہ سر تھے نہ ہاتھ تھے
گویا چھری لیے ملک الموت ساتھ تھے

وہ تیغِ تیز جب صفِ ثانی سے مل گئی
خفت ہر اک کو اس کی گرانی سے مل گئی
لذّت چھری کی تیز زبانی سے مل گئی
دریا کی باڑھ گھاٹ کے پانی سے مل گئی
چمکی جو سر پہ برق تو بے فرق ہو گئے
دریا میں خوں کے تا بہ کمر غرق ہو گئے

کھا کھا گئی صفوں کو جدھر آئی ذوالفقار
گہ چھپ گئی تو گاہ نظر آئی ذوالفقار
سر پر چمک کے تا بہ کمر آئی ذوالفقار
زیں کاٹ کر زمیں پہ اُتر آئی ذوالفقار
یوں صبرِ پنجتن میں گرفتار ہو گئے
اک جوش میں سوار و فرس چار ہو گئے

وہ مُنہ کہ الحذر وہ روانی کہ الاماں
وہ گھاٹ الحفیظ وہ پانی کہ الاماں
وہ دم وہ خم وہ تیز زبانی کہ الاماں
وہ دل شکن وہ دشمن جانی کہ الاماں
ناز اُس کے سب کو بھائے کرشمے بھلے لگے
چھوڑے نہ بے لہو پئے جس کے گلے لگے

تھی دست گاہ خاص اُسے قتلِ عام میں
بے دم ہوا جو آ گیا جوہر کے دام میں
کس کس ادا سے چلتی تھی وہ فوجِ شام میں
دونوں زبانیں ایک سی تھیں اپنے کام میں
کیا بس چلے کسی کا ہوا جب بُری سے چلے
چلتی تھی یوں گلوں پہ کہ جیسے چھری چلے

جوہر میں فرد تھی پہ زبانیں ملی تھیں دو
پستی میں تھی کبھی کبھی جاتی تھی سوئے اوج
کرتی تھی کار تیغ چمک ذوالفقار کی
وہ فوج کا ہجوم وہ گرمی وہ لو وہ بن
بھڑکی تھی آگ جل رہے تھے ناریوں کے تن
ڈوبا تھا وہ پسینے میں جو سینہ زور تھا

ابتر صفیں تھیں کینہ وروں کی ادھر اُدھر
چھائی تھی اک گھٹا سپروں کی ادھر اُدھر
غل تھا اتر رہے گھاٹ میں دریا کی باڑھ کا
کاٹا سر اس کا اُس کا جگر چاک کر دیا
جس پر گری جلا کے اُسے خاک کر دیا
شرما کے شرک و کفر نے سر کو فرو کیا

اللہ رے جنگ میں شہِ ذی قدر کی شکوہ
قہرِ خدا تھی برہمیِ طبعِ حق پژوہ
حملوں میں ساری شان خدا کے ولی کی ہے
ساعد سے کچھ بلند جو کر لی تھی آستیں
نعرے نہ کہیے گونجتا تھا شیرِ خشم گیں
دستِ علی تھے ہاتھ حسینِ دلیر کے

وہ آستیں چڑھی ہوئی ساعد وہ صاف صاف
ضربت کا شور قاف سے پہنچا تھا تا بہ قاف
ڈر تھا کہ پاؤں گاو کا ماہی سے ہٹ نہ جائے
وہ شور اس کے آب کا وہ جوہروں کی موج
بجلی غضب کی کوند رہی تھی میانِ فوج
پرتو میں تیریاں تھیں سروہی کے وار کی

دریا پہ شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
مثلِ صدف تھے زخم بھی کھولے ہوئے دہن
فوجوں میں ذوالفقار کے پانی کا شور تھا
جانیں ہوا تھیں فتنہ گروں کی ادھر اُدھر
بوچھار تھی زمیں پہ سروں کی ادھر اُدھر
برسا ہے نصف شب کے مہینا اساڑھ کا

بجلی کو اور آگ نے چالاک کر دیا
قصہ جو دین و کفر میں تھا پاک کر دیا
اسلام شاد تھا کہ مجھے سرخرو کرو
جس جا قدم جمے نہ ہٹے پھر مثالِ کوہ
بے خوفِ جاں نہ تھا کوئی مجمع کوئی گروہ
فوجوں میں شور تھا یہ لڑائی علی کی ہے

فانوس سے بڑھا ہوا تھا نورِ شمعِ دیں
جنبش میں آسمان تزلزل میں تھی زمیں
قبضے میں انگلیاں تھیں کہ ناخن تھے شیر کے
اُگلی ہوئی تھی میان سے شمشیرِ خوش غلاف
وہ تہلکہ وہ زلزلہ وادیِ مصاف
دہشت زمیں کو تھی کہ زمانہ اُلٹ نہ جائے

زور آورانِ روئے زمیں کس طرح بڑھ آئیں
تلوار کیسی آنکھ اُٹھا کر اگر ڈرائیں
اک تو یہ جانور ہے اسد گو دلیر ہے

غصّے میں سب کھڑے ہوئے ہیں یش کے جو بال
نقطے عیاں ہیں سورۂ والشمس پر کہ خال
وہ خط وہ رنگِ چہرۂ تاباں کھلا ہوا

کیا مدح ہو حسین کی جنگ و جدال کی
وہ آؤ جاؤ اشہبِ ضیغم خصال کی
اُن اُبلی انکھڑیوں کے اشارے غضب کے تھے

حیرت میں یکہ تاز تھے سب شام و روم کے
سیر اُس کی دیکھتے تھے شناسا نجوم کے
حیراں سیاہ گوش تو چیتے خموش تھے

جم کر ادھر اُڑا اُدھر اُترا وہ جا پڑا
جب اُس پہ رو میں سایۂ زلفِ دوتا پڑا
تسمہ ہر اک جو باگ کا تھا ناگ ہو گیا

گرما کے سب رگوں میں لہو دوڑنے لگا
اُٹھنے لگے زمیں پہ جم جم کے دست و پا
نزدیک تھا کہ پھاند کے ندی کے پار ہو

آہو کی آنکھ شیر کی چتون غضب کی چال
گردن کے خم کو دیکھ کے ہو سرنگوں ہلال
اُڑ کر زمیں تلک کبھی گردِ قدم گئی

وہ اُنگلیاں کہ باب ہیں خیبر کے جو در آئیں
زہرے ہوں آب سامنے تو شیر بھی گر آئیں
آنکھیں یہ اُس کی ہیں کہ جو حیدر کا شیر ہے

زیر و زبر ہیں صاف پئے مصحفِ جمال
سرخی کے مد کہ آنکھوں کے ڈورے ہیں لال لال
دیکھو ادھر ہے رحل پہ قرآن کھلا ہوا

تصویر بن گئی تھی علی کے جلال کی
روندا جو یہ پرا تو وہ صف پائمال کی
چل پھرتی قہر کی تو طرارے غضب کے تھے

پھرتی تھی برق گرد قدم چوم چوم کے
پھرتا تھا اُس ہجوم میں کیا جھوم جھوم کے
تیروں میں جان تھی نہ چکاروں میں ہوش تھے

نکلا اُدھر صفوں سے وہ پلٹا یہ آپڑا
سمجھا کہ تازیانۂ موجِ ہوا پڑا
آنکھیں اُبل پڑیں یہ مزاج آگ ہو گیا

فرفر کی دونوں نتھنوں سے آنے لگی صدا
غصّہ کہ مجھ تک آکے کدھر رہ گئی ہوا
روکے وہی حسین سا جو شہسوار ہو

وہ یال تھے کہ حور نے بکھرا دیے تھے بال
پوچھے کوئی سوار سے شائستگی کا حال
جب بس کہا چمکتی ہوئی برق تھم گئی

خوش خو و خوش خرام و خوش اندام و خوش لگام
جاندار و شوخ چشم و سعید و خجستہ کام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا

چالاکیاں بھی غیظ بھی غربت بھی جنگ بھی
بر میں اسد بھی بحرِ وغا میں نہنگ بھی
ہے آگ کا مزاج تو سرعت ہوا کی ہے

وہ ساز اور وہ زینِ مرصع کی زیب و زین
کلغی سے سر کی صاف عیاں فرِّ فرقدین
دعویٰ کہ میں براق کی توقیر پائے ہوں

وہ چھوٹی چھوٹی گامچیاں گول گول سُم
طاؤس کی طرح جو وغا میں چنور تھی دُم
پھرنا تجھے نصیب ہو راہِ ثواب میں

وہ گشت اور وہ اُس کے طرارے وہ آؤ جاؤ
گھونگھٹ میں دیکھ پائے اگر چال کا بناؤ
دعویٰ غلط خرام میں کبک دری کا ہے

کوہی ہے وہ تدرو ہے کیا اُس کی چال کیا
کیا پیکِ عقل شاطرِ وہم و خیال کیا
دیکھی نہیں کسی نے یہ چھل بل سمند میں

پیکاں ہیں دو کنوتیاں ہنگامِ دار و گیر
روئیں وہ نرم جلد وہ باریک و بے نظیر
ایسی سبک روی نہیں دیکھی شہاب میں

خوش رو و خوش جمال و ادا فہم و تیز گام
گل پوش و تیز ہوش و سمن گوش و سرخ فام
گویا ہوا کی دوش پہ اک زندہ باغ تھا

بالا وہی براق کی دلدل کا ڈھنگ بھی
گھوڑا بھی شیر نر بھی ہرن بھی پلنگ بھی
اضداد اتنے جمع ہیں قدرت خدا کی ہے

اُس میں تھے امینِ ارض و سما کا تھا فرق و بین
سینے میں دل قوی تھا کہ ہیں پشت پر حسین
ناز اس پہ ہے کہ بارِ امامت اُٹھائے ہوں

سرعت وہ تھی کہ عقل تھی یونانیوں کی گم
آتی تھی آسمان سے ندا مدظلہم
قائم یہ دونوں پاؤں رہیں اس رکاب میں

پانی پہ گر حباب تو آبِ رواں میں ناؤ
دولھا کے دل میں پھر نہ رہے کچھ دُلھن کی چاؤ
اس بادپا کے سائے میں جلوہ پری کا ہے

طاؤس کیا ہمائے سعادت خصال کیا
اُس کے قدم کی گرد کو پہونچے مجال کیا
پارا بھرا ہوا ہے ہر اک جوڑ بند میں

حلقے سے یوں نکلتا ہے جیسے کماں سے تیر
چینی پرند جس کے مقابل نہ ہے حریر
دوڑے تو فرق آئے نہ مخمل کی خواب میں

ہر چند تیز رَو ہے بہت ادہمِ قلم
کچھ کچھ مداد کی بھی روانی ہوئی ہے کم
تازی کوئی ہو بات تو لطفِ کلام ہے
گھوڑے سے بھی بڑھی ہوئی تھی تیغ آبگوں
اُلٹی ہوئی صفوں میں نشاں سب تھے سرنگوں
اک شور تھا جو لہر ہے اس کی وہ ناگ ہے

سر کاٹ کر جو تیغِ علیِ ولی پھری
تھی شاخِ نخلِ فتح کہ پھولی پھلی پھری
بگڑا نہ پھر بنا وہ جب سے سجی گئی
دہشت سے اُس کی سخت جگر کانپتے تھے سب
قدسی وہاں سے دور تھے پر کانپتے تھے سب
ساتوں طبق جو ہلتے تھے خوف و دہشت سے

بے سر تھے وہ سوار جو بڑھتے تھے خیل خیل
جوہر چمک دکھاتے تھے سب صورتِ سہیل
آفت بپا تھی خانۂ تن سب خراب تھے
اک شور تھا کہ آئی ہے آفت جہان پر
ہونٹوں پہ دم اجل کی حرارت زبان پر
پریوں میں شور تھا کہ اجل سر پہ آئی ہے

تلوار رن میں گرمیِ سرہنگ سے چلی
جس پہ چلی وہ تیغ نئے رنگ سے چلی
مدت کا تال میل تھا برسوں کا ساتھ تھا
پر اُس کی شوخیوں کو یہ کیونکر کرے رقم
دوڑا بہت تو ذہن کا بھی بھر گیا ہے دم
بس اے قلم ٹھہر تری تر کی تمام ہے

جب ہاتھ اُٹھا تو قبضے سے نکلا زمیں پہ خوں
دہشت سے زرد تھا بنِ سعدِ سیہ دروں
گھوڑے بھگاؤ تیغ کے پانی میں آگ ہے
دل پر خفی پھری تو جگر پر جلی پھری
کس کس ہنر سے رن میں گلوں پر چلی پھری
قامت سے راستی و ادا سے کجی گئی

پتا ہوئے تھے برگِ شجر کانپتے تھے سب
دریا میں تھے نہنگ مگر کانپتے تھے سب
گاوِ زمیں لپٹتی تھی ماہی کی پشت سے
پر تیغِ مرتضےٰ کو نہ اصلا تھا خیف و میل
آتی تھی شور سے سوئے دریا لہو کی سیل
موجیں تھیں ست زیا کی سروں کے حباب تھے

انساں زمیں پہ دق تھے ملک آسمان پر
دہشت سے آ بنی تھی جنوں کی بھی جان پر
جلد آئیے جناب سلیماں دوہائی ہے
ظالم کا دم نکل گیا اس ڈھنگ سے چلی
سر پہ سوار کے جو پڑی تنگ سے چلی
جیسی وہ ذوالفقار تھی ویسا ہی ہاتھ تھا

قاصر تھے اُن کے عزم جو تھے بانیِ فساد
ہر دم اشارہ کرتی تھی تیغِ ظفر نہاد
ٹکڑے کیا ہے عمر سے نامی نہنگ کو
جس غول کی طرف وہ سلیماں حشم پھرا
چمکی اُدھر اُدھر رُخِ اہلِ ستم پھرا
صحت پہ حرف آگیا مجبور ہو گئے
وہ ہاتھ کی صفائیاں وہ تیغ کی چمک
وہ آب و تاب گھاٹ کی وہ باڑھ کی دمک
منہ اپنے زخم کھولے تھے لطفِ غذا یہ تھا
رُکتی نہ تھی وغا میں کسی درعہ پوش سے
کچھ ہو سکا نہ رن میں کسی سرفروش سے
غل تھا علی چھپے وہ دامِ اجل میں ہے
اللہ رے رعبِ نعرۂ مولائے خوش خصال
لپٹی ہوئی تھیں پشت سے ڈھالوں کا تھا یہ حال
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں کمانیں مصاف میں
اُفتادہ تھے زمیں پہ نشانہائے سربلند
تھرّاتے تھے جو ڈر سے لعینوں کے بند بند
جب سہم سہم کر قدر انداز روتے تھے
ہر دم چمک دمک تھی زیادہ برش مزید
اُس فوج میں بجا تھی جو تھی دہشتِ شدید
سفاک تھی او پی ہوئی تھی بے دریغ تھی

رشتے تھے قطع اُٹھ گیا تھا اُنس و اتحاد
سب مجھ کو سرگزشتِ جہادِ علی ہے یاد
جھیلے ہوئے ہوں خیبر و خندق کی جنگ کو
تلوار کا نہ منہ نہ فرس کا قدم پھرا
جس صف پہ آئی سطرِ غلط پر قلم پھرا
ہر تن سے مثلِ نقطۂ شک دور ہو گئے
ملتے تھے دل سما سے تزلزل تھا تا سمک
تھا آبِ شورِ تیغ ہر اک زخم پر نمک
بسمل بھی ہونٹ چاٹ رہے تھے مزا یہ تھا
گرتی تھی تیغ ہاتھ سے اور ڈھال دوش سے
خود حرز بن گئی تھی وہ جوہر کے جوش سے
تھا گو دعائے سیفی اسی کی عمل میں ہے
لرزاں تھیں برچھیاں قدمِ پیر کے مثال
تیغوں کے جوہروں سے کھڑے ہو گئے تھے بال
خنجر بھی منہ چھپائے ہوئے تھے غلاف میں
لاشوں سے راہ امن و اماں ہو گئی تھی بند
پرچم علم کے کرتے تھے اعدا پہ ریش خند
سوفار کے ہنسی سے نہ لب بند ہوتے تھے
لوہے کو اس کے مان گیا لشکرِ یزید
نازل اُسی کی شان میں ہے سورۂ حدید
جو عرشِ ذوالجلال سے اُتری وہ تیغ تھی

گہ سر پہ گاہ سینے پہ گاہے گلو پہ تھی
جوہر کا تھا خیال نگہ آبرو پہ تھی
دریا پہ تھی نہ اُس کی نظر آبجو پہ تھی
ہاں تھی اگر تو جنگ میں رغبت لہو پہ تھی
کاٹوں سروں کو درپئ قتل عدو رہوں
مطلب یہ تھا کہ معرکہ میں سرخرو رہوں

کاری جواں سپاہ کے ناکارہ ہوگئے
پانچوں حواس سبعۂ سیارہ ہوگئے
ٹکڑے کٹی کمانوں کے آوارہ ہوگئے
پیکانِ تیر غنچۂ صد پارہ ہوگئے
سرکی وہ جب کہ برچھیوں سے پھل گرا لیے
خنجر تو کیا تھے تیغوں نے بھی منہ پھرا لیے

گر طبع میں کسی کی روانی ہوئی تو کیا
کیا کہہ سکے گا تیز زبانی ہوئی تو کیا
بالفرض قوتِ ہمہ دانی ہوئی تو کیا
مثلِ انیس سحر بیانی ہوئی تو کیا
فقروں کا ذوالفقار کے مطلب ادا نہ ہو
کٹ جائے ساری عمر تو اُس کی ثنا نہ ہو

پھرتا ہے تیغوں کے اشاروں پہ راہوار
اس صف کے بیچ میں ہو کبھی اُس پرے کے پار
قربان اس جلال کے اس عزم کے نثار
اک ہاتھ میں ہو تیغ سپر اک میں استوار
انگشتِ مصطفےٰ ہے اُدھر بدر اس طرف
شمس الضحیٰ اُدھر ہے شبِ قدر اس طرف

دارالامانِ کعبۂ نصرت تھی وہ سپر
پشت و پناہِ شاہِ ولایت تھی وہ سپر
لاریب فیہ سایۂ رحمت تھی وہ سپر
حقا سوادِ اعظمِ شوکت تھی وہ سپر
پرتو فگن تھی یوں کبھی روئے جناب پر
آجائے جیسے ابرِ سیہ آفتاب پر

آفت تھی ہر پرے میں لڑائی تھی ہر طرف
تلوار سے صفوں کی صفائی تھی ہر طرف
روحوں کی قالبوں سے جدائی تھی ہر طرف
پیغمبرِ خدا کی دوہائی تھی ہر طرف
دانتوں میں خس پکڑ کے عدو گڑگڑاتے تھے
شقے علم کے امن کی چادر ہلاتے تھے

غل تھا کہ اے نبی کے نواسے اماں اماں
گرمی میں تین روز کے پیاسے اماں اماں
اب روک لے یہ ہاتھ وغا سے اماں اماں
سید بچا لے قہرِ خدا سے اماں اماں
یاں سے خطا اُدھر سے ہمیشہ عطا ہوئی
بچے کو ہم نے تیر سے مارا خطا ہوئی

نکلا سپاہِ شام سے بل کھا کے ایک گیو
عفریت جس کے ڈر سے کرے دشت میں غریو
قامت میں عمر زور میں مرحب قوی ہیں دیو
اقلیمِ مکر و مملکتِ خدع کا خدیو
بل ابروؤں پہ زخم بدن پر پڑے ہوئے
اکثر لڑائیوں میں عرب کی لڑے ہوئے

سر میں غرور دل میں بدی طبع میں فساد
شیرِ خدا سے بغضِ دلی آل سے عناد
بدکار و بدمزاج و سلح شور و بدنہاد
کچھ دردِ دیں نہ رحم نہ ایماں نہ اعتقاد
پیرو تھا شمر کا تو ثنا خواں یزید کا
مرتد مریدِ خاص تھا دیوِ مرید کا

غصّے میں ابنِ سعد سے بولا وہ روسیاہ
خود بھاگ کر بتاتا ہے تو بھاگنے کی راہ
نامرد سمجھا اور یہ سالارِ سپاہ
فوجوں کا کیا قصور ہے لشکر کا کیا گناہ
کُشتی پہ ہو رئیس تو بیشک وغا کریں
سردار پیشہ ہی نہ کرے گر تو کیا کریں

اُس سے یہ ڈر جو غم سے ہو خود مرگ کے قریب
محتاج و فاقہ کش وطن آوارہ و غریب
تنہا نہ کوئی بھائی ہے جس کا نہ اب حبیب
بیکس عزیز مردہ جفاکش بلانصیب
دانہ سوائے اشک فشانی ملا نہیں
غربت میں تین روز سے پانی ملا نہیں

بازو شکستہ چھید جگر میں کمر میں خم
اک جان لاکھ تیر یہ تلواریں ایک دم
بیٹی کے رانڈ ہونے کا ماتم پسر کا غم
اب تک گرا نہیں یہ تھمے کس طرح قدم
طاقت نہ قلب میں ہے نہ ہاتوں میں زور ہے
پھر اس پہ الاماں کا ہزاروں میں شور ہے

اُس اضطراب میں پسرِ سعد نے کہا
لشکر کے پاؤں اُٹھ گئے میرا قصور کیا
دعوئے مقابلہ کا اگر ہے تجھے تو جا
فرزندِ مرتضےٰ سے کچھ آسان نہیں وغا
قبضے میں اس کے زورِ خدا کے ولی کا ہے
تو ہی پناہ مانگ کہ بیٹا علی کا ہے

مغرور نے کہا کہ میں جاتا ہوں دیکھ تو
حیدر کے دل کا خون بہاتا ہوں دیکھ تو
میداں میں رستمی جو دکھاتا ہوں دیکھ تو
سر کاٹ کر حسین کا لاتا ہوں دیکھ تو
کیا بات ہے شکست ابھی دے کے آؤں گا
حمزہ کی ڈھال تیغِ علی لیکے آؤں گا

ڈھاٹا شقی نے باندھ کے کھولا کمند کو
نیچا کیا وہیں سے سنانِ بلند کو
قبضے پہ رکھ کے دستِ تعدی پسند کو
کوڑا کیا مثالِ تہمتن سمند کو
بڑھتے ہی اک غریو اُٹھا اُس سپاہ سے
مرحب چلا نبرد کو شیرِ الٰہ سے

کڑکا کے اپنے گھوڑوں کو گرد آگئے سوار
تھا بیچ میں وہ اور حسینِ فلک وقار
فخریہ شعر پڑھ کے پکارا وہ نابکار
بسم اللہ اے نبیرۂ محبوبِ کردگار
افراسیاب و رستمِ میدانِ جنگ ہوں
شیرِ خدا ہیں آپ تو میں بھی پلنگ ہوں

چھپتے ہیں اژدہے مری دہشت سے غار میں
تمساح و شیرِ شرزہ جبال و بحار میں
رستم کو باندھ لیتا ہوں میں کارزار میں
سہراب میں یہ زور نہ اسفندیار میں
پھینکا ہے میں نے سامنے برنا و پیر کے
ڈھالوں کو روئیوں کی طرح چیر چیر کے

گیتی کے چار دانگ میں برپا ہے میرا شور
نیچے سے میں نے توڑ دیئے سرکشوں کے زور
بہرام ڈر سے کانپ رہا ہے میانِ گور
سیمرغ و فیل وہ پرِ پشہ یہ پائے مور
ہاں زال کی نہ کچھ ہے حقیقت نہ گیو کی
تسمے سے باندھ لاتا ہوں گردن کو دیو کی

فرمایا آپ نے یہ تعلی ہے کیا ضرور
چپ رہ کہ تجھ کو پست کرے گا ترا غرور
آپ اپنی مدح واہ رے کم ظرف بے شعور
تیرا نہیں یہ فہم غلط بیں کا ہے قصور
دعویٰ کوئی درست نہیں بے دلیل کے
جوہر کھنچے پہ کھلتے ہیں تیغِ اصیل کے

خوشبو کا اپنی گل نے کیا ہے کبھی بیاں
شیریں ہوں میں شکر کبھی کرتی ہے یہ عیاں
کھلتی ہے آپ مشک کی بو وقتِ امتحاں
کیسا جھکا ہے اتنی بلندی پہ آسماں
سایہ بڑا ہے تجھ سے بگولہ دراز ہے
البتہ خاکسار جو ہے سرفراز ہے

پیدا کیا ہے ایک سے بہتر خدا نے ایک
دارِ فنا میں کوئی جو بد ہے تو کوئی نیک
مانا کہ تو شجاع ہے سب سے فزوں ولیک
یہ سر عزیز ہے تو سرک جا قدم نہ ٹیک
گر پیل ہے تو آگے سلیماں کے مور ہے
اس دستِ رعشہ دار میں حیدر کا زور ہے

جلی ہے سب یہ لاف و گزاف اس دروغ گو
اُو ہرزہ کار جھوٹ نہ بک آبرو نہ کھو
روکے ہیں جس نے فوج کے ریلے ہمیں ہیں وہ
ہم اپنی جرأتوں کے گواہوں کو گر بلائیں
خود اپنے پر کٹے ہوئے روح الامیں دکھائیں
پتھر پہ جوفِ نیزۂ حیدر کو دیکھ لے
حملہ کیا یہ سنتے ہی ظلمت نے نور پر
آئی چمک کے تیغ جو اُس پر غرور پر
قربان دستِ تیغِ شہِ ارجمند کے
خاطی بڑھا کمانِ کیانی میں رکھ کے تیر
دہنی طرف اُڑا جو سمندِ فلک سریر
جوہر عجیب قطع کیے اس کی زباں میں تھے
کعبہ ادھر تھا جلوہ نما اور اُدھر کنشت
نیزے کی ڈانڈ پر جو رکھا اُس نے دستِ زشت
ششدر رہی وہ فوج جو محوِ نظارہ تھی
پھر گرزِ گاؤ سر کو اُٹھایا شریر نے
روکی وہ ضرب ڈھال پہ اُس قلعہ گیر نے
ظالم کے ہوش سر سے اُڑے کچھ نہ بن پڑی
دہنے میں لیکے تیغ کے ساتھ آپ نے سپر
گویا در آئے ناخنِ گیرائی شیر نر
عاجز تھا ہر طرح وہ حسینِ دلیر سے

افسانہ جانتے ہیں اسے ہیں شجاع جو
مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں ان میں دو
لڑتے ہیں لاکھ سے جو اکیلے ہمیں ہیں وہ
قرآن لیکے عرش سے قدسی زمیں پہ آئیں
بُزدل جو ہیں وہ شیروں کی نظروں میں کیا سمائیں
کھل جائے گا ابھی درِ خیبر کو دیکھ لے
پھینکی کمند آنکھ بچا کر حضور پر
گویا کہ برق کوند گئی کوہِ طور پر
کٹ کر اسی پہ جا پڑے حلقے کمند کے
چلّے کو کھینچ لایا بناگوش تک شریر
حلقے کے بیچ میں تھی زہے تیغِ بے نظیر
چلّہ نہ تیر میں تھا نہ گوشے کماں میں تھے
دو رخ تھا اُس لعیں کی طرف اس طرف بہشت
چمکی نئے طریق سے تیغِ قضا سرشت
راہیں بھی سب تھیں قطع سناں بھی دوپارہ تھی
لی ہاتھ میں سپر شہِ گردوں سریر نے
گویا دکھایا زور جنابِ امیر نے
یاں ہاتھ کج ہوا نہ جبیں پر شکن پڑی
جھٹکا دیا جو گرز کو بائیں سے تھام کر
دستِ لعیں سے چھوٹ گیا گرزِ گاؤ سر
یہ گاوزور یاں کہیں چلتی ہیں شیر سے

فرمایا خود سری نے تجھے کر دیا ہی کور — دیکھا ہمارے بازوئے زخمی کا تو نے زور
قوت وہ دے تو پیل کو پامال کرے مور — بیجا تھا یہ غرور یہ نخوت یہ زور و شور
انکار تیغِ برق تجلی نہ کیجیو — توبہ کر اب کلامِ تعلی نہ کیجیو

مغرور نے حسام کو کھینچا مثالِ سام — مُنہ کھولے اژدہے کی طرح رہ گیا نیام
میدانیوں میں غل تھا کہ ہی روزِ ننگ و نام — ہاں اب لڑا دے جان کو ای پہلوانِ شام
گو بن کے چند بار لڑائی بگڑ گئی — سکّہ ہی پھر ترا جو کوئی ضرب پڑ گئی

مطلع

ای شہسوارِ ملکِ سخن صفدری دکھا — گیتی کو زلزلہ ہو وہ زور آوری دکھا
جمعیتِ سپاہ کی پھر ابتری دکھا — ہاں زور و شور معرکۂ حیدری دکھا
کٹ جائیں رنگ سینۂ اعدا فگار ہوں — پڑھنے میں دونوں لب جو کھلیں ذوالفقار ہوں

گھوڑا ہو واں جہاں نہ رسائی ہوا کی ہو — جو نکلے منہ سے لفظ وہ قدرت خدا کی ہو
مصرع ہر ایک تیغِ شہِ لافتا کی ہو — جو چوٹ ہو بندھی ہوئی مشکل کشا کی ہو
نقشا ہو صاف تیغِ علی کی صفائی کا — دکھلا دوں ہر ورق میں مرقع لڑائی کا

یوں کوند کوند کر صفِ اعدا پہ آئے جائے — ہر استخواں کو مثلِ ہما تیغ کھائے جائے
جب تک کہ دم ہی خون کا دریا بہائے جائے — بے جوہروں کو جوہرِ ذاتی دکھائے جائے
غل ہو نزاع اُٹھ گئی فتنہ فرو ہوا — ٹکڑے گریں زمیں پہ تو جانے کہ دو ہوا

ای تیغِ آبدار زباں اور تیز ہو — سر گرمِ کشت و خون و قتال و ستیز ہو
دریا لہو کا وادیِ ہنگامہ خیز ہو — لگ جائے آگ دشت میں یوں شعلہ ریز ہو
کوثر علی سے پاؤں گا حلہ بتول سے — ہاں جنگ فتح کر کے صلہ لوں رسول سے

جب حکم ہو کہ مانگ لے کیا مانگتا ہی تو — گر گر کہوں قدم پہ کہ دُنیا میں آبرو
ارشاد اگر ہو اور بھی کوئی ہی آرزو — اس دم کروں یہ عرض کہ یا شاہِ نیکخو
سب کچھ ہی اختیار شہِ مشرقین میں — مسکن جناں میں قبر جوارِ حسین میں

مرحب اُدھر ہے شبر کا فرزند اس طرف
عمر اُس طرف نبی کا جگر بند اس طرف
اُس سمت ہے غلام خداوند اس طرف
کلمے غرور کے ہیں اُدھر پند اس طرف
ناصر کہاں عزیزوں کی لاشیں بھی دور ہیں
تلوار ہے سپر ہے فرس ہے حضور ہیں

گھوڑے کو اُس نے گشت پہ ڈالا پہ دور دور
کس غیظ سے ہلانے لگا سیف بے شعور
سن سن ہوا پہ ہاتھ لگا کرنے وہ پُر غرور
انیاں بتا رہا تھا وہیں سے سوئے حضور
جب اس کے ساتھ کے سفہا غل مچاتے تھے
رہ رہ کے قبلۂ دو جہاں مسکراتے تھے

تعریفِ بے محل نے بڑھایا جو اُس کا دل
گھوڑا اڑا کے آگیا حضرت کے متصل
دونوں طرف سے چلنے لگے وار جاں گسل
تیغوں کی برق و شرق سے بجلی ہوئی خجل
عبرت ہوئی کہ خون شجاعوں کے گھٹ گئے
ڈھالوں کے پرزے اُڑ گئے دستانے کٹ گئے

ٹوٹی وہ تیغ ادھر یہ چمک کر اُدھر گئی
پستی سے یہ پھری تو وہ بالائے سر گئی
بجلی سی کوند کر یہ بڑھی وہ ٹھہر گئی
ندی تھی ایک دم میں چڑھی اور اُتر گئی
آنچ اس کے تیوروں کو شفق کے جلاتی تھی
اُس تیغ کی ہوا بھی یہاں پر نہ آتی تھی

سیماب تھا ہوا تھا چھلاوا تھا راہوار
اُس کو نہ چین تھا نہ اسے ایک جا قرار
قربانِ ذوالجناحِ شہنشاہِ نامدار
جاتا تھا یوں حریف کے گھوڑے پہ بار بار
جس طرح جائے شیر گرسنہ غزال پر
ہر بار تھیں کلائیاں گھوڑے کے یال پر

ملتی ہوئی کنوتیاں لال آنکھیں منہ میں کف
بجلی سا اس طرف تھا کبھی گاہ اُس طرف
حیراں تھی اس کی تیز روی پر اُدھر کی صف
نتھنوں سے تھی نفس کی صدا یا شہِ نجف
ظالم سے معرکہ جو پڑا تھا لڑائی کا
مطلب یہ تھا کہ وقت ہے مشکلکشائی کا

گھوڑا کبھی نہ پھول کی جس پر چھڑی پڑی
کھولی گرہ وہ تیغ نے جب کلجھڑی پڑی
ضرب اُس کی جو پڑی وہ زرہ پر کڑی پڑی
فوجوں میں شور تھا کہ لڑائی بڑی پڑی
قوت علی کی ہاتھ میں ہے اس دلیر کے
کیونکر بچائیں صید کو پنجے سے شیر کے

تلوار اُدھر چمک کے چلی آنکھ ادھر لڑی
آری تھی وہ جو تیغ سے تیغ دو سر لڑی
ظالم کے سر پہ تیغ کا قبضہ جو پھر پڑا
بولے یہ مُسکرا کے حسینِ فلک حشم
جھک کر اُٹھا لے خود جو ہی سرزنش کا غم
آ جم کے لڑ کہ ہم بھی تو دیکھیں ہنر ترا
کھینچی جو اُس نے باگ سمٹنے لگا سمند
گر یوں نکل گیا تو کہیں گے یہ ہوشمند
بے زخم کھائے صاف جفا جو نکل گیا
مغفر اُٹھا کے تیغ سے بولے امامِ دیں
شہ کی طرف اُٹھا کے بصد غیظ تیغِ کیں
دیتے ہی خود دستِ مبارک جو مُڑ گیا
پستی میں آئی بڑھ کے جو وہ تیغِ پر شرر
اسوار جو کھڑے تھے وہ بھاگے اِدھر اُدھر
بھاگو چلا نہ دے کہیں آنچ اس کی دھار کی
فاقے میں دیر تک جو لڑے شاہِ تشنہ کام
ہاتھوں سے چھوڑ دی تھی جو رہوار کی لگام
غش میں سوارِ دوشِ نبی کا یہ حال تھا
دیکھا جو یہ کہ بھاگ گئے رن سے حیلہ ساز
مہلت ہے ای حسین پڑھو عصر کی نماز
فکرِ نجاتِ اُمتِ خیر البشر کرو

پتلی سے پتلی اور نظر سے نظر لڑی
آپ اس قدر بڑھی کہ سپر سے سپر لڑی
جھجکا تو خود فرقِ ستم گر سے گر پڑا
تھا وار سرسری سر و گردن کو کر نہ خم
سر جنگ ہو چلی نہ اُٹھانا بس اب قدم
بھاگا تو پاؤں گھوڑے کے ہوں گے نہ سر ترا
سمجھے امام پاک کہ بھاگا یہ خود پسند
کس فکر میں تھے شاہ عدو گیر و صید بند
پنجے میں آ کے شیر کے آہو نکل گیا
لے جنگ سر ہی فرق پہ رکھ خودِ آہنیں
مغفر کو بائیں ہاتھ سے لینے لگا لعیں
مغفر تو ہاتھ میں رہا سر تن سے اُڑ گیا
گھوڑے کے پاؤں کٹ گئے مثلِ خیارِ تر
پھر پھر کے اضطراب میں کہتے تھے اہلِ شر
بیچھلے گئے ہوئے ہی چمک ذوالفقار کی
غرقِ عرق تھے کانپ رہا تھا بدن تمام
آنکھیں تھیں بند ہانپتا تھا اسپِ تیز گام
بے تھامے خود فرس سے اُترنا محال تھا
تلوار رکھ کے میان میں بولے شہِ حجاز
یہ آخری ہے بندگیِ ربِ بے نیاز
سوکھی زباں کو ذکرِ الٰہی سے تر کرو

ناگاہ سوئے لاشِ پسر جا پڑی نظر
اکبر اُٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر
بھولے پدر کو نیند میں قربان آپ کے
بیٹے ہو تم امام کے پوتے امام کے
آتے ہیں پھر پلٹ کے پرے فوجِ شام کے
جاتی رہے نماز بھی اعدا جو بھر پڑیں

عباسِ نامدار ترائی سے اُٹھ کے آؤ
چھڑکو مری زرہ پہ جو پانی کہیں سے پاؤ
ہم سب کے کام آئے ہیں بیٹھے ہیں روئے ہیں
کیا بافضا یہ سرِ ترائی ہے اب اٹھو
نرغے میں فوجِ ظلم کے بھائی ہے اب اٹھو
غفلت کی تم کو نیند ہے شبیرؑ کیا کرے

تم جب سے چھوٹے ساعد و بازو میں درد ہے
دل میں کمر میں سینے میں پہلو میں درد ہے
ہر مرتبہ لڑے ہیں لہو میں نہائے ہیں
چلّایا فوج کو پسرِ سعد نابکار
پلٹے پرے سواروں کے لیکر رسالہ دار
تیر افگنوں میں تیغوں میں بھالوں میں گھر گئے

فریاد ہے وہ فوج کا دل اور اک حسین
وہ تیر جاں ستاں وہ جدل اور اک حسین
فوجوں میں شام کی مہِ تاباں گھرا ہوا

چلّائے دل کو تھام کے سلطانِ بحر و بر
سوتے ہو تم دھرے ہوئے رخسار خاک پر
آؤ نماز عصر پڑھو ساتھ باپ کے
کام آؤ مرتے دم پدرِ تشنہ کام کے
بٹھلا دو قبلہ رو مرے ہاتھوں کو تھام کے
رعشہ ہے خود فرس سے جو اُتریں تو گر پڑیں

پھکتا ہے قلب جل رہے ہیں سب جگر کے گھاؤ
چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ
بارہ پہر ہوئے کہ نہ لیٹے نہ سوئے ہیں
ہم جاں بلب ہیں ختم لڑائی ہے اب اٹھو
عباس دھوپ چہرے پہ آئی ہے اب اٹھو
میری طرح کسی کو نہ بیکس خدا کرے

گردن میں سر میں آنکھ میں ابرو میں درد ہے
رگ رگ میں کیا ہر ایک بنِ مو میں درد ہے
پیری میں نوجوانوں کے لاشے اُٹھائے ہیں
لو رکھ لی میان میں شہِ والا نے ذوالفقار
دو غول باندھے آئے کماندار دس ہزار
تنہا حسین برچھیوں والوں میں گھر گئے

وہ بے شمار تیغوں کے پھل اور اک حسین
وہ سیکڑوں پیامِ اجل اور اک حسین
بیکس بھی وہ کہ جس سے زمانہ پھرا ہوا

ڈوبے ہوئے تھے خون میں گیسو حسین کے
زخمی ہیں دونوں ساعد و بازو حسین کے
تیغیں اوپی ہوئی جو برابر سے چل گئیں
سیّد کے مرتبے کو نہ جانا ہزار حیف
شانے تھے ناوکوں کا نشانا ہزار حیف
ٹوٹے تھے سب رسول کے پیارے حسین پر
گرتے ہیں آپ کون سنبھالے کوئی نہیں
بے جاں پڑے ہیں گود کے پالے کوئی نہیں
بے کس ہیں اور سامنا فوجِ عدو کا ہے
کیونکر کہوں کہ عرشِ خدا خاک پر گرا
سرتاجِ بادشاہ و گدا خاک پر گرا
وہ ڈوہزار زخم تنِ چاک چاک پر
ٹکڑے جدا ہیں حال یہ ہے تن کا ہے غضب
پانی کا دال ہے کام کہ آہن کا ہے غضب
اُس کے شریک ذبح میں بارہ شریر ہیں
فضّہ نے جا کے خیمے میں انڈوں کو دی خبر
بستر سے اُٹھ کے گر پڑے سجّادِ نوحہ گر
گر گر کے دوڑتی تھیں کہ مل لوں حسین سے
مانندِ آفتاب لرزتا تھا جسمِ پاک
سر پر عصا بہ پاؤں میں نہ ردا پہ خاک
عابد کا نورِ عین ردا تھامے ساتھ تھا

آنکھوں پہ کٹ کے آپڑے ابرو حسین کے
تیروں نے چھان ڈالے تھے پہلو حسین کے
غش آگیا قدم سے رکابیں نکل گئیں
تیروں سے صدرِ پاک کو چھانا ہزار حیف
مظلوم کو وہ برچھیاں کھانا ہزار حیف
کیا وقت پڑ گیا تھا تمھارے حسین پر
سینے سے کون تیر نکالے کوئی نہیں
سب مر چکے ہیں چاہنے والے کوئی نہیں
منہ جس کا دیکھتے ہیں وہ پیاسا لہو کا ہے
خیر النسا کا ماہ لقا خاک پر گرا
زیں سے اُلٹ کے راہ نما خاک پر گرا
کیا گزری ہوگی جبکہ گرے ہوں گے خاک پر
اب مرحلہ ہے خنجر و گردن کا ہے غضب
لو سامنا ہے شمر سے دشمن کا ہے غضب
یاں اک گلا ہے جس پہ کئی زخم تیر ہیں
ہے ہے مرے خزادہ کا کٹتا ہے تن سے سر
خیمے سے نکلیں بی بیاں بچّوں کو چھوڑ کر
ہلتا تھا عرش حضرتِ زینب کے بین سے
جائیں کدھر وہ فوج وہ صحرائے ہولناک
لٹکے ہوئے تھے دونوں طرف پیرہن کے چاک
اک ہاتھ میں بہ حسرت سکینہ کا ہاتھ تھا

چلاتی تھی ارے مرا بھائی ہی کس طرف
لوٹی ہوئی علی کی کمائی ہی کس طرف
دریا کدھر ہی خوں کا ترائی ہی کس طرف
سونے کی جا حسین نے پائی ہی کس طرف
رستا دے اے زمیں کہ فلک کی ستائی ہوں
میں اپنے پیارے بھائی سے ملنے کو آئی ہوں

ریتی پہ مصطفیٰ کے جگر کا لہو گرا
ای آسماں زمیں پہ اب تک نہ تو گرا
سیّد گرا امام گرا نیک خو گرا
وہ کعبۂ زمین و زماں قبلہ رو گرا
تاب اُٹھنے بیٹھنے کی کہاں ہاتھ پاؤں میں
شاید نماز پڑھتے ہیں تیغوں کی چھاؤں میں

میں سیّدہ ہوں رحم مری بیکسی پہ کھاؤ
ای اہل قریہ بنتِ نبی کی مدد کو آؤ
دُنیا میں تم خوشی رہو عقبیٰ میں چین پاؤ
سیّد کدھر ہی خون میں غلطاں مجھے بتاؤ
یاں لٹ گئے فلک نے یہ دُکھ ہم پہ ڈالے ہیں
ای بھائیو مدینے کے ہم رہنے والے ہیں

آتی تھی جس میں وحی وہ گھر ہی ہمارا گھر
علمِ نبی کے شہر کا در ہی ہمارا گھر
تاروں میں برجِ شمس و قمر ہی ہمارا گھر
تیغِ عذابِ حق کی سپر ہی ہمارا گھر
حاکم ہی برخلاف وطن ہم سے چھٹ گیا
ہی ہی وہی بھرا ہوا گھر آج لُٹ گیا

بے خانماں ہی تشنہ دہن ہی غریب ہی
بیکس ہی داغ دیدہ ہی آفت نصیب ہی
اب دوست ہی کوئی نہ کوئی اب حبیب ہی
اپنے وطن سے دور ہی تم سے قریب ہی
تم سب کو پاس چاہیے اس ذی وقار کا
خادم یہ ہی تمھارے نبی کے مزار کا

ای قبرِ مصطفیٰ کے مجاور ترے نثار
ای بے کس و غریب و مسافر ترے نثار
ای تشنہ کام و صابر و شاکر ترے نثار
ای دینِ حق کے حامی و ناصر ترے نثار
آئے تھے کربلا میں شہادت کے واسطے
اک دن میں گھر لُٹا دیا اُمّت کے واسطے

صدقے میں تیری لاش کے ای گلبدن حسین
ای تشنہ لب حسین غریب الوطن حسین
ای جاں بلب حسین امامِ زمن حسین
ای فاقہ کش حسین اسیرِ محن حسین
پیاسے گلے سے خنجرِ شمرِ لعیں ملا
پانی بھی مرتے وقت ملا یا نہیں ملا

شہ کے کراہنے کی جو آنے لگی صدا
دیکھا بہن نے بھائی کا کٹتے ہوئے گلا
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے گری بنتِ مرتضٰے
دَوڑی اُدھر نبی کی نواسی برہنہ پا
غم سے کلیجہ پھٹ گیا زہرا کی جائی کا
اس نے جو دیکھا نیزے پہ سر اپنے بھائی کا

بس ای انیسؔ قلب و جگر کو نہیں قرار
یہ بزم اور یہ آج کا پڑھنا ہی یادگار
وہ یوں پڑھے جسے نہ ہو طاقت کلام کی
آگے نہ لکھ مصیبتِ شبیرؑ نامدار
رعشہ ہی دست و پا میں لرزتا ہی جسم زار
تائید ہی حسین علیہ السلام کی

رُباعی

شمعوں کی طرح دلوں کو جلتے دیکھا
افسوس کہ میداں میں ہی قاسم نے
آہوں کا دھواں مُنہ سے نکلتے دیکھا
دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا

رُباعی

کِس غم میں یہ ذلّت ہی جو اِس غم میں ہی
ہر چشم یہ کہتی ہی دکھا کر دُرِ اشک
سینے کو سرورِ شہ کے ماتم میں ہی
رونے کا مزا ماہِ محرّم میں ہی

مرثیہ (۱۸)

کیا زخم ہی وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا
کیا درد ہی جز دل کوئی محرم نہیں جس کا
کیا داغ ہی جلنا کوئی دم کم نہیں جس کا
کیا غم ہی کہ آخر کبھی ماتم نہیں جس کا
کس داغ میں صدمہ ہی فراقِ تن و جاں کا
وہ داغ ضعیفی میں ہی فرزندِ جواں کا

جب باغِ جہاں اکبرِ ذی جاہ سے چھوٹا
پیری میں برابر کا پسر شاہ سے چھوٹا
فرزندِ جواں ابنِ ید اللہ سے چھوٹا
کیا اخترِ خورشید لقا ماہ سے چھوٹا
تصویرِ غم و درد سراپا ہوئے شبیرؑ
ناموس میں ماتم تھا کہ تنہا ہوئے شبیرؑ

ہی ہی علی اکبر کا اُدھر شور تھا گھر میں
اندھیر تھی دُنیا شہِ والا کی نظر میں
فرماتے تھے سوزش ہی عجب داغِ پسر میں
اُٹھتا ہی دھواں آگ بھڑکتی ہی جگر میں
پیغامِ اجل اکبرِ ناشاد کا غم ہی
عاجز ہی بشر جس سے وہ اولاد کا غم ہی

اُس گیسوؤں والے کے بچھڑ جانے نے مارا
افسوس بڑھا ضعف گھٹا زور ہمارا
دُنیا میں محمد کا یہ ماتم ہی دوبارا
عالم سے عجب جانِ جہاں آج سدھارا
چادر بھی نہیں لاشۂ فرزندِ حسیں پر
کس عرش کے تارے کو سُلائے زمیں پر

پیری پہ مری رحم کر اے خالقِ ذوالمنن
طے جلد ہو اب مرحلۂ خنجر و گردن
قتلِ علی اکبر کی خوشی کرتے ہیں دُشمن
تجھ پر مرے اندوہ کا سب حال ہی روشن
مظلوم ہوں مجبور ہوں مجروح جگر ہوں
تو صبر عطا کر مجھے یارب کہ بشر ہوں

پھر لاشۂ اکبر نظر آئے تو نہ روؤں
برچھی جو کلیجے میں در آئے تو نہ روؤں
دل دردِ محبت سے بھر آئے تو نہ روؤں
سو بار جو منہ تک جگر آئے تو نہ روؤں
شکوہ نہ زباں سے غمِ اولاد میں نکلے
دم تن سے جو نکلے تو تری یاد میں نکلے

اِک عمر کی دولت تھی جسے ہاتھ سے کھویا
ہر وقت رہا ہیں تری خوشنودی کا جویا
پالا جسے گودی میں وہ یوں خاک پہ سویا
میں لاش پہ بھی خوف سے تیرے نہیں رویا
قسمت نے جوانوں کو سبکدوش کیا ہے
مجھ کو تو اجل نے بھی فراموش کیا ہے

اس حال سے روتے ہوئے داخل ہوئے گھر میں
تر تھی تنِ انور کی قبا خونِ پسر میں
سوزش دلِ پُرداغ میں تھی درد جگر میں
خم آگیا تھا بارِ مصیبت سے کمر میں
پنہاں تھا جو فرزندِ جگر بند نگہ سے
موتی رُخِ انور پہ ٹپکتے تھے مژہ سے

بانو سے کہا رو کے خوشا حال تمھارا
صرفِ رہِ معبود ہوا مال تمھارا
مقبول ہوئی نذر یہ اقبال تمھارا
سجدے کرو پروان چڑھا لال تمھارا
دل خوں ہے کلیجے میں سناں کھا کے پھرے ہیں
ہم اُس کی امانت اُسے پہنچا کے پھرے ہیں

جیتے تھے تو آخر علی اکبر کبھی مرتے
گر پیارہ بھی ہوتا تو زمانے سے گزرتے
سینے سے کلیجے کو جدا ہم جو نہ کرتے
نا بگڑے ہوئے اُمت کے نہ پھر کام سنورتے
گر حلق سے اُس شیر کے شمشیر نہ ملتی
یہ اجر نہ ہاتھ آتا یہ توقیر نہ ملتی

اکبر نے تو جاں اپنی جوانی میں گنوائی
تھی کون سی ایذا جو نہ اُس لال نے پائی
افسوس کہ پیری میں ہمیں موت نہ آئی
تلوار نہ سر پر نہ سناں سینے پہ کھائی
غم کھائینگے خونِ دلِ مجروح پئیں گے
کیا زور ہے جب تک وہ جلائے گا جئینگے

دستور ہے مرتا ہے پدر آگے پسر کے
پہلے وہ اُٹھے تھامنے والے تھے جو گھر کے
اب کون اُٹھائے گا جنازے کو پدر کے
افسوس لحد بھی نہ ملے گی ہمیں مر کے
سر نیزے پہ اور دشت میں تن ہوگا ہمارا
خاک اُڑ کے پڑے گی یہ کفن ہوگا ہمارا

زینب سے کہا رختِ کہن لاؤ تو بہنیں
ملبوسِ شہنشاہِ زمن لاؤ تو بہنیں
موت آگئی اب سر پہ کفن لاؤ تو بہنیں
کپڑے جو پھٹے ہوں وہ بہن لاؤ تو بہنیں
سر کٹ کے جو تن وادیِ پُرخار میں رہ جائے
شاید یہی پوشاک تنِ زار میں رہ جائے

اللہ نے بچپن میں مرے ناز اٹھائے
طفلی میں کسی نے شرف ایسے نہیں پائے
عریاں تھا کہ جبریلِ امیں عرش سے آئے
فردوس کے حلّے مرے پہنانے کو لائے
بیکس ہوں دل افگار ہوں آوارہ وطن ہوں
میں ہوں وہی شبّیر کہ محتاجِ کفن ہوں

ناشاد بہن پاؤں پہ گر کر یہ پکاری
ماں جائے برادر تری غربت کے میں واری
بن بھائی کی ہوتی ہے یداللہ کی پیاری
گھر لٹ گیا کیونکر نہ کروں گریہ و زاری
رونے کو نجف تک بھی کھلے سر نہ گئی میں
خالی یہ بھرا گھر ہوا اور مر نہ گئی میں

بچپن تھا کہ امّاں سے ہوئی پہلے جدائی
نانا کے لیے ماتمی صف میں نے بچھائی
روتی تھی پدر کو کہ سفر کر گئے بھائی
یثرب بھی چھٹا دیس سے پردیس میں آئی
غم دیکھوں بڑے بھائی کا ماں باپ کو روؤں
قسمت میں یہ لکھا تھا کہ میں آپ کو روؤں

فرمایا کہ دنیا میں نہیں موت سے چارا
رہ جاتے ہیں ماں باپ بچھڑ جاتا ہے پیارا
ہجرِ علی اکبر تھا کسی کو بھی گوارا
وہ مر گئے اور کچھ نہ چلا زور ہمارا
دیکھا جسے آباد وہ گھر خاک بھی دیکھو
اب خاتمہ پنجتنِ پاک بھی دیکھو

کس کس کی نہ دولت پہ زوال آ گیا زینب
پابندِ رضا تھا تو شرف پا گیا زینب
دنیا سے گیا جو تنِ تنہا گیا زینب
کھلتا نہیں وہ پھول جو مرجھا گیا زینب
جو منزلِ ہستی سے گیا پھر نہیں ملتا
یہ راہ وہ ہے جس کا مسافر نہیں ملتا

میں کون ہوں اک تشنہ لب بیکس و محتاج
بندہ تھا خدا کا سو ہوا ہوں میں طلب آج
وہ کیا ہوئے جو لوگ تھے کونین کے سرتاج
نہ حیدرِ کرّار ہیں نہ صاحبِ معراج
کچھ پیٹنے رونے سے نہ ہاتھ آئے گا زینب
آیا ہے جو اس دہر میں وہ جائے گا زینب

کس طرح وہ بیکس نہ اجل کا ہو طلبگار
ناصر نہ ہو جس کا کوئی دنیا میں نہ غمخوار
اک جانِ حزیں لاکھ مصیبت میں گرفتار
اکبر ہیں نہ قاسم ہیں نہ عباس علمدار
کوشش ہے کہ سجدہ تہِ شمشیر ادا ہو
تنہائی کا مرنا ہے خدا جانیے کیا ہو

قاتل جو چھری خشک گلے پر مرے پھیرے
خالص رہے نیت کوئی تدبیر نہ گھیرے
کٹنے میں رگوں کے یہ سخن لب پہ ہو میرے
قربان حسین ابن علی نام پہ تیرے
بہنوں کی نہ ہو فکر نہ بچوں کی خبر ہو
اس صبر سے سر دوں کہ مہم عشق کی سر ہو

غل پڑ گیا شاہِ شہدا چڑھتے ہیں زین پر
فرماکے یہ ہتھیار سجے آپ نے تن پر
پیدا ہوا اک جلوۂ نو رختِ کہن پر
احمد کی قبا آپ نے پہنی جو کفن پر
اللہ رے خوشبو تنِ محبوبِ خدا کی
پھولوں کی مہک آ گئی کلیوں سے قبا کی

وہ پھول سے رخسار گلابی وہ عمامہ
تعریف میں خود جس کی سرافگندہ ہے خامہ
وہ زرد عبا نور کی وہ نور کا جامہ
برسوں جو لکھیں ختم نہ ہو مدح کا نامہ
کپڑے تنِ گلرنگ کی خوشبو سے بسے تھے
ٹوٹی کمر امت کی شفاعت پہ کسے تھے

شمشیر یداللہ لگائی جو کمر سے
سر پیٹ کے زینب نے ردا پھینک دی سر سے
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے آپ جو گھر سے
بچوں کی طرف تکتے تھے حسرت کی نظر سے
اس غل میں جدا شہ سے نہ ہوتی تھی سکینہ
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو روتی تھی سکینہ

شہ کہتے تھے بی بی ہمیں رو کر نہ رلاؤ
پھر پیار کریں ہم تمہیں منہ آگے تو لاؤ
وہ کہتی تھی ہمراہ مجھے لے لو تو جاؤ
میں کیا کروں میداں میں اگر جا کے نہ آؤ
نیند آئے گی جب آپ کی بو پاؤں گی بابا
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر
چھاتی پہ سلائیں گی تمہیں رات کو مادر
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغر
فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پہ
شب ہوئے گی اور دشت میں ہم سوئیں گے بی بی
اصغر مرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار
میں آپ سے بولوں گی نہ اب بادشہِ ابرار
اچھا نہ اگر کیجیے جلد آنے کا اقرار
مرجائے گی اس شب کو تڑپ کر یہ دل افگار
کیسی ہیں یہ باتیں مرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

اصغر کبھی ساتھ آپ کے اب تک نہیں سوئے
شفقت تھی مجھی پر کہ یہ بے چین نہ ہوئے
جیتے رہیں فرزند کہ سب لختِ جگر ہیں
شہ کہتے تھے صدمہ دلِ مضطر پہ ہے بی بی
اعدا کا یورش سبطِ پیمبر پہ ہے بی بی
چھوٹے نہ وہ جو صبر کا جادہ ہے سکینہ
لو رو و نہ اب صبر کرو باپ کی جانی
اودے ہیں لبِ لعل یہ ہے تشنہ دہانی
محبوبِ الٰہی کے نواسے ہیں سکینہ
دنیا ہے یہ شادی ہے کبھی اور کبھی آلام
یکساں نہیں ہوتا کبھی آغاز کا انجام
ضد کرکے نہ اب رات کو رویا کرو بی بی
سمجھا کے چلے آپ سکینہ کو غش آیا
ڈیوڑھی سے جو نکلا اسد اللہ کا جایا
کس عالمِ تنہائی میں سیّد کا سفر تھا
سائے کی طرح جو نہ جدا ہوتی تھی دم بھر
گردوں کی طرف دیکھ کے فرماتے تھے سرور
کچھ کام نہ اس بیکس و ناشاد سے ہوگا
فرما کے یہ مولا جو قریبِ فرس آئے
فریاد کناں جن بھی مثالِ جرس آئے
ڈھالیں لئے سب ہاتھوں کو قبضوں پہ دھرے تھے

بہلا لیا امّاں نے اگر چونک کے روئے
یہ پیار ہو جس پر اسے یوں ہاتھ سے کھوئے
میں آپ کی بیٹی ہوں وہ امّاں کے پسر ہیں
ہفتم سے تباہی میرے سب گھر پہ ہے بی بی
جس نے تمہیں پیدا کیا وہ سر پہ ہے بی بی
ماں باپ سے پیار اس کا زیادہ ہے سکینہ
کچھ دیتی ہو عباس کو پیغام زبانی
ملتا ہے تو بی بی کے لئے لاتے ہیں پانی
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہ
راحت کی کبھی صبح مصیبت کی کبھی شام
وہ دن گئے کرتی تھیں جو اس چھاتی پہ آرام
جب ہم نہ ہوں تم خاک پہ سویا کرو بی بی
غل تھا کہ اٹھا سر سے شہنشاہ کا سایا
رہوارِ سبک سیر کو روتا ہوا پایا
بھائی نہ بھتیجا نہ ملازم نہ پسر تھا
وہ رات کی جاگی ہوئی سوتی ہے زمیں پر
تو سر پہ ہے تنہا نہیں فرزندِ پیمبر
جو ہوگا وہ مولا تری امداد سے ہوگا
نصرت کو صفیں باندھے ملک پیش و پس آئے
جنگل سے ہٹے پانچ جو دستے تو وہیں آئے
لشکر سے جنوں کے بھی کئی دشت بھرے تھے

تھی قوم بنی جان بھی سرداری کو حاضر
لشکر تھا فرشتوں کا جگرداری کو حاضر
تولے ہوئے نیزوں کو لڑائی پہ تلے تھے
فوجوں کے طلائے تھے خبرداری کو حاضر
جبریل تھے خود غاشیہ برداری کو حاضر
رہوار تو ابلق تھے علم سبز کھلے تھے

اصرار کیا سب نے پہ حضرت نے نہ مانا
وہ شاہ کہ جس کے یدِ قدرت میں زمانا
بندہ وہی بندہ ہے جو راضی ہو رضا پر
جز حق مددِ غیر کو رد کرتے ہیں دانا
کون آیا گیا کون یہ مطلق بھی نہ جانا
اوروں سے اسے کیا جسے تکیہ ہو خدا پر

کی عرض ملائک نے کہ یا سیدِ ابرار
فرمایا وہ خواہاں تھے کہ مغلوب ہوں کفار
جان آج ہماری کسی صورت نہ بچے گی
ہم آپ کے نانا کی مدد کرتے تھے ہر بار
میں اپنی شہادت کا خدا سے ہوں طلبگار
بالفرض بچا میں تو پھر امت نہ بچے گی

زعفر نے یہ کی عرض بصد اشک فشانی
کچھ کام تو لے اے اسد اللہ کے جانی
دریا جو خود آئے گا تو لب تر نہ کروں گا
ہو حکم تو لے آؤں ابھی نہر سے پانی
فرمایا کہ مطلق نہیں اب تشنہ دہانی
احمد کا نواسا ہوں تو پیاسا ہی مروں گا

جس وقت فلک پر ہو عیاں ماہِ محرم
جو بی بیاں ہیں وہیں گھروں میں مجھے باہم
سب پیر و جواں روئیں پہ انجام ہو میرا
ہر تعزیہ خانے میں بپا ہو مرا ماتم
مردوں میں یہ ہو شور کہ ہے ہے شہِ عالم
مظلوم حسین ابن علی نام ہو میرا

دنیا میں مرے گا جو کسی شخص کا بھائی
جان اپنی بھتیجے نے کسی کے جو گنوائی
اولاد کا ماتم جسے ناشاد کرے گا
یاد آئے گی عباس کی اور میری جدائی
روئے گا کہ قاسم نے سناں سینہ پہ کھائی
اکبر کے جواں مرنے کو وہ یاد کرے گا

دس روز شب و روز ہو غل ہائے حسینا
زخم تبر و تیر و سناں کھائے حسینا
جب پانی پیئیں اشک فشانی کو نہ بھولیں
صدقے ترے اے فاطمہ کے جائے حسینا
سب پانی پیئیں اور نہ تو پائے حسینا
بچے بھی میری تشنہ دہانی کو نہ بھولیں

زینب نے پکارا مرے ماں جائے برادر
ناشاد بہن لینے رکاب آئے برادر
اب کوئی مددگار نہیں ہائے برادر
صدقے ہو بہن گر تمھیں پھر پائے برادر
غش آئے گا دو گام پیادہ جو بڑھو گے
اس ضعف میں رہوار پہ کس طرح چڑھو گے

حضرت نے صدا دی کہ نہ خواہر نہ نکلنا
جب تک کہ میں زندہ ہوں باہر نہ نکلنا
للہ بہن کھولے ہوئے سر نہ نکلنا
سر کھول کے کیا اوڑھ کے چادر نہ نکلنا
کیا تم نے کہا دل مرا تھرا گیا زینب
بھائی کی مناجات میں فرق آگیا زینب

رخصت ہوئے روتے ہوئے سارے ملک جن
گھوڑے پہ چڑھا تھم کے وہ کونین کا محسن
آفت کا وہ تھا وقت قیامت کا وہ تھا دن
سایا نہ کسی جا تھا نہ پانی کہیں ممکن
عباس کے حملے جو لعیں دیکھ چکے تھے
دریا بھی نظر بند تھا یوں گھاٹ رکے تھے

وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
وہ گرمیِ زرہ اور وہ ہتھیاروں کا جلنا
وہ گرد کا مقتل میں تتق اول کا وہ چلنا
وہ بن میں پہاڑوں سے شراروں کا نکلنا
گرمی سے فرس میں بھی نہ وہ تیزتگی تھی
پیاسے تھے حسین آگ زمانے کو لگی تھی

فوجوں کے برابر جو شہ بحر و بر آئے
اللہ ری تمازت کہ پسینے میں تر آئے
غصے میں جو ملتے ہوئے ابرو نظر آئے
غل تھا کہ علی تول کے تیغ دو سر آئے
حسن خم ابرو تھا دوبالا مہ نو سے
چہرے میں زیادہ تھی ضیا مہر کی ضو سے

چہرہ وہ کہ رضواں تو دکھائے چمن ایسے
جنت کے گلستاں میں نہیں گلبدن ایسے
لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہن ایسے
ہے شور جہاں میں نمک ایسا سخن ایسے
قرآں نہ اُترا آتا تو قرات بھی نہ ہوتی
یہ خلق نہ ہوتے تو فصاحت بھی نہ ہوتی

منظورِ نظر گیسو و رخسارۂ تاباں
ظلمت کی سحر گیسو و رخسارۂ تاباں
ہالے میں قمر گیسو و رخسارۂ تاباں
مشک و گل تر گیسو و رخسارۂ تاباں
دیکھے نہ کبھی نورِ سحر دیکھ کے ان کو
دو راتوں میں دو چاند نظر آتے ہیں دن کو

آئینہ کا کیا منہ جو جبیں سے ہو مقابل
مہتاب کہوں گر تو وہ ناقص ہے یہ کامل
چہرے پہ کلف صاف یہ ہے عیب میں داخل
خورشید بھی اصلا نہیں تشبیہ کے قابل
ہمسر ہوں وہ کیونکر کوئی نسبت نہیں جن کو
یہ رات کو پیشانی سے محجوب وہ دن کو

آراستہ لشکر ہے ادھر ملتے ہیں بھالے
قبضوں پہ ہیں چالاک جواں ہاتھوں کو ڈالے
بیکس ہیں وہاں تیروں کو ترکش سے نکالے
فوجوں پہ تو فوجیں ہیں رسالوں پہ رسالے
خنجر وہ کلیجے پہ جو زہر کے بھرے ہیں
شاہ شہدا قلعہ آہن میں گھرے ہیں

تلواریں لیے دشمن جاں ایک طرف ہیں
گھوڑے پہ شہ کون و مکاں ایک طرف ہیں
تیر ایک طرف گرز گراں ایک طرف ہیں
آپ ایک طرف لاکھ جواں ایک طرف ہیں
سر کٹنے کا دھڑکا نہیں وسواس نہیں ہے
فوجوں سے وغا اور کوئی پاس نہیں ہے

بے سایہ یہ جو ہے لاشہ ہمشکل پیمبر
بکسے ہوئے ہیں دھوپ میں زخم تن انور
واحسرت و دردا کہ نہیں لاش پہ چادر
سوتے ہیں لب نہر علمدار دلاور
تنہا جو وہ ساونت ہزاروں سے لڑا ہے
مارا ہوا اک شیر ترائی میں پڑا ہے

فرماتے ہیں گرمی کی بس اب مجھکو نہیں تاب
ہیں تین شب و روز سے جنگل میں ہو بے آب
مرجھائے ہیں سب باغ علی کے گل شاداب
کیونکر وہ جئے جس سے بچھڑ جائیں یہ احباب
صابر ہوں میں ایسا ہی کہ غش آ نہیں جاتا
ان پھولوں کو اس دھوپ میں دیکھا نہیں جاتا

اتنی مجھے مہلت ہو کہ قبریں تو بناؤں
سیدانیوں سے بہر کفن چادریں لاؤں
اس خاک میں ان چاند کے ٹکڑوں کو چھپاؤں
یہ دفن ہوں میں قبر نہ پاؤں تو نہ پاؤں
قطرہ کوئی اس نہر سے پیاسے کو نہ دینا
مٹی بھی محمدؐ کے نواسے کو نہ دینا

کیا ان سے عداوت جو گئے دار فنا سے
کوتاہ ہیں چلنے سے قدم ہاتھ وغا سے
مطلب انھیں دریا سے نہ کچھ سر و ہوا سے
رحم ان کا طریقہ ہے جو ڈرتے ہیں خدا سے
مہماں تھے لڑے بھی تو یہ سب حق پہ لڑے ہیں
آخر یہ بشر ہیں کہ جو بے گور پڑے ہیں

مرتا ہے مسافر کبھی بستی میں کوئی گر
قرآں کوئی پڑھتا ہے کہ بے کس تھا یہ بے پر
غم کرتے ہیں سب فاتحہ خوانی میں سوم کو
اس میں کئی بچّے تھے کہ نکلے تھے نہ گھر سے
اُفتادہ ہیں اس دھوپ میں یہ تین پہر سے
نرغہ ہے کہ تلواروں میں دم لے نہیں سکتا
یہ سُن کے پکارا پسرِ سعدِ بد افعال
اکبر ہوں کہ ہوں قاسم و عباسِ خوش اقبال
سینوں پہ گلِ زخم ابھی اور کھلیں گے
حضرت نے کہا دور ہو او ظالمِ مردود
یہ وہ ہیں کہ زہرا و نبی جن سے ہیں خوشنود
قبروں میں بھی جنت کے چمن ان کو ملیں گے
میں دیر سے آمادہ ہوں تلوار کو تولے
ماروں انھیں پھوٹیں کہیں کچھ دل کے پھپولے
آرام سفر کر گیا راحت نہیں باقی
یہ فوج ہے کیا آگ کا دریا ہو تو چھپالیں
اُلٹیں صفتِ کاہ اگر کوہ کو ریلیں
چاہیں تو زمیں کے ابھی ساتوں طبق اُلٹیں
کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں گنبدِ گرداں
ہم آج ہیں عالم میں قضا فہم و قدرداں
کس امر میں تقلیدِ محمد نہیں کرتے

سب لوگ اُسے غسل و کفن دیتے ہیں مل کر
لے آتا ہے تربت پہ کوئی پھولوں کی چادر
سید ہیں یہ اور شرم نہیں آتی ہے تم کو
نازک ہیں صباحت میں زیادہ گلِ تر سے
پوچھے کوئی یہ درد و الم میرے جگر سے
زندہ ہوں میں اور اُن کو کفن دے نہیں سکتا
کیسا کفن اور کیسی لحد فاطمہ کے لال
ہم گھوڑوں کی ٹاپوں سے کریں گے اُنھیں پامال
سجّاد کو ٹکڑے بھی نہ لاشوں کے ملیں گے
اللہ شہیدوں کی حفاظت کو ہے موجود
ہر لاش کو گھیرے ہوئے ہے رحمتِ معبود
فردوس کے حلّوں کے کفن ان کو ملیں گے
کہدے کہ علم فوج صفیں باندھ کے کھولے
سرتن سے اُڑا دوں کوئی اب منہ سے جو بولے
بڑھتا ہوں کہ بس اب کوئی حجت نہیں باقی
کیا ڈر اُنھیں بچپن میں جو تلواروں سے کھیلیں
کوفہ تو ہے کیا شام کو اور روم کو لے لیں
یوں اُلٹیں کہ جس طرح ہوا سے ورق اُلٹیں
نہ ورقے میں اک جزوِ کتابِ شہِ مرداں
حق بین و حق آگاہ و سخن سنج و ہنرداں
فاقوں میں سوال فقرا رد نہیں کرتے

اللہ نے کونین کی شاہی ہمیں دی ہے
مجھ میں بھی وہی دل وہی شوکت وہی جی ہے
سر تن سے کٹے جب تو مہم جنگ کی سر ہے
ہم دولتِ دنیا کبھی گھر میں نہیں رکھتے
رکھتے ہیں قدم خیر میں شر میں نہیں رکھتے
نذرِ رہِ معبود تن و سر ہے ہمارا
شہر اس کی تب و تاب سے ویرانے ہوئے ہیں
منہ وہ ہے کہ تلواروں میں دندانے ہوئے ہیں
کر دیتی ہے شب دشمنِ ایماں کے دلوں کو
برباد اسی تیغ سے سر کٹ کے ہوئے ہیں
عاجز ہی زرہ خود بھی سر پٹکے ہوئے ہیں
باعث یہ نہ ہوتا تو پھر آرام نہ لیتے
مشہورِ جہاں عمروِ علی کی ہے لڑائی
خندق کے اُدھر آتے ہی تلوار جو کھائی
لاشہ کا ادھر ڈھیر سرِ نحس اُدھر تھا
کب میاں سے شمشیرِ دو سر لی نہیں ہم نے
جب تک کہ زمیں خون سے بھر لی نہیں ہم نے
شمشیر و سپر بعدِ ظفر کھولتے ہیں ہم
پیغامِ قضا تیغِ یداللہ کو جانو
بینائی ہے تو کوہِ گراں کاہ کو جانو
انگشت سے حلقے کو مروڑا ہے علی نے

امداد رسولوں کی مرے باپ نے کی ہے
سر بر سے ہیں جب تیغِ علی میاں سے لی ہے
مر جائے یہ عزت یہ بہادر کی ظفر ہے
توقیرِ زر و مال نظر میں نہیں رکھتے
کچھ اور بجز تیغ کمر میں نہیں رکھتے
زیور ہے یہی اور یہی زر ہے ہمارا
جب چمکی ہے یہ دیو بھی دیوانے ہوئے ہیں
لوہا وہ کہ جبریل جسے مانے ہوئے ہیں
چڑھ آتی ہے تپ اس کے شرارے سے جنوں کو
جاں بر جو ہوئے بھاگ کے یا ہٹ کے ہوئے ہیں
اب تک پرِ جبریلِ امیں لٹکے ہوئے ہیں
تھا خاتمہ گر ہاتھ علی تھام نہ لیتے
زور اس کا کہ جو دیو نے قوت نہیں پائی
گویا تھی مہینوں سے تن و سر میں جدائی
خندق کو جو دیکھا تو لہو تا بہ کمر تھا
لڑنے میں کبھی منہ پہ سپر لی نہیں ہم نے
کچھ اپنے سر و تن کی خبر لی نہیں ہم نے
جب صاف ہو میداں تو کمر کھولتے ہیں ہم
ہمنائے علی فاطمہ کے ماہ کو جانو
عاجز نہ کبھی بندۂ اللہ کو جانو
خیبر کا در اک ہاتھ سے توڑا ہے علی نے

اللہ رے زور یدِ پاکیزہ و طاہر
کھاتے تھے سدا نانِ جویں خلق ہے ماہر
اسباب شہنشاہ دو عالم یہی بس تھا
بھاتا تھا شرابِ فقر اس شاہ کو ہونا
ہے یاد ہمیں بوریئے پر راتوں کو سونا
اک ریزۂ زر خانۂ حیدر سے نہ نکلا
پانی بھی ملک کوثر و تسنیم کا لائے
پیوند پہ پیوند جو ملبوس میں پائے
جو کچھ تھا وہ قبل اپنے شہنشاہ نے بھیجا
اللہ ہے عالم کہ وہی حال ہے میرا
یہ گوہر و یاقوت ہے یہ لعل ہے میرا
آرام پس از رنج و محن بھی نہ ملے گا
ہم اپنے جو لشکر کے بہے تم کو دکھائیں
جرّار کبھی تاب ٹھہرنے کی نہ لائیں
منظور ملائک کی جو امداد کروں میں
میں نے تو بھرے گھر کو تمھارے لیے چھوڑا
اُس قبر منوّر کو تمھارے لیے چھوڑا
نہ ماں کے نہ پہلو میں بڑے بھائی کے جا ہو
سچ ہے سخن حق میں عجب ہوتی ہے تاثیر
مولا نے سنبھل کر جو رکھی دوش پہ شمشیر
اک حشر بپا ہوگا جو یہ شیر لڑے گا

آثار اذا زلزلت الارض تھے ظاہر
کچھ زر نہ سماتا تھا نظر میں نہ جواہر
قرآں تھا یہ تلوار تھی بس ایک فرس تھا
بھولا نہیں راتوں کو مناجات میں رونا
بستر تھا نہ ہی ان کا وہی شب کا بچھونا
دنیا سے اُٹھے جب تو کفن گھر سے نہ نکلا
جبریل امیں عرش سے روتے ہوئے آئے
سر پیٹ گئے ہم بھائیوں نے اشک بہائے
کافور نبی نے کفن اللہ نے بھیجا
ریتی پہ پڑا ہے جو زر و مال ہے میرا
اس دشت میں جو مال ہے پامال ہے میرا
مجھ کو تو کسی روز کفن بھی نہ ملے گا
تم کیا ہو نبی جان کی جانیں ابھی جائیں
مر جائیں ہزاروں تو ہزاروں کو غش آئیں
اک اپنے لیے لاکھوں کو برباد کروں میں
دریا پہ پیمبر کو تمھارے لیے چھوڑا
بیمار ہی میں دختر کو تمھارے لیے چھوڑا
قسمت میں یہ تھا سب سے مری قبر جدا ہو
تھرّائے جگر رونے لگے فوج کے بے پیر
ہنس کر یہ پسر سے پکارا کہ چلیں تیر
سر خاک پہ لوٹیں گے بڑا کھیت پڑے گا

نقارۂ رزمی پہ پڑی چوب یکایک
تلواریں کھنچیں نہر میں سر ڈوب یکایک
رحم آیا نہ اعدا کو ولی ابنِ ولی پر
غل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
کالے وہ علم شام کے لشکر کی نشانی
اک تیر سے مرجانے میں عرصہ نہیں کھنچتا
تلوار ادھر سیدِ ابرار نے کھینچی
تصویرِ اجل برقِ شرربار نے کھینچی
گھبرا گئی صدمہ یہ ہوا گاوِ زمیں پر
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
چونک اُٹھے وہ سوتے تھے جو جاگے ہوئے شب کے
سیّار قدم گاڑے تھے ہر چند زمیں پر
نعرہ کیا بڑھ کر شہِ دیں نے کہ خبردار
صیحہ کیا جبریل امیں نے کہ خبردار
گیتی نہیں پھر گر یہ زد و کشت رہے گی
جنگل میں پہاڑوں کے جگر خوف سے کانپے
گھڑیال تھے پانی میں مگر خوف سے کانپے
گو قوتِ پروازِ خدا داد تھی اُن کو
چلاتے تھے ہر صف میں لعینانِ جفا کیش
فرزندِ علی ہی یہ جگر خستہ و دل ریش
کوشش کی گھڑی جان لڑا دینے کا دن ہے

لے آواز تیز

تھرانے لگا دشتِ پر آشوب یکایک
لشکر سے بڑھے فوج کے سرکوب یکایک
نرغہ ہوا مظلوم حسین ابنِ علی پر
زہرے جسے سُن سُن کے ہوئے جاتے تھے پانی
وہ تیرِ جگر دوز کمانیں وہ کیانی
رستم سے بھی جن کا کبھی چلّہ نہیں کھنچتا
یا تیغِ دو سر حیدرِ کرّار نے کھینچی
گردن طرفِ غار ہر اک مار نے کھینچی
سر کھو دیئے جھک جھک کے پہاڑوں نے زمیں پر
شیروں نے ترائی سے کنارا کیا دب کے
دل ہل گئے رنگ اُڑ گئے کفارِ عرب کے
گر گر گئے کھل کھل کے کمربند زمیں پر
لشکر سے کہا شمرِ لعیں نے کہ خبردار
ماہی سے کہا گاوِ زمیں نے کہ خبردار
شاخیں ہری ہونگی نہ ثریٰ پشت رہے گی
گرنے لگے پتے یہ شجر خوف سے کانپے
تھے دور اولی اجنحہ پر خوف سے کانپے
روداد پر روح امیں یاد تھی اُن کو
ہاں غازیو اس وقت بڑی جنگ ہے درپیش
سر کرتے ہیں سہرے کے مہم کو ظفر اندیش
صفّین کے کشتوں کے عوض لینے کا دن ہے

مولائے اُمم لشکرِ پُر کید پر آئے — انبوہِ عناد و حسد و سیہ پر آئے
گہ عمر پہ آئے تو کبھی زید پر آئے — یوں آئے کہ جس طرح اسد صید پر آئے
ہل چل تھی کہ طوفاں میں جہاز آتا ہے جیسے — تیغ آتی تھی کنجشک پہ باز آتا ہے جیسے

سر گرنے لگے جسم سے چلنے لگی تلوار — چار آئینے میں جا کے نکلنے لگی تلوار
افعی کی طرح زہر اُگلنے لگی تلوار — پی پی کے لہو رنگ بدلنے لگی تلوار
پانی نے اثر زہرِ ہلاہل کا دکھایا — ہر ضرب میں جلوہ حق و باطل کا دکھایا

ہر غول میں غل تھا یہ لڑائی بھی نئی ہے — انبار سر و تن میں صفائی بھی نئی ہے
سر تن سے اُترتے ہیں چڑھائی بھی نئی ہے — یہ گھاٹ نیا ہے یہ ترائی بھی نئی ہے
چھپنے کی جگہ دامنِ صحرا میں نہیں ہے — یہ باڑھ غضب کی کسی دریا میں نہیں ہے

تلواریں جو عاری ہیں تو بے آب سنانیں — بیکار کمیں میں ہیں کمینوں کی کمانیں
اک منہ میں اُسے حق نے جو دو دی ہیں زبانیں — اس رمز کو جو سیف زباں ہیں وہی جانیں
مطلب تھا کہ اب دین کو کامل یہ کرے گی — دو شرک کو اور کفر کو باطل یہ کرے گی

بربادی ہوئی کفر کے لشکر کی اسی سے — گردن نہ بچی عمر سے خود سر کی اسی سے
کچھ چل نہ سکی مرحب و عنتر کی اسی سے — چولیں ہوئیں ڈھیلی درِ خیبر کی اسی سے
میدان ہر اک معرکہ میں ہاتھ ہے اس کے — قبضے کی طرح فتح و ظفر ساتھ ہے اس کے

جو سایۂ شمشیرِ ظفر یاب میں آیا — ماہی کی طرح موت کے قلاب میں آیا
فی الفور خلل نبض کے اسباب میں آیا — جو آگیا کاوے میں وہ گرداب میں آیا
کچھ مطلبِ دل ہاتھ بھی مارے سے نہ نکلا — دریا بھی دمِ تیغ کے دھارے سے نہ نکلا

جب مثلِ سموم آکے نکل جاتی تھی سن سے — پتوں کی طرح خاک پہ سر گرتے تھے تن سے
جو شیر تھے میداں کے ہرن ہو گئے رن سے — وحشی بھی چلے جاتے تھے بھاگے ہوئے بن سے
افعی نہ فقط ڈر کے دراڑوں میں چھپے تھے — دب دب کے درندے بھی پہاڑوں میں چھپے تھے

اللہ ری مولا کی ہزاروں سے لڑائی
پرخاش پیادوں سے سواروں سے لڑائی
انبوہ میں سرگرم زد و کشت کہیں تھے

مقتل میں کوئی خاک پہ دم توڑ رہا تھا
ہٹ ہٹ کے کوئی دستِ ادب جوڑ رہا تھا
تلوار کے سائے سے ڈرے جاتے تھے اعدا

لاشیں تھیں وہیں اک لاش پہ سر گرتے تھے سر پر
چار آئینے شانوں پہ کٹے تیر بتر پر
بے چلّے کماں گرزِ گراں مشت کے نیچے

سیدھے جو نشاں تھے اُنھیں کیا تیغ نے اُلٹا
لشکر کا ورق وقتِ وغا تیغ نے اُلٹا
جو صاحبِ فتر تھا وہ مقتل سے ہٹا تھا

چلاتے تھے گر گر کے یہ جن بیرِ علم کے
جل جاتے ہیں سایہ سے اسی برقِ دودم کے
ہیں سیفِ خدا عرش سے تیغ اُتری ہے اُن کو

غالب کوئی ان پر کسی صورت نہیں رہتا
بے سر ہے جو پابندِ اطاعت نہیں رہتا
حملوں سے یہ ہونٹوں پہ اگر جان نہ لائے

شمشیر اسدِ قلعہ شکن گونج رہا تھا
نعرہ سے ادھر چرخِ کہن گونج رہا تھا
غل تھا کہ لہو خوف سے گھٹ جانے کا دن ہے

فوجوں سے وغا ظلم شعاروں سے لڑائی
لشکر کی حدیں چار رہیں چاروں سے لڑائی
جو صف سے بڑھا تیغ بکف آپ ہیں تھے

باغی کوئی ہستی کا چمن چھوڑ رہا تھا
گھوڑے کی ادھر باگ کوئی موڑ رہا تھا
بھاگڑ تھی کہ پس پس کے مرے جاتے تھے اعدا

پاؤں پہ کبھی ہاتھ تو سینے تھے کمر پر
خنجر تھے انھیں کے جو بھرے اُن کے جگر پر
تیغیں تہِ گردن سپریں پشت کے نیچے

اس صف کو بچھا کر وہ پھرا تیغ نے اُلٹا
گردن بھی الگ تھی جو گلا تیغ نے اُلٹا
جس فرد کے چہرے پہ نظر کی وہ جدا تھا

جانوں کو بچاؤ کہیں پھر تیغ نہ چمکے
رن پڑتا ہے لڑتے ہیں یہ جس کھیت میں جم کے
جائیں وہی ان شیروں سے ہو سامنا جن کو

قایم قدمِ صاحبِ جرات نہیں رہتا
کلمہ نہ پڑھے جو وہ سلامت نہیں رہتا
کافر تھے وہ جن جو وہاں ایمان نہ لائے

جنبش تھی پہاڑوں کو یہ رن گونج رہا تھا
نعروں سے ادھر ظلم کا بن گونج رہا تھا
بھاگو یہی گیتی کے اُلٹ جانے کا دن ہے

کیا تیغ کی تعریف کرے کوئی زباں سے — جن مانگیں اماں جان کی جس آفتِ جاں سے
واں قطعِ سخن خوب جو باہر ہو بیاں سے — دھوئی ہوئی گوہر میں یہ آب لائے کہاں سے
یوں تیغ کبھی عرش سے اُتری ہو کسی کو — ہدیہ وہ خدا نے جسے بھیجا تھا علی کو
سر کاٹ لیا فرق پہ جس حال میں پہونچی — چہرے پہ جو گھوڑے کے پڑی یال میں پہونچی
مچھلی تھی کہ جوشن کے کبھی جال میں پہونچی — بچنے کو اُڑانے کے لیئے ڈھال میں پہونچی
سمجھا یہ ہر اک برق گری دشمنِ دیں پر — پنجہ تو سپر میں تھا کلائی تھی زمیں پر
اعضائے سوارانِ تن و مند جدا تھے — نیزے تھے تو کیا جسم کے سب بند جدا تھے
باپ اُن سے جدا باپ سے فرزند جدا تھے — کیا وصل ہی پیوند سے پیوند جدا تھے
تنہا نہ سرِ اہلِ ستم کاٹ دیئے تھے — تلوار نے رشتے بھی باہم کاٹ دیئے تھے
ہاتھ اُٹھتا تھا جب تا بہ فلک جاتی تھی بجلی — گرتی تھی سروں پر تو کڑک جاتی تھی بجلی
جب بڑھتی تھی تلوار سرک جاتی تھی بجلی — اس پار سے اس پار چمک جاتی تھی بجلی
گرجے ہیں پہ اس طرح مسلسل نہیں گرجے — نعرے ہیں کہ ایسے کبھی بادل نہیں گرجے
شمشیرِ عدو کش کی ہوا کے وہ تھپیڑے — ڈوبے ہوئے تھے خون میں اُس فوج کے بیڑے
گھوڑے کو بڑھانے کے لیئے کیا کوئی چھیڑے — بوچھار سروں کی وہ لہو کے وہ ڈریڑے
ساون نہیں برسا ہی کہ بھادوں نہیں برسا — مینہ برسا ہی ہر سال مگر یوں نہیں برسا
ڈھالوں کی گھٹا کا وہ اُدھر جھوم کے آنا — تلوار کی بجلی کا چمکتے ہوئے جانا
جنگل کی سیاہی تھی کہ تیرہ تھا زمانا — دریا کا کنارا تھا کہ جیحوں کا مہانا
یوں سیل کبھی جانبِ صحرا نہیں آتی — ایسی کبھی برسات میں بہیا نہیں آتی
سب تھے سپر انداختہ تلوار کے آگے — دو چار کے پیچھے تھے تو دو چار کے آگے
یوں موت تھی اُس صاعقہ کردار کے آگے — جس طرح پیادہ چلے اسوار کے آگے
غل تھا وہ ہٹیں کھیت سے جو آگے بڑھے ہیں — سر نذر کرو آپ لڑائی پہ چڑھے ہیں

تلواریں ہزاروں ہیں پہ نایاب یہی ہے
بجلی جسے کہتے ہیں وہ بیتاب یہی ہے
اس نال کو اس پھل کو اس ساتھ کو دیکھو
ایسا ہی لڑائی کا چلن ہاتھ میں کس کے
دیکھا ہے یہ بے ساختہ پن ہاتھ میں کس کے
تلوار تو کیا انگلیاں دو تیغِ دو سر ہیں
بجھ بجھ گئے بجلی سی چمک کر جدھر آئی
کٹ کٹ گئے سینے سے سرک کر جدھر آئی
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی پری تھی
سہمے ہوئے تھے مار سیہ کنڈلیاں مارے
غل تھا کہ جلادیں گے جہاں کو یہ شرارے
تلوار کے پانی سے یہ آتش زدگی ہے
ڈوبا تھا کوئی اور کوئی خون میں تر تھا
ڈھالیں تھیں نہ ساعد تھے نہ بازو تھے نہ سر تھا
یوں باغ کی رونق کبھی جاتے نہیں دیکھی
جو برچھیاں بے پھل تھیں خجالت سے گڑی تھیں
تھیں کند سنانیں بھی جو نیزے میں گڑی تھیں
ہیتی پہ کٹی ڈھالوں کا پشتارہ ہوا تھا
ٹکڑے تھے کمانیں قدر انداز کریں کیا
بے تیر ہیں ترکش کا دہن باز کریں کیا
چلّے بھی تو گوشوں کی طرح ساتھ نہیں ہیں

بازوِ درِ نصرت کا یہی باب یہی ہے
ہے باڑھ پہ دریا ہمہ تن آب یہی ہے
تلوار کو کیا دیکھتے ہو ہاتھ کو دیکھو
ہے زور شہ قلعہ شکن ہاتھ میں کس کے
یہ کاٹ یہ گردش ہے یہ کن ہاتھ میں کس کے
ہاتھوں کی لکیریں نہیں تعویذ ظفر ہیں
جل جل گئے شعلہ ہی لپک کر جدھر آئی
مر مر گئے مقتل میں لچک کر جدھر آئی
جوہر نہ کہو موتیوں سے مانگ بھری تھی
ہرنوں میں تھے جو شیر تو چیتوں میں بچارے
دنیا کی تباہی کے یہ انداز ہیں سارے
مسکن سے چلو آگ بیاباں میں لگی ہے
ہر نخلِ قد اس معرکہ میں زیر و زبر تھا
پتی تھی نہ شاخیں نہ شجر تھا نہ ثمر تھا
ایسی بھی خزاں آج تک آتے نہیں دیکھی
عاری تھیں وہ تلواروں سے تیغیں جو لڑی تھیں
جوشن پہ بھی ایسی کبھی کڑیاں نہ پڑی تھیں
ہر پارۂ چار آئنہ صد پارہ ہوا تھا
آفت کا نشانہ ہیں فسوں ساز کریں کیا
اڑ جائیں پر تیر تو پرواز کریں کیا
جس پاس کماں رہ گئی ہے ہاتھ نہیں ہیں

رحم ایک جگہ ہی تو عتاب ایک جگہ ہی
اک جا ہی ظفر فتح کا باب ایک جگہ ہی
برق ایک جگہ ہی تو سحاب ایک جگہ ہی
حیرت کی ہی جا آتش و آب ایک جگہ ہی
وہ نار جسے خوں کی روانی نہ بجھائے
یہ آگ وہی ہی جسے پانی نہ بجھائے

جس فرق پہ یہ صاعقۂ کردار گری ہی
سر تن سے گرا ہاتھ سے تلوار گری ہی
اک بار کہیں برقِ شرربار گری ہی
سو بار یہ اُٹھی ہی تو سو بار گری ہی
ٹالے یہ بلا سر سے جو کوئی تو قدم لیں
اتنی بھی تو مہلت نہیں ملتی ہی کہ دم لیں

مولا سا کوئی سائفِ سیاف نہیں ہی
صف کونسی ایسی ہی کہ جو صاف نہیں ہی
دنیا میں عدالت نہیں انصاف نہیں ہی
ایسا تو کوئی قاف سے تا قاف نہیں ہی
دکھلا گئے جوہر تھے جو خالق کے ولی کے
نہ قبل لڑا یوں نہ کوئی بعد علی کے

اللہ ری لڑائی میں سبک تازیِ شبدیز
شہبازہ بھی ہی قائل جانبازیِ شبدیز
وہ سینہ وہ گردن وہ سرافرازیِ شبدیز
وہ آنکھ وہ چہرہ وہ خوش اندازیِ شبدیز
جس طرح فرو رہتی ہی مایوس کی گردن
گردن سے یوہیں جھکتی ہی طاؤس کی گردن

اہو جو کہوں اُس کو تو آہو ہی چکارا
ساتھ اُس کے ہما کو نہیں پرواز کا یارا
وہ نعل وہ ہر کیل وہ سم معرکہ آرا
پتلی وہ پری سمجھے جسے آنکھ کا تارا
دیکھی ہی سموں میں کسی گھوڑے کے یہ ضو بھی
اک جا ہیں ستارے بھی قمر بھی مہِ نو بھی

اللہ ری جانداریِ شبدیز وغا میں
تلوار کے چلنے سے بھی تھا تیز وغا میں
دل کا تھا اشارا اُسے مہمیز وغا میں
ہر نعل تھا شمشیرِ شرر ریز وغا میں
ہاتھ اُس کے جدھر آئے اجل پا گئی اُس کو
اک ٹاپ پڑی جس پہ زمیں کھا گئی اُس کو

تلوار کے مانند نہ بھرتا تھا دم اُس کا
گردن وہ مہِ نو سی وہ منکے کا خم اُس کا
دریا سے روانی میں فزوں تر قدم اُس کا
کس طرح لکھے صفتِ کمیتِ قلم اُس کا
دوڑاؤں کہاں تک فرسِ ذہنِ رسا کو
کہدو کسی شاعر نے جو باندھا ہو ہوا کو

غل تھا کہ چھلاوے میں یہ چھل بل نہیں دیکھی
باریک یہ جلد اور یہ ہیکل نہیں دیکھی
نازک ہے کہ مہمیز کی طاقت نہیں رکھتا
جو رگ ہے عوض خوں کے وہ سرعت سے بھری ہے
شعلے کی طرح طبع شرارت سے بھری ہے
اُڑ جاتا تھا برچھوں میں محل جست کا پاکر
جس جا یہ پھرے برق کی واں جلوہ گری کیا
یہاں اوجِ سعادت کا ہما کیا ہے پری کیا
راکب جو ذرا چھیڑ دے اُس برق شیم کو
اُس صف کو اُلٹ کر ادھر آیا ادھر آیا
جوں تیر جھپٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
تھمتا ہے چھلاوا بھی مگر یہ نہیں تھمتا
پامال نہ ہوں پھول جو گلزار پہ دوڑے
اس طرح رگِ ابرِ گہر بار پہ دوڑے
اغراق ہے یہاں کچھ نہ تعلّی شعرا کی
اک ظالمِ شامی سپہِ شوم سے نکلا
لڑنے کے لیے خاصۂ قیوم سے نکلا
دو بھائی بھی اس کے شہ والا سے لڑے تھے
غصّے سے غضب سرخ تھیں خونخوار کی آنکھیں
دیکھی جو نہ تھیں جیدرِ کرّار کی آنکھیں
سر کاٹے سروار کا سودا تھا یہ سر میں

پھرتی ہوئی یوں آج تلک کل نہیں دیکھی
ایسی تو کبھی خواب میں مخمل نہیں دیکھی
ابریشمِ چینی یہ ملاحت نہیں رکھتا
جلدی جو ہے سب جابجا بھی جودت سے بھری ہے
اُبلی ہوئی ہر آنکھ شجاعت سے بھری ہے
تلواروں کے پنجے سے نکل جاتا تھا آکر
چلنے میں ہوا کیا ہے نسیمِ سحری کیا
طاؤس ہے کیا نسر ہے کیا کبکِ دری کیا
سائے کو نہ وہ پائے نہ یہ گردِ قدم کو
فوجوں کو پلٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
بجلی سا سمٹ کر ادھر آیا اُدھر آیا
طائر بھی ٹھہر جاتا ہے پر یہ نہیں تھمتا
سم تر نہ ہوں گر قلزمِ زخار پہ دوڑے
جس طرح کہ نغمہ کی صدا تار پہ دوڑے
کافی ہے یہ تعریف کہ قدرت ہے خدا کی
غدّار بڑے ٹھاٹھ بڑی دھوم سے نکلا
کشتوں کا عوض لینے کو معصوم سے نکلا
سر اُن کے کہیں جسم کہیں رن میں پڑے تھے
بجلی سے جھپکتی تھیں نہ غدّار کی آنکھیں
مستِ مئے نخوت تھیں جفاکار کی آنکھیں
غرّہ کہ تہمتن نہ سماتا تھا نظر میں

سر طبلکِ معکوس جبیں حد سے فزوں تنگ ۔ غدّار و سلحشور و جفا پیشہ و سرہنگ
کہنے کو بشر پر قد و قامت کا نیا ڈھنگ ۔ حیراں شبِ ظلمات ہو یہ تیرگیِ رنگ
پہلے سے یہ کالا تھا منہ اُس دشمنِ رب کا ۔ بن جائے تو اعکس سے آئینہ حلب کا

لال آنکھیں وہ ظالم کی وہ منہ قیر سے کالا ۔ شب ایک طرف دن کو ڈرے دیکھنے والا
قد دیو کے قامت سے بلندی میں دوبالا ۔ دانتوں کی کبودی دہنِ مار کا پھالا
شیر اُس کی صدا سُن کے لرز جاتے تھے بن میں ۔ فاسد تھی ہوا رن کی یہ بدبو تھی بدن میں

وہ ڈھال کہ جو سینۂ رستم کو چھپا لے ۔ تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو کھالے
نیزہ وہ کہ مرحب کو جو مرکب سے اُٹھا لے ۔ گرز ایسا کہ عنتر جسے مشکل سے سنبھالے
کج طبع کا سر جائے پہ کینے کو نہ چھوڑے ۔ خنجر وہ کہ سالم کبھی سینے کو نہ چھوڑے

مولا نے کہا اپنے ارادے کی خبر دے ۔ آنکھوں سے اُٹھا نشّۂ پندار کے پردے
بو جاتے ہیں اس تخم کو دانا جو ثمر دے ۔ غرّہ یہ ترا تجھ کو کہیں پست نہ کردے
دنیا میں نہیں کچھ عملِ نیک سے بہتر ۔ پیدا کیا اللہ نے ایک ایک سے بہتر

لڑنا ہے تو بڑھ عصر کا ہنگام قریں ہے ۔ اب سجدۂ معبود کی مشتاق جبیں ہے
لشکر ہے ترے ساتھ ادھر کوئی نہیں ہے ۔ عباس سا غازی ہے نہ اکبر سا حسیں ہے
فاقہ ہے جدا پیاس جدا ضعف جدا ہے ۔ اب ہیں ہمیں یہ تلوار ہے اور سر پہ خدا ہے

یہ سُنتے ہی سفاک نے بھالے کو سنبھالا ۔ تلوار کو چمکا کے بڑھے سیّدِ والا
آ پہونچا تھا سینے کے قریں ظلم کا بھالا ۔ فرزندِ ید اللہ نے عجب ہاتھ نکالا
کیا جانیے بجلی تھی کہ تیغِ دوزباں تھی ۔ نہ ہاتھ میں بھالا تھا نہ بھالے میں سناں تھی

حضرت نے کہا حول سے دم اُس کا جو پھولا ۔ کافی تھا ترے قتل کو اک تیغ کا ہولا
سُنتے تھے کہ نیزے میں تجھے ہے ید طولا ۔ جو بند کہ تھے یاد اُنھیں خوف سے بھولا
نہ ہاتھ میں طاقت تھی نہ نیزے میں تگاں تھی ۔ نیزہ تھا کہ تنکا تھا قلم تھا کہ سناں تھی

جھنجلا کے کہا اس نے کہ یا شاہِ سرافراز — سرہنگ مجھسا ہے نہ سرکش نہ سرانداز
طاقت پہ مجھے فخر تھا نیزے پہ مجھے ناز — کیا جانئے یہ سحر تھا یا آپ کا اعجاز
چمکی تھی کہاں تیغ کدھر چل کے پھری تھی — مجھ پر کبھی اس طرح کی بجلی نہ گری تھی

حضرت نے کہا سحر نہ جان اس کو ستمگر — اعجاز دکھائیں تو نہ ہو تو۔ نہ یہ لشکر
ہیں سیفِ خدا کوئی ہمارا نہیں ہمسر — ان ہاتھوں میں شمشیر دو دستی کے ہیں جوہر
ہر وقت یہاں وردِ زباں نادِ علی ہے — بجلی نہیں یہ ضرب ہے ایجادِ علی ہے

ظالم نے اُدھر گرزِ گراں سر کو اُٹھایا — ثابت یہ ہوا دیو نے لنگر کو اُٹھایا
نہ ہاتھ میں لی ڈھال نہ جمدھر کو اُٹھایا — مولا نے فقط تیغِ دو پیکر کو اُٹھایا
اُڑتے ہوئے دیکھا جو ہوا میں شرروں کو — سمٹا لیا تھرا کے فرشتوں نے پروں کو

شبیر قریب آ گئے گھوڑے کو ڈپٹ کے — شبدیز اُدھر سے اِدھر آتا تھا پلٹ کے
ہر چند بچاتا رہا ضربت کو وہ ہٹ کے — پرکالۂ گرز اُڑنے لگے تیغ سے کٹ کے
باقی تھا جو کچھ گرز وہ دو ہو گیا آخر — فتنہ جو اُٹھا تھا وہ فرو ہو گیا آخر

مطلع

اے سیفِ یداللہ صفائی مجھے دکھلا — خیبر میں جو گزری وہ لڑائی مجھے دکھلا
دریائے شجاعت کی ترائی مجھے دکھلا — اے دستِ خدا عقدہ کشائی مجھے دکھلا
ہاں فتح کا اور تیرا سدا ساتھ رہا ہے — ہر جنگ میں میدان ترے ہاتھ رہا ہے

یا شیرِ خدا سیفِ دو دم دیجئے مجھ کو — یا شاہِ نجف طبل و علم دیجئے مجھ کو
سر بر نہ ہو لشکر وہ حشم دیجئے مجھ کو — میداں جو نہ چھوٹے وہ قلم دیجئے مجھ کو
نیزے سپہِ شام کے ہٹتے نظر آئیں — سب فوج کے چہرے ابھی کٹتے نظر آئیں

کوثر کا بھرا جام پلا دیجئے مولا — بالائے ولا اور ولا دیجئے مولا
پھر غنچۂ خاطر کو کھلا دیجئے مولا — شمشیرِ فصاحت کو جلا دیجئے مولا
ہیں وہ نہیں یا خلق میں انصاف نہیں ہے — مدت سے جو چپ ہوں تو زباں صاف نہیں ہے

گو پیر ہوں پر زورِ جوانی ہے ابھی تک
دنداں نہیں پر تیز زبانی ہے ابھی تک
جوہر ہیں وہی باڑھ وہی گھاٹ وہی ہے
اس گھر کے وغا کرنے کا سب ڈھنگ دکھا دے
تلوار کی بجلی کو تہِ تنگ دکھا دے
ٹھہرے نہ کہیں زین سے جو مرکوب کے نکلے

لو غور سے چلتی ہوئی صمصام کو دیکھو
تیغ و سپرِ شاہِ خوش انجام کو دیکھو
قرباں رخِ تابانِ شہِ جن و بشر کے
منہ سرخ ہے سب خاطرِ اقدس ہے جو برہم
ابرو میں ہے چلتی ہوئی تلوار کا عالم
لو دیکھ لو اس صاحبِ شمشیر کی آنکھیں

دبتا ہے سپر کٹتا ہے سمٹتا ہے وہ ظالم
بڑھ آتے ہیں جب آپ تو ہٹتا ہے وہ ظالم
شمشیر کلیجے پہ چھری پھیرے ہوئے ہے
غل تھا کبھی دیکھی نہیں یہ دو بدل ایسی
اب ہوگی زمانے میں نہ جنگ و جدل ایسی
بل جسم میں کس ہاتھ میں تلوار میں جس ہے

جب چلتی ہے سن سے سر اڑتے ہیں جہاں ہیں
کاٹے ہوئے تیروں کے پر اڑتے ہیں ہوا میں
کچھ شبہ و تشکیک غلط اس پہ نہیں ہے

سوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
قبضے میں وہ تیغِ صفہانی ہے ابھی تک
کہنہ تو ہے شمشیر مگر کاٹ وہی ہے
جس طرح علی لڑتے تھے وہ جنگ دکھا دے
راکب کو بھی مرکب کو بھی جو رنگ دکھا دے
دو تین وجب خاک میں پھل ڈوب کے نکلے

بے رونقیِ ظالمِ ناکام کو دیکھو
اعجاز ہے اک جا سحر و شام کو دیکھو
خورشید مبیں بیچ میں ہے شام و سحر کے
رخساروں پہ بل کھائے ہیں گیسوئے پُرخم
پتلی کا یہ ہے رعب کہ تھرائے ہیں ضیغم
غصّے میں نہ دیکھی ہوں اگر شیر کی آنکھیں

گھوڑے کے قریب آ کے پلٹتا ہے وہ ظالم
رد ہوتا ہے جب وار تو کٹتا ہے وہ ظالم
بھاگے تو کدھر جائے اجل گھیرے ہوئے ہے
چلتی نہیں تلوار کبھی بر محل ایسی
ہاتھ ایسا زبردست تو برقِ اجل ایسی
سو سر کا جو دشمن ہو تو اک وار سے بس ہے

ذرّے بھی اِدھر سے اُدھر اڑتے ہیں جہاں ہیں
پرکالۂ قرصِ سپر اڑتے ہیں ہوا میں
اُس ڈھال کے سو ٹکڑے ہیں خط اس پہ نہیں ہے

تلوار چمک کر ادھر آئی جو ادھر سے
چہرے سے جھلم کھل گئی زنجیر کمر سے
دنیا سے اسے رشتۂ تقدیر نے کھویا
مولا کی طبیعت جو ذرا جوش پر آئی
گہ فرق پہ چمکی تو کبھی دوش پر آئی
جانے کی جہاں سے خبر آتی ہے کسی کو
سر پر جو پڑی تیغ جبیں سے اتر آئی
بڑھ کر کمرِ دشمنِ دیں سے اتر آئی
خوں بھی نہ تنِ توسنِ چالاک سے نکلا
تکبیر کا نعرہ جو کیا آپ نے تن کے
ای لختِ جگر بادشہِ قلعہ شکن کے
تو صبر میں ایوبِ خوش انجام ہے شبیر
سن کر یہ صدا آپ نے تلوار کو روکا
بے چین تھا پر اسپِ وفادار کو روکا
فرمایا کہ جینے سے دل اب تنگ ہے گھوڑے
اب سینے کو وقفِ تبر و تیر کریںگے
اب عصر کی نیت میں نہ تاخیر کریںگے
ایذا ہو کہ دکھ سہل ہے سب راہِ خدا میں
عاشق کو نہیں وہ جو ہے معشوق گوارا
مشتاقِ اجل ہے اسد اللہ کا پیارا
طالب ہوں رضا مندیِ ربِّ دوسرا کا

بہی تو زرہ گر گئی خود اڑ گیا سر سے
پہلو سے سپر میں تھی کلائی پہ سپر سے
دستانوں کو بھی ہاتھ سے بے پیر نے کھویا
تلوارِ اجل بن کے زرہ پوش پر آئی
آفت کمر و صدر و تن و توش پر آئی
گرتی ہوئی بجلی نظر آتی ہے کسی کو
کیا ذکرِ جبیں صدرِ لعیں سے اتر آئی
کیا بندِ کمر خانۂ زیں سے اتر آئی
بجلی سا چمکتا ہوا اچھل خاک سے نکلا
صاف آئی صدا بیچ سے یہ چرخِ کہن کے
لڑتے ہیں وہ نہیں فوج سے جو شیر ہیں رن کے
اب سجدے میں جھک عصر کا ہنگام ہے شبیر
تلوار کو کیا برقِ شرربار کو روکا
گردوں کی طرف دیکھ کے رہوار کو روکا
تھم جا کہ بس اب خاتمۂ جنگ ہے گھوڑے
اب طاعتِ معبود کی تدبیر کریںگے
اب سجدۂ باری تہِ شمشیر کریں گے
سر دے کے بس اب جائیں گے درگاہِ خدا میں
سر جلد کٹاؤ یہ ہے خالق کا اشارا
اب خنجرِ بے آب ہے اور حلق ہمارا
صد شکر کہ وقت آگیا وعدے کی وفا کا

یہ کہہ کے رکھی میان میں شبیر نے تلوار
حکمِ شہِ والا سے کھڑا ہو گیا رہوار
بجلی جو تھمی ہونے لگی تیروں کی بوچھار
دو لاکھ کے نرغے میں گھرے سیدِ ابرار
مجروح ہوا صدر بھی زخمی ہوا سر بھی
چلنے لگیں تیغیں بھی سناں بھی تبر بھی

کیوں چرخ یہ حال اُس کا جو ہو خلق کا والی
اک چاند پہ اُمڈی یہ گھٹا ظلم کی کالی
وہ ناوکِ دل دوز وہ جسمِ شہِ عالی
حلقہ کوئی جوشن کا نہیں تیر سے خالی
طاری ہے غشی دل کو سنبھالا نہیں جاتا
اک تیر بھی سینے سے نکالا نہیں جاتا

مظلوم مسافر پہ یہ بیداد صد افسوس
اک جان ہزاروں ستم ایجاد صد افسوس
ٹوٹے ہوئے ہیں پیاسے پہ جلاد صد افسوس
شہ کی کوئی سنتا نہیں فریاد صد افسوس
جز نیزہ و تیغ و تبر آتا نہیں کوئی
فرزندِ محمد کو بچاتا نہیں کوئی

بیجان ہیں رہوار پہ آقائے خوش اوقات
بند آنکھیں ہیں خوں بہتا ہے کی جاتی نہیں بات
سر پیٹتے ہیں اہلِ حرم لٹتے ہیں سادات
حامی نہیں کوئی کوئی پرساں نہیں ہیہات
حالِ شہِ آوارہ وطن دیکھ رہی تھی
تلواروں میں بھائی کو بہن دیکھ رہی تھی

لو خاک پہ گھوڑے سے گرے سبطِ پیمبر
تھرائی زمیں ہلنے لگا عرشِ منوّر
سر پیٹتی مقتل کو چلی زینبِ مضطر
ہاں شمرِ ستمگار بڑھا کھینچ کے خنجر
سر ننگے نجف سے شہِ مرداں نکل آئے
مرقد سے نبی چاک گریباں نکل آئے

چلائے ملائک کہ قیامت ہوئی برپا
گھبرا کے درختوں سے اُڑے طائرِ صحرا
آندھی ہوئی اک غرب کی جانب سے ہویدا
تھرانے لگے کوہ اُبلنے لگے دریا
تیرہ ہوا دن اُڑنے لگی خاک جہاں میں
غل ہائے حسینا کا اُٹھا کون و مکاں میں

اُس حشر میں احمد کی نواسی کا یہ تھا حال
گرتی تھی کبھی اُٹھتی تھی کھولے ہوئے بال
چلاتی تھی سر پیٹ کے اے فاطمہ کے لال
ہے ہے تمھیں تلواروں میں گھیرے ہیں بد افعال
کیا کیا مجھے صدمے یہ جدائی نہیں دیتی
لاش آپ کی زینب کو دکھائی نہیں دیتی

بھیّا اب مجھے رستہ نہیں ملتا کدھر آؤں
کیونکر تمھیں جلّادوں کے پنجے سے چھڑاؤں
بھیّا تمھیں اس بھیڑ میں کس طرح سے پاؤں
سب قتل ہوئے بہرِ مدد کس کو بلاؤں
کیا ہو کہ جو نانا کی سواری نہیں آئی
بھیّا مجھے آواز تمھاری نہیں آتی

میں کس کو پکاروں کہ ترس پیاسے پہ کھاؤ
لی جن سے زمیں مول انھیں لوگوں کو بلاؤ
اے اہلِ زراعت تمھیں امداد کو آؤ
لٹتی ہوئی کھیتی کو محمدؐ کی بچاؤ
کام آؤ غریبوں کے تو احساں ہو تمھارا
یہ بے وطن اس دشت میں مہماں ہو تمھارا

شہ نے جو سُنی زاریِ زینب تہِ خنجر
گھبرا کے صدا دی کہ ادھر آؤ نہ خواہر
کیا قہر ہو تم رن میں چلی آئیں کھلے سر
مشغول ہو اُمت کی دُعا میں یہ برادر
مطلوب رضا مندیِ معبود ہو زینب
تنہا نہیں اللہ تو موجود ہو زینب

کس طرح اُٹھیں سینۂ زخمی پہ ہو جلّاد
نانا مجھے گودی میں لیے کرتے ہیں فریاد
اماں مرے پہلو میں ہیں اے زینبِ ناشاد
روتے ہیں بڑے بھائی بھی یہ دیکھ کے بیداد
گریاں و حزیں خاصۂ قیوم کھڑے ہیں
بابا بھی سرہانے مرے مغموم کھڑے ہیں

یہ سُنتے ہی دوڑی طرفِ لاش وہ مضطر
چلائی کہ ہمشیر بھی آتی ہو برادر
لاشے پہ نہ پہونچی تھی کہ برپا ہوا محشر
دیکھا کہ لیے جاتا ہو قاتل سرِ سرور
تب سُم اسی طرح سے سینے میں گڑے ہیں
اور جلتی زمیں پر شہِ دلگیر پڑے ہیں

ہاں پیٹ کے سر روئیں وہ جو اہلِ عزا ہیں
ہاں احمدِ مختار بھی سرگرمِ بکا ہیں
مقتل میں کھلے سر حرمِ شبیرِ خدا ہیں
خاک اُڑتی ہو جنبان طبقِ ارض و سما ہیں
سر کٹ چکا لختِ دلِ زہرا و علی کا
اب لُٹتا ہو ملبوسِ کہن سبطِ نبی کا

عمامۂ حضرت لیے جاتا ہو کوئی آہ
بھاگا ہو کوئی لے کے عبائے شہِ ذی جاہ
ہاتھوں سے قبا کھینچ رہا ہو کوئی گمراہ
عریاں ہو زمیں پر تنِ فرزندِ ید اللہ
اب لشکرِ کیں لاش کو پامال کرے گا
بعد اس کے ستم لاش پہ حمال کرے گا

خاموش انیس آ گے نہیں طاقتِ تحریر
خالق سے دعا مانگ کہ اے مالکِ تقدیر
محبوب ہوں زوّارِ امامِ دوسرا میں

عالم جسے روتا ہے وہ مظلوم ہے شبیر
دکھلا مجھے آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر
مر جاؤں تو مدفن ہو جوارِ شہدا میں

سلام

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں

بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

قطعہ

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گزارا نہیں

سکندر کی خاطر بھی ہے سدِّ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفےٰ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسین
فرس سے کسی نے اُتارا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حسین
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

مرثیہ (۱۹)

میر صاحب کی اولاد میں منجھلے صاحبزادے میر عسکری اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے اور کئی پشت سے یہی ذریعہ معاش تھا میر صاحب نے یہ مرثیہ اُن کو کہہ دیا رئیس اُن کا تخلص رکھ کر مقطع میں بھی رئیس کا نام ڈال دیا مقصود یہ تھا کہ اس سے اُن کو بھی مرثیہ کہنے کا شوق پیدا ہوگا اور یہی ذریعہ معاش ہو جائے گا لیکن میر عسکری صاحب اس فن سے مناسبت نہ رکھتے تھے آخر کو یہ مرثیہ خود میر صاحب کے نام سے مجلسوں میں پڑھا جانے لگا اور حقیقت میں ایک لفظ بھی میر عسکری کا نہیں ہے۔

مطلع

نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سُن سن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مدّاحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں
بحرِ مواجِ فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں ذرّہ کو انجم کر دوں
گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلم کر دوں
دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح
جدِ اعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح
عَمِّ ذی قدر ثنا خوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

طبع ہر ایک کی موزوں قدِ زیبا موزوں
نثر بے سجع نہیں نظمِ معلیٰ موزوں
تول لے عقل کے میزاں میں جو فہمیدہ ہے

خلق میں مثلِ خلیق اور بھا خوش گو کوئی کب
بلبلِ گلشنِ زہرا و علی عاشقِ رب
ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال
اپنے موقع پہ جسے دیکھیے لاثانی ہے

کیوں نہ ہو بندۂ موروثی مولا ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یا رب
سلکِ گوہر ہو وہ تقریر عطا کر یا رب
جد و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور
غل ہو یہ ہے کششِ موقلمِ طرۂ حور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے

قلزمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی

صورتِ سرو ازل سے ہیں سراپا موزوں
کہیں سکتا نہیں آسکتا کجا ناموزوں
بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

نام لے دھو لے زباں کوثر و تسنیم سے جب
متبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جن کے سب
اس احاطہ سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

جن کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالا مال
معجزہ گر اسے کہیے نہ تو ہے سحرِ حلال
لطف حضرت کا یہ ہے رحمتِ یزدانی ہے

قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرہ ہوں میں
مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں
اپنے رتبہ پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

شوقِ مداحیِ شبیر عطا کر یا رب
نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یا رب
لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
ایک ایک حرف میں ہو صنعتِ صانع کا ظہور
نقش ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفتِ جنگ
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی
لفظ بھی چست ہوں مضموں بھی عالی ہووے
ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لیئے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیئے
داند آنکس کہ فصاحت بہ کلامے دارد

لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگس جادو کے لیئے
زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لیئے
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنواں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو

یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جدا
مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا
دل بھی محظوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

مطلع

ماجرا صبح شہادت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا

رنج و اندوہ مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے نہ صاحب ایسا

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور
مثل خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور
شش جہت میں رخ مولا سے ظہور حق تھا

زمزمہ کرنے لگے یاد الٰہی میں طیور
یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر
دشت سے جھوم کے جب باد صبا آتی تھی

دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یا ہو یا ہو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے

دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کو کو کو
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

مطلع

آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دوجہاں — اُس طرف طبل بجے یہاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں — وہ نمازی کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں — عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواروں میں

عرشِ اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں اُن کی — وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں اُن کی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں اُن کی — حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں اُن کی
ذکرِ خالق میں لب اُن کے جو ہلے جاتے تھے — غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ — کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرار تھے سبحان اللہ — زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا — مگر احمد کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے — عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے
لائقِ مدح و سزاوارِ سرافرازی تھے — گو بہت کم تھے پہ آمادۂ جانبازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ آگئی جاں ہونٹوں پر — صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

زہد میں حضرتِ سلماں کے برابر تھا کوئی — دولتِ فقر و قناعت میں اباذر تھا کوئی
صدقِ گفتار میں عمار کا ہمسر تھا کوئی — حمزۂ عصر کوئی مالکِ اشتر تھا کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمد کے جو شیدا ہوں گے — پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے — سر کٹے پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے — جس طرح تیغِ دودم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو — آبرو ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

وہ تخشع وہ تضرع وہ قیام اور وہ قعود — وہ تذلل وہ دعائیں وہ رکوع اور وہ سجود
یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود — یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِ ودود
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے — مگر احمد کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز
ہم تو سجادوں پہ تھے عرشِ معلّے پہ نماز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے

جب فریضہ کو ادا کر چکے وہ خوش کردار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہ عرش وقار
دشت میں نکہتِ فردوس بریں آنے لگی

لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک
کہتے تھے صلِ علیٰ عرش پہ اُڑ اُڑ کے ملک
کہیئے پستی اُسے جو اوج ہمانے دیکھا

اس طرح جب علمِ دلبرِ زہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے
رفعِ شر کو علمِ خیرِ بشر آیا تھا

وہ علمدار کہ جو شیرِ الٰہی کا خلف
فخرِ حمزہ سے نمودار تھا جعفر کا شرف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم ان کے لیئے

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صولت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی

وہ بہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں
جو بہادر ہیں وہ شمشیرِ خدا کہتے ہیں
عشق سردار و علمدار کا افسانہ ہے

اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
شیر دل منتخبِ دہر وحید و ممتاز
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلّی ایسے

کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
علمِ فوج کو عباس نے کھولا اک بار
عرش تک اُس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

شرم سے ابر میں چھپ جاتا ہے خورشیدِ فلک
دنگ تھے سب وہ سماں سے تھا سماتا بہ سمک
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
سورۂ نصر پئے فتح و ظفر آیا تھا

گوہرِ بحرِ وفا نیّرِ دیں درِ نجف
کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف
یہ علم کے لیئے تھے اور علم ان کے لیئے

اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
تھے علمدار مگر بچوں کی سقائی کی

سب انھیں عاشقِ شاہِ شہدا کہتے ہیں
اُن کو قبلہ تو انھیں قبلہ نما کہتے ہیں
وہ چراغِ رہِ دیں ہے تو یہ پروانہ ہے

اک طرف اکبر مہرو سا جوانِ نایاب
کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب
آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رُخ کی ضیا کو دیکھا
شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

اے خوشا حسنِ رُخِ یوسفِ کنعانِ حسن
راحتِ روحِ حسین ابنِ علی جانِ حسن
جسم میں زورِ علی طبع میں احسانِ حسن
ہمہ تن خلقِ حسن حُسنِ حسن شانِ حسن
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ اسداللہ کے نواسوں کا جلال
چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیمچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال
گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ
وہی ساز اسداللہ کا نقشہ وہی ڈھنگ
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا بھی ہوتا ہے رنگ
ولولہ صف کے الٹنے کا لڑائی کی امنگ
جسم پر تیر چلیں نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

مطلع

یک بیک طبل بجا فوج کے گرجے بادل
کوہ تھرائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل
مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوجِ اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدر کا

شور میدانوں میں تھا کہ دلیرو نکلو
نیزہ بازی کرو رہواروں کو پھیرو نکلو
نہر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیرو نکلو
غازیو صف سے بڑھو غول سے شیرو نکلو
رستمو دادِ وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ کرار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا یا شہِ مرداں مددے
کعبۂ دیں مددے قبلۂ ایماں مددے
قوتِ بازوئے پیغمبرِ ذی شاں مددے
دمِ تائید ہے اے فخرِ سلیماں مددے
تیسرا فاقہ ہے طاقت میں کمی ہے مولا
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں
دل نہ تڑپے جو دمِ نزع نہ پانی پائیں
لاشے مقتل میں ہوں لاشِ شہِ دلگیر کے پاس

مطلع
سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفار آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی
ہنس کے منہ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا

عرض عباس نے کی جوش ہے جراروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس ستمگاروں کو
روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور
ان سے منظور نہ تھی جنگ پر اب ہوں مجبور
ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازی
واہ رے حرب خوشا ضرب زہے جاں بازی
تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے

جس پہ غصے میں گئے صید پہ شہباز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا
ہاتھ منہ کٹ گئے سر اڑ گئے جی چھوٹ گئے

مطلع
بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزمِ نبرد
ہوک اٹھی کبھی سینے میں تو دل میں کبھی درد
کوئی گلرو تو کوئی سرو قد و سہی بالا تھا

سینۂ صاف پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں
تیرے فرزند کی تائید کریں مر جائیں
سر ہو نیزے پہ سرِ حضرتِ شبیر کے پاس

جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ یکبار آئی
تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

تیر سب کھاتے ہیں تولے ہوئے تلواروں کو
مصلحت ہو تو رضا دیجیے غمخواروں کو
ہم جو خاموش ہیں وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں

نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور
خیر لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
اڑ گیا ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی
ایک حملے میں قدم فوج کے اٹھ جاتے تھے

یہ کماں کٹ کے گری وہ قدر انداز گرا
نہ اٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا
مورچے ہو گئے پامال پرے ٹوٹ گئے

سر کو نہیوڑا کے بھرا سبطِ نبی نے دمِ سرد
سرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

زلفوں والا تھا کوئی کوئی مرادوں والا — کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا — کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا
نوجواں کوئی سا خوشرو و خوش انداز نہ تھا — کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں — موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
آب ہو شیر کا زہرہ جسے وہ للکاریں — بجلیاں کوند رہی ہیں کہ یہ نیزہ ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں — بچے آتے ہیں کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقتِ زوال — لاش پر لاش گری بھر گیا میدانِ قتال
مورچے سب تہ و بالا تھے پرے سب پامال — سرخرو خلق سے اُٹھے اسد اللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی فوج میں کم پڑتے ہیں — جو لڑا سب یہی سمجھے کہ علی لڑتے ہیں

قاسم و اکبر و عباس کا اللہ رے جہاد — الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد
غل ہر اک ضرب پہ تھا اب ہوئی دُنیا برباد — دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دُنیا میں نہیں عرش مقام اُن کے ہیں — آج تک عالمِ ایجاد میں نام اُن کے ہیں

مطلع

دو پہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا — پتا پتا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا — ابن زہرا کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور نہ وہ جانباز نہ وہ شیدا تھے — ظہر کے وقت حسین ابنِ علی تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے — سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے مثلِ گلِ تر مرجھائے — مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے
دھوپ پڑتی تھی یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا — نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایا تھا

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال — زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال — کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے وغا کو کبھی رک جاتے تھے — سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھکے چلاتے تھے بیدر و کہ اب آپ آئیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنائیں کھائیں
پسر سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں بے یار و ناصر ہوں میں
لوٹ لو پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ نہ کوئی والی
یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوں جس میں
سُن کے ان بانوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب
قلب تھرا گیا ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب
اشک خالی اُسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
تھم کے چلائے کہ اے زینب و اُمّ کلثوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکرِ شوم
نہیں ملتا جو زمانہ سے گزر جاتا ہے
یہ صدا سن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے
رو کے چلائی سکینہ شہِ والا آؤ
آؤ اچھے مرے بابا میں تمھارے واری
آج کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری
منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ نہ شرماؤ تم

جوہرِ تیغ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
کاٹ لیں آپ کا سر تن سے تو وحدت پائیں
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا
نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں
شہر و صحرا بھی تمھارا ہے مسافر ہوں میں
کلمہ گو ہو یہ تمھارے ہی نبی کا گھر ہے
جن کا رتبہ ہے زمانہ میں ہر ایک پر عالی
ان کو وہ بچہ کہ کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں
گر لکھوں اس کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب
آپ رونے کے لئے خیمے کے در پر آئے
تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم
ہاں جگا دو اُسے غش ہو جو سکینہ معصوم
کہدو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے
شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پردہ دوڑے
بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے
میں تمھیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ
دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
ہاتھ پھیلا کے کہو آ مری بیٹی پیاری
اب میں پانی بھی نہ مانگونگی چلے آؤ تم

دیکھ کر بھرے سے کہنے لگی یہ زینبِ زار
ابنِ زہرا نے ہی مظلومی و غربت کے نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار
شہ نے فرمایا بہن مر گئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے کھو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منہ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب
گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب
بھائی جاتا ہے دکھا دو ہمیں صورت زینب
نہ تو سر کھولو نہ منہ پیٹو نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو

صبر سے خوش ہے خدا اے مری غمخوار بہن
سہل ہو جاتا ہے جو امر ہو دشوار بہن
اپنی ماں کا ہے طریقہ تمھیں درکار بہن
پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن
نازبردار ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو
بندے کانوں سے اُتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

کہیو عابد سے یہ پیغام مرا بعدِ سلام
غش تھے تم پھر گئے دروازے تک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو تم اے گلفام
کاٹو صبر و رضا سے سفرِ کوفہ و شام
ناؤ منجھدار میں ہے شورِ تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے گھر جانے بس اب تم جانو

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام
پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے آئے جو امام
رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
سر جھکے اُن کے جو قابل تھے زباں دانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمد کا نواسا ہوں میں
مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں
تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں

اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر
اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اُس کا فرزند ہوں کہ جس نے مہم بدر کی سر
اُس کا دلبر ہوں میں وہی جس کو نبی نے دختر
صاحبِ تخت ہوئے تیغ ملی تاج ملا
دوشِ احمد پہ انھیں رتبۂ معراج ملا

وہ علی حق نے جسے عرش سے کھینچی شمشیر
وہ علی جو ہوا احمد کا وصی روزِ غدیر
وہ علی سب سے زیادہ ہے عبادت جس کی
بے وطن ہوں نہ مسافر کو ستاؤ لِللہ
اب کوئی ساتھ نہ یاور ہے نہ لشکر نہ سپاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زر پاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر
چوم کر تیغ کے قبضے کو پکارے شبیر
پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے
لو کھنچی تیغِ دو سر فوج پہ آفت آئی
فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی

چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا
آپ بڑھتے جو ہوئے رخش نے بدلے تیور
کھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور
دم بدم گرد نسیمِ سحری پھرتی تھی
ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغِ دو پیکر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اسے ڈستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا

وہ علی جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علی جس کی رسولوں سے سوا ہے توقیر
وہ علی گھر میں خدا کے ہے ولادت جس کی
قتل کیوں کرتے ہو تم کونسا میرا ہے گناہ
تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
یاد رکھو میرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
لو خبردار چمکتی ہے علی کی شمشیر
لو صفیں باندھ کے روکو تو حسین آتا ہے
لو ہلا قائمہ عرش قیامت آئی
فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی

ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا
دونوں آنکھیں ابل آئیں کہ ڈرے بانیِ شر
مثلِ طاؤس اڑا اٹکا وہ ادھر گاہ ادھر
جھوم کر پھرتا تھا گویا کہ پری پھرتی تھی
برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
مینہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
روشنی وہ کہ گردوں سے ٹوٹ کے تارا جیسے
کبھی ایسا نہیں دم خم مہِ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار
موت ہر غول کو برباد کیے جاتی تھی

تیغیں عاری ہوئیں ڈھالوں کے اڑے پرکالے
جو بڑھے ہاتھ ہر دست قلم کروا لے
صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں

جب کبھی جائزۂ فوجِ ستم لیتی ہو ل
دو زبانوں سے سدا کارِ قلم لیتی ہو ل
ہر طرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں

وہ برش اور وہ چمک اور وہ صفائی اس کی
اس کا بازو جو اڑایا تو کلائی اس کی
صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا

کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر
کبھی ترکش پہ کھا منہ کبھی سوفاروں پر
گر کے اس غول سے اٹھی تو اس انبوہ میں تھی

کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا
کبھی پتا کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا
برشِ تیغ کا غل قاف سے "تا قاف رہا

نہ رکی خود پہ وہ اور نہ سر پہ ٹھہری
نہ جبیں پہ نہ گلے پر نہ جگر پر ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی

نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار
غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لیے جاتی تھی

بند سب بھول گئے خوف سے نیزوں والے
تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
چہرے کٹ جاتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
طبلقیں کٹتی ہیں چہرے نظری ہوتے ہیں

کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اس کی
جس کی گردن پہ وہ گزری اجل آئی اس کی
سر پہ چمکی تو کمر سے اسے جاتے دیکھا

پیادوں پہ کبھی آئی کبھی اسواروں پر
کبھی سر کاٹ کے آ پہنچی کمانداروں پر
کبھی دریا میں کبھی بر میں کبھی کوہ میں تھی

کبھی در آئی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ منہ صاف رہا

نہ کسی تیغ پہ دم بھر نہ سپر پر ٹھہری
کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی
یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی
تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

وہ چمک اُس کی سروں کا وہ برسنا ہر سو
گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو
اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا

تنِ تنہا شہِ دیں لاکھ سواروں سے لڑے
بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے
دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علی ابن ابی طالب ہو

تیسرے فاقہ میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال
پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لال
دھوپ وہ دھوپ کہ سنکے ہوئے تھے تازہ نہال
لو وہ لو جس کی حرارت سے پگھلتے ہیں جبال
سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

تیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی
ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغ حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی
فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کبھی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دوبارہ دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں
رخش وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں
ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار جگر کیا کسی بے پیر کا ہے
زور وہ جس میں اثر فاطمہ کے شیر کا ہے

جنگ میں پیاس کا صدمہ شہِ دیں سے پوچھو
تنِ تنہا کی وغا لشکرِ کیں سے پوچھو
زلزلہ دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو
ضربتِ شمشیرِ دو سر روحِ امیں سے پوچھو
باپ اُس فوج میں تنہا پسر اس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

اسداللہ کے صدقے شہ والا کے نثار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار
کیوں نہ ہوں احمدِ مرسل کے نواسے تھے حسین
ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا
الاماں خوب مزا جنگ کی پائی مولا
ہاتھ ہم باندھتے ہیں پھینک کے شمشیروں کو
آئی ہاتف کی یہ آواز کہ ای عرش مقام
ای محمد کے جگر بند امام ابنِ امام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
آج ہی آٹھ بہشتوں کی نئی تیاری
تب سے حوریں ہیں مکلل بجواہر ساری
پیشوائی کو رسول الثقلین آتے ہیں
تھم گئے سن کے یہ آواز شہِ جن و بشر
عید ہو جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر
ہی وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغ دودم
رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم
نیزے یوں گرد تھے جیسے گلِ تر خاروں میں
پہلے تیروں سے کمانداروں نے چھاتی چھانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی
جسم سب چور تھا پرزے تھے زرہ جامہ کے

وہی حملے تھے وہی زور وہی تھی تلوار
مونہہ پھرے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسین
ہم نے دیکھی تیرے ہاتھوں کی صفائی مولا
آپ کرتے ہیں ول سے بھی بھلائی مولا
بخشئے امتِ نا اہل کی تقصیروں کو
یہ وغا تیسرے فاقہ میں بشر کا نہیں کام
لوحِ محفوظ پہ مرقوم ہی صابر تیرا نام
ہاں یہی وقت ہی وعدے کے وفا کرنے کا
نخل سرسبز ہیں فردوس میں نہریں جاری
خانۂ دوست میں ہی دوست کی مہمانداری
عرش تک شور یہی ہی کہ حسین آتے ہیں
روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہی یہ سر
شمرِ ظالم ہی کدھر کھینچ کے آئے خنجر
بس مری فتح یہی ہی کہ وہ خوشنود رہے
ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم
چار جانب سے مسافر پہ چلے تیرِ ستم
چھپ گئے سبطِ نبی ظلم کی تلواروں میں
نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامہ کے

برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے
ایک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے
خوں میں ڈوبا ہوا وہ مصحفِ رخ سارا تھا
ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے ریلے پیہم
مارے تلواروں کے مہلت تھی نہ دم لینے کی
دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا ہائے حسین
در سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسین
فاطمہ روہی ہے ہاتھوں سے پہلو تھامے
ہائے سیّد ترا تن اور ستم کے بھالے
اس پہ یہ ظلم دکھوں سے جسے زہرا پالے
کون فریاد سنے بے سر و سامانوں کی
نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا
غش سے کچھ دیر میں جو تھا جو علی کا پیارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنتِ علی چلائی
ضرب اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی
اٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا

کس طرف جائے کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے
دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
جز وہ ہر اک تنِ شبیر کا سی پارہ تھا
غش میں سجدے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم
کوئی بیکس کا مددگار نہ تھا ہائے ستم
کوششیں ہوتی تھیں کعبہ کے گرا دینے کی
ہیرے بیکس میرے بے بس میرے دکھ پائے حسین
کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسین
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے
کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے
یہاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی
گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
نیزہ سینے پہ سناں ابنِ انس نے مارا
یاں بہن خیمہ کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی
جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
آسماں ہل گئے تھرا گئی مقتل کی زمیں
پاؤں قرآں پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا
ذبح ہوتے ہوئے مرے سامنے ہی بھائی
گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علی کی جائی
منہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پہ دیکھا

رو کے چلاّئی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسین
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
بس انیس آگے نہ لکھ زینبِ با شاہ کے بین
قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختار کو چین
کتنے گھر شاہ کے مرجانے سے برباد ہوئے

فوج اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین
ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی
قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاشِ حسین
گھر جلا قید ہوئی آلِ رسول الثقلین
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

رباعی

ہر دم غمِ سبطِ شہِ لولاک کیا
تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن

جب نام لیا چشم کو نمناک کیا
پایا نہ گریبان تو جگہ چاک کیا

مرثیہ (۲۰)

نکلی جو رن میں تیغِ حسینی غلاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو دشتِ مصاف سے
طبقے فلک کے صورتِ گہوارہ ہل گئے
لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال میں
مضطر تھے شش جہت کے مکیں ایک حال میں
شہ کا غضب نمونۂ قہرِ الٰہ تھا
راحت میں جن و انس و ملک کی خلل پڑے
کھا کھا کے جوش خاک سے چشمے ابل پڑے
الٹی زمیں سبھوں کے لبوں پر یہ بن گئی
اُٹھا جو الحفیظ کا روحانیوں میں شور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
اُلٹے ہیں مثلِ شیرِ خدا آستین کو
جنگل میں تھی علم جو وہ تیغِ شرر فشاں
غار اژدروں سے چھٹ گئے شیروں سے نیستاں
مانند موج مچھلیوں میں اضطراب تھا
تاریک تھا چکاروں کی آنکھوں میں سب جہاں
بن سے سیاہ گوش بھی بھاگے دبا کے کان
تیغِ علی علم تھی جو دشتِ قتال میں

اُڑنے لگے شرر دمِ خارا شگاف سے
صاف آئی الاماں کی صدا کوہِ قاف سے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے
سکانِ غرب و شرق تھے بیم و زوال میں
غل تھا کہ گھر گئے غضبِ ذوالجلال میں
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا
قلزم میں ڈر گئے مردمِ آبی اُچھل پڑے
بیر الالم سے غولِ جنوں کے نکل پڑے
پریوں کے ہوش اُڑ گئے جانوں پہ بن گئی
مردے دہل کے چونک پڑے سب میانِ گور
ہے بازوئے حسین میں دستِ خدا کا زور
اے کردگارِ عرش بچا لے زمین کو
تھرا کے آسمان میں چھپتا تھا آسماں
برپا تھا بر و بحر میں اک شور الاماں
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی میں آب تھا
مضطر تھے شیر و گرگ نکالے ہوئے زبان
غل تھا یہ دام و دد میں کہ کیونکر بچے گی جان
چیتوں نے منہ چھپائے تھے گینڈوں کی ڈھال میں

گھڑیال زیرِ آب تھے مضطر اِدھر اُدھر
جا گہہ پناہ کی کہیں ملتی نہ تھی مگر
تھی مچھلیوں کے چہروں پہ گرداب کی سپر
بّری میانِ بحر تھے بحری میانِ بر
گھر چھٹ گئے تھے جانوروں کے یہ رنگ تھے
خشکی میں تھے نہنگ تری میں پلنگ تھے

غل تھا کہ ضربِ تیغِ علی سے خدا بچائے
یہ برق دیکھیے کسے پھونکے کسے جلائے
قہرِ خدا سے بچ کے کوئی کس طرف کو جائے
بچ جائے آج وہ جو دوبارہ حیات پائے
فولاد ہو کہ سنگ یہ منہ موڑتی نہیں
بے ڈوبے کسی کو کبھی چھوڑتی نہیں

اعدا پہ جبکہ تیغِ شہِ لافتا چلی
بجتی ہوئی بڑش سے جلو میں قضا چلی
غل پڑ گیا کہ صرصرِ قہرِ خدا چلی
اک دم میں سر تنوں سے اُڑے یہ ہوا چلی
غل تھا غضب حسین کا قہرِ الٰہ ہے
بادِ فنا سے گلشنِ ہستی تباہ ہے

تھرا رہے تھے شیر زہے ہیبتِ حسین
گیتی کو زلزلہ تھا زہے شوکتِ حسین
فاقوں میں کم ہوئی تھی نہ کچھ طاقتِ حسین
اک قدرتِ خدا تھی خوشا قدرتِ حسین
سوکھی ہوئی زباں پہ کسی کا گلا نہ تھا
سولہ پہر ہوئے تھے کہ پانی ملا نہ تھا

فاقوں سے رنگ زرد تو لب پیاس سے کبود
چہرے سے تھا جلالِ جہاں آفریں نمود
کرتا تھا نورِ حق جو سوئے آسماں صعود
تسبیح پڑھ رہے تھے ملک اور بشر درود
تھم جاتے تھے حسین جو تلوار تول کر
حوریں بلائیں لیتی تھیں زلفوں کو کھول کر

وہ ماہِ رخ پہ ہالۂ گیسوئے تابدار
خوشبو پہ جس کی عنبرِ سارا بھی تھا نثار
تھا فاطمہ کا رشتۂ جاں ان کا تار تار
قرباں ہر ایک تار پہ سو نافۂ تتار
گیسو نہ تھے رُخِ خلفِ بوتراب پر
تھی جدولِ سیہ ورقِ آفتاب پر

سر لوحِ مصحفِ رُخِ پُر نور ہے جبیں
آئینہ کی طرح سے نہ جس میں شکن نہ چیں
مرآتِ نورِ حق کا قمر آسمانِ دیں
قطرے عرق کے رشکِ وہ گوہرِ ثمیں
چھڑکا ہوا تھا گلاب کا اُس سرزمین پر
گرتے تھے ٹوٹ ٹوٹ کے اختر زمین پر

وہ اوجِ ذوالفقار وہ جٹی بھووں کا بل
اک نخلِ قد دکھاتا تھا تیغوں کے تین پھل
ملتے تھے غیظ سے جو وہ ابروئے بے بدل
گویا پروں کو تولتا تھا طائرِ اجل
پلکوں کے تیر سب کے کلیجوں کے پار تھے
کھینچی تھی یاں کماں اُدھر اعدا فگار تھے

آنکھیں وہ نرگسی کہ غزال آنکھ کو چرائے
ہنگامِ غیظ شیر یہ چتون کہاں سے لائے
پنجہ سے اس مژہ کے وغا میں خدا بچائے
زہرہ ہے آب جگر کیوں نہ تھرتھرائے
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے
پتلی ہے چشم میں کہ ترائی میں شیر ہے

ابرو ہیں نونِ حسن تو چشمِ حسیں ہے صاد
محرابِ کعبہ وہ ہے تو یہ قبلۂ مراد
گو یہ جدا جدا ہیں پہ ہے عینِ اتحاد
دیکھے عدو جو کور نہ ہو چشمِ اعتقاد
لاریب نورِ چشمِ نبی و علی یہ ہے
نصِّ جلی ہوا کہ خدا کا ولی یہ ہے

رخسار ہیں وہ گل جنہیں خوفِ خزاں نہیں
ٹکڑے ہیں لعل کے لبِ شیریں بیاں نہیں
ہے ماہیِ محیطِ فصاحت زباں نہیں
یہ فرطِ نازکی ہے کہ گویا دہاں نہیں
باتوں میں بند ہیں فصحا کائنات کے
صدقے ہیں بات بات پہ کوزے نبات کے

سوکھے لبوں پہ لعلِ بدخشاں نثار ہیں
دانتوں کے نور پر دُرِ غلطاں نثار ہیں
تابندگی پہ اخترِ تاباں نثار ہیں
یہ آب ہے کہ قطرۂ نیساں نثار ہیں
ایسے گہر نہیں کہیں بحرِ عمیق میں
گویا چمک رہے ہیں ستارے عقیق میں

وہ لعلِ لب وہ روئے مطہر وہ ریشِ شاہ
ہیں ایک جا ہلالِ شبِ قدر و نورِ ماہ
کیا خوشنما ہے گردِ قمر ہالۂ سیاہ
ہے صبح و شام ایک جگہ کیجیے نگاہ
ہے رتبۂ رخِ شہِ ذی شاں کھلا ہوا
دیکھو دھرا ہے رحل پہ قرآں کھلا ہوا

مدحِ گلوئے پاک کوئی کیا کرے بھلا
محبوبِ کبریا نے سدا جس پہ منہ ملا
حیرت ہے کیوں الٹ نہ گیا دشتِ کربلا
خنجر سے کٹ گئیں وہ رگیں اور وہ گلا
بخشا فروغ جس نے یہ ایماں کے طور کو
سر کاٹ کر بجھا دیا اس شمع نور کو

وہ دوشِ پاکِ بادشہِ آسماں وقار
بازو وہ ہیں کہ بازوئے دیں جن سے استوار
سب پر کھلی ہے عقدہ کشائی حضور کی
ہر دم اُٹھا کے ہاتھ یہ فرماتے ہیں سخن
کیوں جانتے ہو کون ہیں دُنیا میں پنجتن
وہ رکن جب سے اُٹھ گئے رنج و بلا میں ہوں

اعضا میں کیوں نہ ہاتھ کا ہو مرتبہ بلند
ہے پنجتن کی ذات سے سب خلق بہرہ مند
عقدے یہ اُن سے کھلتے ہیں جو ذی شعور ہیں
ہے طورِ نورِ ذاتِ خدا سینۂ حسین
اسرارِ حق ہے گوہرِ گنجینۂ حسین
سینہ نہیں سفینۂ طوفانِ نوح ہے

آئینۂ حلب سے فزوں تر صفا میں ہے
یاں دل میں ہے وہ ضو جو کلامِ خدا میں ہے
کیا قہر ہے کسی نے نہ پاسِ ادب کیا
سینے پہ وہ پسینے کے قطروں کی آب و تاب
ہے گو کہ تین روز سے فاقے سے وہ جناب
پھولوں کی بُو سے خوش ہیں کپڑے بسے ہوئے

بازو ہے تیرِ ظلم سے زخمی کمر ہے خم
پر وہ ثبات ہے کہ اُکھڑتے نہیں قدم
آنکھیں ہیں سرخ جوشِ شجاعت ہے جوش پر
ہے کُل کے عاصیوں کی شفاعت کا جس پہ بار
ساعد سے زورِ دستِ ید اللہ آشکار
روشن ہے اُنگلیوں سے کہ ہیں شمع نور کی

عالم میں خمسۂ نُجبا ہیں شہِ زمن
ہیں اور نبی و فاطمہ و حیدر و حسن
اب میں فقط مخمسِ آلِ عبا میں ہوں
دستِ کرم وہ ہے کہ خدا کو بھی ہے پسند
پانچ اُنگلیوں میں ہاتھ کے ہیں چار وہ جو بند
چودہ بزرگ خلق میں خالق کے نور ہیں

صاف آئنہ ہے اک دلِ بے کینۂ حسین
روح الامیں ہے خادمِ دیرینۂ حسین
ایماں کی سجدہ گاہ ہے قرآں کی روح ہے
یہ ضو نہ بدر میں ہے نہ شمس الضحیٰ میں ہے
قرآں غلاف میں ہے کہ سینہ قبا میں ہے
زانو اُسی پہ شمر نے رکھا غضب کیا

غرقِ عرق تھا شرم کے مارے جہاں گلاب
پرتو ہے شکم صفتِ قرصِ آفتاب
اُمّت کی مغفرت پہ کمر ہیں کسے ہوئے
طاقت جواب دے چکی ہے مولا کو دم بدم
تیغِ شہِ نجف ہے اسی ہاتھ میں علم
شملہ چھپا ہوا ہے عمامے کا دوش پر

اللہ رے نبی کی عبا و قبا کا نور
پردے میں جس کے جلوہ نما ہے خدا کا نور
زہرا و حیدر و حسن و مجتبیٰ کا نور
ہے شش جہت میں خامسِ آلِ عبا کا نور
حیراں لباسِ نور پہ سب حلّہ پوش ہیں
ادریس میں حواس نہ موسیٰ میں ہوش ہیں

بالائے دوش حضرتِ حمزہ کی ہے وہ ڈھال
زیبا ہے کہیے گر رُخِ فتح و ظفر کا خال
پھول اس کے وہ کہ تیغ کا پھل جس سے پائمال
شب میں عیاں ہیں چار ستارے تو اک ہلال
اس کو عروج کیوں نہ ملے قتل گاہ میں
پشتِ پناہِ خلق ہے جس کی پناہ میں

وہ آہنی کُلہ وہ زرہ جامۂ حضور
جس کی ہر اک کڑی سے نکلتا تھا چھن کے نور
حلقے وہ جن کو دیکھ کے شرمائے چشمِ حور
قندیلِ آہنی میں فروزاں ہے شمعِ طور
جوشن نہ تھا تنِ شہِ گردوں وقار میں
تارے چمکتے تھے شبِ تاریک و تار میں

شانے پہ کس شکوہ سے ہے حلقۂ کماں
ہے جس کے ڈر سے قوسِ قزح چرخ پر تپاں
پیغام موت کا ہے ہر اک تیرِ جاں ستاں
ہر دم صدا یہ ہے لبِ سوفار سے کہ ہاں
سرکش کہاں ہیں لشکرِ کج عقل و فہم کے
گوشوں میں چھپتے پھرتے ہیں کیوں سہم سہم کے

دستانہ ہے کہ قبضۂ سیفِ قضا ہے یہ
شمشیر ہے زبانِ دہن اژدہا ہے یہ
ہمدستِ آستینِ شہِ لافتیٰ ہے یہ
ثابت ہوا کہ پنجۂ شیرِ خدا ہے یہ
دستِ خدا کے لال جری ہیں دلیر ہیں
اس ہاتھ سے جہاں کے زبردست زیر ہیں

نیزہ ہے رشکِ افعیِ گیسوے دل ستاں
سینے کو جس کے ڈر سے چراتا ہے آسماں
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سناں
غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زباں
لشکر جو دیو کا ہو تو دم میں ہلاک ہو
اس کی ہوا لگے تو بدن جل کے خاک ہو

اس شان سے ہیں رن میں اکیلے امامِ دیں
اور واں پرے جمائے ہیں میں ان میں اہلِ کیں
خنجر کہیں ہیں تیر کہیں برچھیاں کہیں
اللہ ری کشمکش نظر آتی نہیں زمیں
لشکر بڑھے ہیں شاہ پہ یوں شام و روم کے
آتی ہے جس طرح سے گھٹا جھوم جھوم کے

تیغوں کی اس گھٹا میں چمکتی ہیں بجلیاں
چھائے ہوئے ہیں شیخ پہ زرہ پوش سب جواں
چاروں طرف سے نرغۂ فوجِ کثیر ہے
ٹھہری ہے صف جمائے ہوئے اس طرح سے فوج
ہر مرد کی کمر میں ہیں تلواریں نوج زوج
آفت جنابِ فاطمہ کے گھر پہ آئی ہے

ہر صف میں برچھیاں بھی ہزاروں چمکتی ہیں
نیزے تُلے ہوئے ہیں سنانیں چمکتی ہیں
سنگیں دلوں نے ہاتھوں میں پتھر اُٹھائے ہیں
گھوڑوں سے گونجتا ہے وہ سب وادیِ نبرد
ہے چرخ چار میں پہ رخِ آفتاب زرد
گرمی ہجومِ فوج سے دہ چند ہو گئی

دستے وہ مصر زنگ کے وہ فوجِ روم و شام
تیغیں برہنہ ہو گئی تھیں چھوڑ کر نیام
تلواریں منہ چھپائے تھیں سائے میں ڈھال کے
لوں چل رہی تھی رن میں کہ اللہ کی پناہ
برچھی کے پھل پہ ہوتا تھا شعلے کا اشتباہ
گویا کہ قوس میں تھا گزر آفتاب کا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر
تنہا تھا دھوپ میں اسد اللہ کا پسر
لگتی تھی کچھ بدن کو ہوا آہِ سرد سے

باجوں کے زور شور میں ہے رعد کی فغاں
لوہے کی ہے زمین تو ڈھالوں کا آسماں
ابرِ کرم پہ بارشِ بارانِ تیر ہے
طوفاں میں جوش کھا کے اُٹھے جس طرح سے موج
ڈھالوں کا دور دور ہے نیزوں کا اوج اوج
ٹاپوں سے مرکبوں کے زمیں تھرتھراتی ہے

نوکیں وہ تیز ہیں کہ دلوں میں کھٹکتی ہیں
ترکش کھلے ہوئے ہیں کمانیں کڑکتی ہیں
تیغوں کے ساتھ گرزِ گراں سر اُٹھائے ہیں
گردوں ہیں مثلِ شیشۂ ساعت بھری ہے گرد
ڈر ہے گرے زمیں پہ نہ مینائے لاجورد
خاک اس قدر اُڑی کہ ہوا بند ہو گئی

دن دوپہر وہ دشت کی گرمی وہ ازدہام
مانندِ شمع جل رہی تھیں برچھیاں تمام
خنجر بھی رہ گئے تھے زبانیں نکال کے
ڈھالوں کے رنگ ہو گئے تھے دھوپ میں سیاہ
گلخن بنی ہوئی تھی ہر اک آہنی کلاہ
عالم تھا ہر خدنگ پہ تیرِ شہاب کا

تھے دو غلام حمزہؑ جنباں ادھر اُدھر
نے سایۂ علم تھا نہ عباسِ نامور
گیسو اٹے ہوئے تھے بیاباں کی گرد سے

جنگل سے آرہی تھی یہ آواز بار بار
تو دھوپ میں کھڑا ہے مرا دل ہے بے قرار
عالم سیاہ ہے مری چشمِ پُر آب میں

مادر سے رو کے کہتے ہیں سلطانِ کربلا
منصف ہو آپ فرق پہ سایہ کروں میں کیا
پڑتی ہے خاک اُڑ کے تنِ پاش پاش پر
کرتے ہیں ماں کی روح سے حضرت تو یہ کلام
کہتے ہیں مسکرا کے امامِ فلک مقام
فاقوں سے حال غیر ہے محتاجِ آب ہوں

اللہ کیا ہجوم ہے کیا شور گیر و دار
اک سینہ اور یہ ناوکِ بیداد بے شمار
ان برچھیوں سے کس کو زمیں پر گرائینگے
لشکر یہ ہے کہ قہر کا دریا ہے موج زن
اکبر نہ ہیں جلو میں نہ لختِ دلِ حسن
دیکھیں پسر پہ نرغۂ فوجِ کثیر کو

آئی قریب سے یہ صدا اے شہِ نجف
مصروف ہے ثنا میں تری قدسیوں کی صف
دیں ہے بلند کفر کی بنیاد پست ہے
پیاسا جو تین روز رہا تو کنارِ جو
مقبول کردگار ہے نورِ خدا ہے تو
جائینگے یہ کہاں جو ہیں تجھسے پھرے ہوے

کیا آج تجھ پہ بن گئی اے میرے گلعذار
سایہ تو کرلے رُخ پہ عبا کا یہ ماں نثار
سونلا گیا ہے چاند مرا آفتاب میں
کافی ہے آج سر پہ مرے سایۂ خدا
سوتے ہیں آفتاب میں سب میرے مہ لقا
اماں ردا انہیں علی اکبر کی لاش پر

ہر سمت سے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
کس سے لڑینگے کیوں ہے یہ کوشش یہ اژدہام
ہیں آپ ہی مسافرِ پا در رکاب ہوں
اک جسم زار اور یہ نیزے کئی ہزار
میرے لیئے تو پیاس ہے خود تیغ آبدار
سو خنجر اک گلے پہ یہ کیونکر پھرائینگے

ہیں اک ضعیف تشنہ و مظلوم و بے وطن
واحسرتا کہ مر گئے عباسِ صف شکن
لاؤں کہاں سے آج جنابِ امیر کو
تجھ سا پسر دیا مجھے حق نے زہے شرف
لاکھوں ہیں گو اُدھر پہ خدا ہے تری طرف
ہر طرح تیری فتح ہے ان کی شکست ہے

دیں نبی کی رہ گئی دُنیا میں آبرو
ناجی ہیں تیرے دوست تو ناری ترے عدو
ہیں مست سب جو آگے غضب میں گھرے ہوے

ایوب تیرے صبر کے ہیں آج مدح خواں
لب پر خلیل کے ہے ترے حلم کا بیاں
یعقوب و نوح و آدم و یحییٰ ہیں اک زباں
ہے کل کا فخر دلبرِ پیغمبرِ زماں
عیسیٰ پکارتے ہیں کہ حق کا ظہور ہے
موسیٰ کا ہے یہ قول کہ خالق کا نور ہے

عباس جب سے قتل ہوا ہے فرات پر
حاضر ہے کربلا میں اسی وقت سے پدر
نانا ہیں بے حواس حسن ہیں برہنہ سر
ماں بے قرار پھرتی ہے تھامے ہوئے جگر
تجھ پر نثار ہونے کی کس کو ہوس نہیں
تقدیر سے کسی کا مری جان بس نہیں

کی عرض شاہِ دیں نے پدر سے بانکسار
مولا میں اس عنایت و اشفاق کے نثار
یہ پرورش یہ غور ہے عزّ و افتخار
کیا سرفراز ہو گیا اس دم یہ خاکسار
بیٹے پہ چاہیئیں یوہیں اشفاق باپ کے
جان آ گئی غلام میں آنے سے آپ کے

بندہ تو قابل اس کے نہیں یا شہِ زماں
جو ہوں مقربانِ خدا میرے مدح خواں
کیا میرا صبر اور مری ہمّت کا کیا بیاں
اک بندۂ حقیر و گنہگار و ناتواں
لب پر جو وہ بزرگ مرا نہ کر لائے ہیں
یہ سب شرف حضور کے صدقے میں پائے ہیں

اب کچھ نہیں ہراس اگر لاکھ ہوں ستم
ہاں ایک ہے تباہیِ زینب کا مجھ کو غم
جب ذبح ہو حسین تہِ خنجرِ دو دم
اس کی ردا بچائے گا کون اے شہِ امم
سب گھر لٹے مگر وہ اسیرِ بلا نہ ہو
میں بے کفن رہوں یہ بہن بے ردا نہ ہو

فرما کے یہ فرس سے اشارہ کیا کہ ہاں
کوندا مثالِ برق کمیتِ سبک عناں
وہ غیظ وہ رجز وہ جلال و شکوہ شان
تھی دم بدم وہ سیف زبانی کہ الاماں
دونوں زبانیں تیغ کی بھی شعلہ ریز تھیں
بیتیں رجز کی تیغِ دو دم سے بھی تیز تھیں

نعرہ یہ تھا کہ دلبرِ مشکل کشا ہوں میں
جوہر کشائے تیغِ شہِ لافتا ہوں میں
شمس الضحیٰ علی ہیں تو بدر الدجیٰ ہوں میں
قرآں گواہ ہے کہ زبانِ خدا ہوں میں
کس آیۂ کریم میں ذکرِ علی نہیں
قرآں میں کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہیں

ہم تو ہیں اس کلام میں اور ہم میں وہ کلام
لاریب فیہ گر ہے وہ ہادی تو ہم امام
جو منحرف ہوا وہ مطیعِ خدا نہیں
کچھ یاد ہے وصیتِ محبوبِ ذوالجلال
بھولے کلامِ حق کو بھی اے قومِ بد خصال
کیوں منہ پھرا لیا ہے حدیث و کتاب سے
تم یہ نہ جانیو کہ مجھے کچھ ہے خوفِ جاں
قبضے میں ہے حسین کے تیغِ شرر فشاں
لاکھوں سے منہ پھرے نہ کبھی وہ دلیر ہوں
بخشا ہے مجھ کو حق نے شہِ لافتا کا زور
ہے انگلیوں کے بند میں خیبر کشا کا زور
الٹوں فلک کو یوں جو ہو قصد انقلاب کا
آگے بڑھوں جو تیر کو چلّے میں جوڑ کے
بیکار کر دوں شیر کا پنجہ مروڑ کے
الٹوں طبق زمین کے یوں جھک کے زین سے
اعلیٰ ہے عرش سے بھی مری ہمّتِ بلند
رستم ہے ذوالفقار کی دہشت سے دردمند
یہ جس شقی کے سینے سے گزرا وہ فوت ہے
دنیا ہے اک طرف تو لڑائی کو سر کروں
بے جبرئیل کارِ قضا و قدر کروں
طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی

جس طرح لام میں ہے الف اور الف میں لام
اُمّت کو فرضِ عین ہے دونوں کا احترام
قرآن و اہلِ بیت ازل سے جدا نہیں
فرما گئے تھے خلق سے کیا وقتِ انتقال
ہم اہلِ بیت ہیں سو ہمارا کیا یہ حال
محشر میں کیا کہو گے رسالت مآب سے
لازم ہے یہ سخن کہ میں ہوں ہادیِ جہاں
دشمن کو جس کی ضرب سے ملتی نہیں اماں
ہیں بیشۂ شجاعت و ہمت کا شیر ہوں
اس وسنِ مرتعش میں ہے دستِ خدا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا
بھاگیں خطا شعار کمانوں کو چھوڑ کے
ٹکڑوں نہ ہیں پر درِ خیبر کو توڑ کے
جس طرح جھاڑ دیتے ہیں گرد آستین سے
بجلی ابھی گرے جو بڑھوں چھیڑ کر سمند
کھلتا نہیں ہے دو سے نیزے کا میرے بند
اس کی سنانِ تیز سرِ انگشتِ موت ہے
آئے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کروں
انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھالِ آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
جب ہاتھ اٹھا ہے برق گری ہے زمین پر
خیبر میں کیا گزر گئی روح الامین پر
کاٹے ہیں کس کی تیغِ دو پیکر نے زین پر
جس وقت ضربِ شیرِ خدا یاد آتی ہے
ماہی سمیت گاؤ زمیں تھرتھراتی ہے

میں شبر ہوں چھ لاکھ اگر ہو تو کیا ہو تم
اٹھا جو میرا ہاتھ تو دم میں فنا ہو تم
واللہ میرے سامنے بیدست و پا ہو تم
پر کیا کروں کہ امّتِ خیر الوریٰ ہو تم
لو واسطہ رسولِ خدا کا پناہ دو
اب بھی کسی طرح مجھے جانے کی راہ دو

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو امامِ فلک سریر
اس فوجِ قاہرہ سے اٹھا شورِ دار و گیر
کھولے ہوئے نشانوں کو آگے بڑھے شریر
فرزندِ فاطمہ پہ چلے دس ہزار تیر
دہشت سے عافیت نے منہ اپنا چھپا لیا
کالی گھٹا نے ڈھالوں کی جنگل کو چھا لیا

وہ شور کوسِ حرب کا وہ بوق کا غریو
شرمندہ برچھیوں کی چمک سے سنانِ گیو
تبر و راز صورتِ خنجر زبانِ دیو
وہ صورتیں کہ دیکھ کے ڈر جائے جن کو دیو
سب فوج یوں بڑھی تھی دغا کو امام سے
آندھی سیاہ آتی ہے جس دھوم دھام سے

برسے اُدھر سے تیر تو کوندی اِدھر سے برق
وہ برق چھپتی پھرتی تھی خود جس کے ڈر سے برق
چمکی وہ یوں کہ گر گئی سب کی نظر سے برق
روکیں کسے رکی ہے کسی کی سپر سے برق
جل تھل بھرے لہو کے نہ دیر اک گھڑی لگی
کیا ابرِ تیغ تھا کہ سروں کی جھڑی لگی

معجز نما تھی شاہ کی شمشیر آبدار
دکھلائی ماہِ صیف میں برسات کی بہار
یاں برق واں ہوا تو ادھر ابرِ دو بار
بہیا کہیں لہو کی کہیں خوں کی آبشار
یوں سر برس گئے یہ روانی تھی باڑھ میں
پڑتا ہے وہ تگڑا کبھی جیسے اساڑھ میں

بہتے تھے خوں میں چار طرف سر کٹے ہوئے
بڑھتے تھے جو بہت وہ کھڑے تھے ہٹے ہوئے
جو گھاٹ پر تھے زور تھے ان کے گھٹے ہوئے
تھے جا بجا سے ڈھالوں کے بادل پھٹے ہوئے
لڑنے میں اوج تیغ کا دہ چند ہو گیا
تکلی کمان تیروں کا منہ بند ہو گیا

بازو ہر اک کمان کا کمزور ہو گیا
تیروں کے مینہ برسنے کا اک شور ہو گیا
ڈھالوں کا ابر خوں میں شرابور ہو گیا
جو تھا کنارِ نہر لبِ گور ہو گیا
مشقِ شناوری تھی قیامت بڑھی ہوئی
اتری وہ تیغ خون کی ندی چڑھی ہوئی

کیا کیا چاٹ کھائی تھی سر کاٹ کاٹ کے
منتی تھی کیا تنوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ میں اڑا کے کلائی نکل گئی
کوندی گری زمیں میں سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دم میں آئی نکل گئی
چار آئنے کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہونچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضے سے تیغ بر سے زرہ ہاتھ سے سپر
برچھی سے پھل کماں سے زرہ زیں سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے نشانِ زری کہیں
پیکاں کہیں تھے شست کہیں تھی سری کہیں

مقتل میں ہوش فوجِ عمر کے اڑا دیے
ٹکڑے ہر ایک کے تن و سر کے اڑا دیے
پرزے ستمگروں کے جگر کے اڑا دیے
پرکالے ایک دم میں سپر کے اڑا دیے
جب ڈھال پر چمک کے در آتی تھی خود میں
سر کٹ کے آن پڑتا تھا ترکش کی گود میں

وقت وغا عصا تھی کبھی اژدہا کبھی
تلوار بن گئی وہ کبھی اور قضا کبھی
بجلی کبھی تھی ابر کبھی اور ہوا کبھی
بنتی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی
پھرتے تھے جب حسین پیادوں کو رول کر
کھا لیتی تھی سروں کو دہن کھول کھول کر

اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
دریائے قہرِ حق کی روانی دکھا گئی
جل جل گئے وہ شعلہ فشانی دکھا گئی
کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
اب صورتِ شگافِ قلم بند کر دیے
غفروں نے ذوالفقار کے دم بند کر دیے

پہونچی سمِ فرس پہ جو بالائے سر گری
ناری جلے ادھر وہ جدھر کوند کر گری
دکھلا کے موج جاتی تھی یوں ہر سوار پر
دم میں گئی فلک پہ اور آئی ہزار بار
دکھلا گئی صفوں کو صفائی ہزار بار
جب تک چلی وہ زرد سپاہِ عدو رہی
غل تھا خطِ سیاہ نہ سمجھو یہ ناگ ہے
جلتا ہے دشت چار طرف بھاگ بھاگ ہے
پھونکے نہ یہ دم اس سے ہمارے نکلتے ہیں
ہلچل وہ ان صفوں کی وہ گھوڑے کی جست خیز
صدقے گندھی ایال پہ گیسوئے مشک بیز
ذرّے قدم کے فیض سے سارے چمک گئے
جمات میں رشکِ شیر تو ہیکل میں پیل تن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابرِ قطرہ زن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
آنکھیں وہ جن کو دیکھ کے حیران ہے غزال
آہو کی جست شیر کی چتون پری کی چال
ہر نعلِ پا کا حسن یہ تھا اس جلوس میں
کیوں اعتقاد میں حکما کے نہ آئے فرق
راکب اگر اس کو غرب سے دوڑائے سوئے شرق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پہ تمام ہو

چمکی ادھر زمیں سے نکل کر ادھر گری
جس صف سے گر چلی یہ وہ صف خاک پر گری
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر
معراج دستِ شاہ میں پائی ہزار بار
گرمی یہ تھی کہ خوں میں نہائی ہزار بار
اس دن کے معرکہ میں وہی سرخرو رہی
جو دشمنِ علی ہیں اسے ان سے لاگ ہے
جائیں بچاؤ تیغ کے پانی میں آگ ہے
اژدر کی طرح منہ سے شرارے نکلتے ہیں
تھا ترک و تازیں کہیں صرصر سے تند و تیز
گرداوری میں ابر تو بجلی دمِ ستیز
جب پتلیاں اٹھیں تو ستارے چمک گئے
بولی کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
گردن وہ جس کی شرم سے ہے سرنگوں ہلال
دل اس کے دست و پائے حنائی سے پائمال
آئینہ جس طرح سے ہو دستِ عروس میں
اشراقی اس سے بحرِ تفکر میں سب ہیں غرق
اور آسماں سے ساتھ ہی چمکے نکل کے برق
یاں کب ہے غرب میں فرسِ تیز گام ہو

دیکھی نہیں کسی نے یہ نرمی شتاب میں
ہی جس کے نعلِ صاف سے مخمل بھی خواب میں
سرعت کا اس کی وصف لکھیں گر کتاب میں
سطریں ہیں بہ صورتِ موج اضطراب میں
اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر

رہیں سوار ہاتھ سے کبھی اگر گرا اسے
اور یہ فرس جنوب سے سوئے شمال جائے
وہ تازیانہ یاں نہ زمیں تک پہنچنے پائے
اس حد سے ایک دم میں وہ حد دیکھ کر پھر آئے
تنگی سے آسماں کی خفا یہ سمند ہی
کیونکر اُڑے پری ہی کہ شیشے میں بند ہی

کل کی طرح اشارے میں سو بار پھیر لو
بجلی ہی جس طرف دمِ پیکار پھیر لو
کاوے میں شکلِ گنبدِ دوار پھیر لو
نقطے کے گرد صورتِ پرکار پھیر لو
دوڑے بروئے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

طاؤس سا جدھر گیا دم کو چنور کیے
دم میں پرے سپاہ کے زیر و زبر کیے
بجلے کبھی بدن کبھی پامال سر کیے
کشتوں کو روند روند کے سم خوں میں تر کیے
میداں میں تھا کسی کو نہ یارا ستیز کا
عالم ہر ایک نعل میں تھا تیغِ تیز کا

زیبا ہی گر کہیں شعرا باد پا اُسے
آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے
طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اُسے
مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہی کیا اُسے
شہزاک گر ہوا سے کبھی اک ذری اُڑی
یوں اُڑ گیا کہ سب نے یہ جانا پری اُڑی

معروف جنگِ تیغ سے تھے سرورِ حجاز
چمکا کے اسپ اُس سے بڑھا ایک نیزہ باز
نامرد نے کیا جو ہیں دستِ ستم دراز
نیزہ اُٹھا کے کہنے لگے شاہِ سرفراز
ہاں اے اجل گرفتہ کمر استوار کر
نیزے کا ہی غرور تو آ کوئی وار کر

کس طنطنہ سے شاہ پہ آیا وہ خود پسند
کل کی طرح سے پھرنے لگا ہر طرف سمند
نیزے سے اس کے آپ کو پہونچی نہ کچھ گزند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تھا گو کہ نیزہ بازی پہ ظالم تلا ہوا
یاں تھا سبب اس کے عزم کا عقدہ کھلا ہوا

نیزے کی اس لعیں سے لڑائی جو آپڑی
انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے گھڑی گھڑی
اک معرکہ تھا بیچ میں دشتِ قتال کے

پیہم ہوئیں نشاں پہ نشانیں جو یک دگر
کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر
ظالم پہ آسماں سے بلا ناگہاں گری

تھرا گیا بدن نہ رہی طاقتِ قرار
بجلی نکل چلا تھا کہ چمکا کے راہوار
موذی تھا وہ لعیں پہ انی فتنہ کوب تھی

قربانِ زورِ بازوئے سلطانِ ارجمند
پہونچا سقر میں دارِ جہاں سے وہ خود پسند
اپنے ہنر پہ ناز تھا اس نیزہ باز کو

کام اس خطا شعار کا جب ہو گیا اخیر
بدکیش و کج نہاد و خطا پیشہ و شریر
کیا کوئی اس کے آگے بھلا سر اُٹھا سکے

قبضے میں تیغ لیکے پکارے شہِ زماں
ہاں نکلی موںھ سے یاں کہ کھنچی اس طرف کماں
حلقہ ادھر کمان کا خم ہو کے رہ گیا

خالی اسی روش سے ہوا ترکشِ شریر
چاہا تھا کش مکش میں کہ ہو جائے گوشہ گیر
پیچھے ہٹے نہ پاؤں مزا ہے یہ جنگ کا

دونوں طرف سے جنگ میں کوشش ہوئی بڑی
تھی چوب سے تو چوب سناں سے سناں لڑی
دو مار گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے

ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی ادھر
فرزندِ شیرِ حق نے دکھایا عجب ہنر
دو تین نیزے اُڑ کے زمیں پر سناں گری

گھوڑے کی باگ پھیر کے بھاگا وہ نابکار
نیزے کا اک کمر پہ کیا شاہِ دیں نے وار
سر میں سناں تھی پشت کے مہروں میں چوب تھی

زیں سے اُٹھا کے اس کو سناں پر کیا بلند
پٹکا زمیں پہ جب تو ہوا چور بند بند
دکھلا دیا جہاں کے نشیب و فراز کو

نکلا پرے سے اک قدر انداز بے نظیر
پلّے سے توڑ جاتا تھا جوشن کو جس کا تیر
رستم بھی جس کماں کی نہ سیسر اُٹھا سکے

ہاں ناوک افگنی مجھے دکھلا تو اے جواں
کھنچنا کماں کا تھا کہ چلا تیرِ بے اماں
یاں تیغِ شہ سے تیر قلم ہو کے رہ گیا

تودے لگا دیئے کاٹ کے حضرت نے سارے تیر
چلّائے شہ کہ بھاگ نہ او سرکشوں کے پیر
تو بھی تو توڑ دیکھ لے میرے خدنگ کا

یاں دوش سے کماں کو اُتارا جناب نے
بیٹے کے ہاتھ چوم لیے بوتراب نے
ترکش بھی اژدہا سا دہن کھولنے لگا

چلّے میں رکھ کے تیر بڑھے قبلۂ امم
کچھ کہکے گوشِ شہ میں چلا تیرِ تیزدم
چلّا تو شست شاہِ زمن سے نکل گیا

گرز و سنان و تیغ و تبر کانپنے لگے
ڈر سے کماں کشوں کے جگر کانپنے لگے
پیچھے ہٹے کھڑے تھے جو ظالم بڑھے ہوئے

اللہ ری زد گزرتا تھا ہنگامِ دار و گیر
کرتے تھے واہ واہ صفوں میں جوان و پیر
روحِ علی یہ کہتی تھی پاس آن آن کے

شہ کے غضب سے چاہتی تھی ہر کماں اماں
دیتے نہ تھے کسی کو امامِ زماں اماں
جب شاہ حملہ کرتے تھے شیرِ خدا کی طرح

کہتا تھا ہاتھ جوڑ کے یوں کوئی پُر غرور
موقوف کر جلال کو اے کبریا کے نور
آنکھیں ہم اپنی دور سے قدموں پہ ملتے ہیں

اے نورِ چشمِ احمدِ مختار رحم کر
اے امتِ نبی کے مددگار رحم کر
اے نوحِ عصر ہم سے نہ تو انتقام لے

قبضے میں ماہِ نو کو کیا آفتاب نے
تا کا خطا کو تیرِ نگہ سے صواب نے
نکلا عقابِ تیر تو پر تولنے لگا

اک ہاتھ راست کر کے کیا دوسرے کو خم
آواز دی کماں نے زہے شاہِ باکرم
واں تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

نیزے مثالِ شاخِ شجر کانپنے لگے
گو ترکشوں میں تیر تھے پر کانپنے لگے
گوشوں سے خود اُتر گئے چلّے چڑھے ہوئے

سو دل سے مثلِ رشتۂ تسبیح ایک تیر
بازو کو چومتے تھے رسولِ فلک سریر
صدقے ہر ایک تیر کے قرباں کماں کے

مضطر زمیں تھی مانگتا تھا آسماں اماں
ہر صف میں تھا یہ شور کہ مولا اماں اماں
دانتوں میں خس پکڑتے تھے سب کہربا کی طرح

اس وقت رحم اپنے غلاموں پہ ہے ضرور
صدقہ علی کی روح کا اب بخشیے قصور
تلوار روکیے کہ بس اب دم نکلتے ہیں

اے یادگارِ حیدرِ کرّار رحم کر
اے بحرِ غیظِ حضرتِ قہّار رحم کر
اُمّت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے

ای افتخارِ حضرتِ آدم پناہ دے
ای فخرِ نوح و عیسیِ مریم پناہ دے
مولا تجھے قسم ہی رسولِ کبیر کی
اس غیظ میں سُنا جو بزرگوں کا شہ نے نام
گردن پھرا کے یاس سے دیکھا سوے خیام
آنکھوں کو بند کر کے فرس ہانپنے لگا
لڑنے میں تھا نہ آپ کو کچھ پیاس کا خیال
آئی صدائے حضرتِ محبوبِ ذو الجلال
سمجھا تھا میں کہ اب مری اُمّت تمام ہی
صبر و رضا و حلم کا رتبہ دکھا دیا
نانا کا خُلق زور پدر کا دکھا دیا
باطل شقاوت و حسد و کینہ ہو گیا
شبیر واہ کیوں نہ ہو کس کا پسر ہی تو
کھولا ہی جس کو حق نے وہ رحمت کا در ہی تو
اُمّت کے ظلم سہتے ہو نانا سے چھوٹ کر
کیسی ہوا جہان کی بے اعتدال ہی
سائے سے جس نہال کے طوبےٰ نہال ہی
میں جن کی فکر میں کبھی سویا نہ چین سے
فاقوں میں جن کے واسطے باندھا شکم پہ سنگ
کیونکر نہ ہو یہ غنچہ دہن زیست ہے یہ تنگ
بچپن سے میں نثار ہوں اس نورِ عین کے

ای زیبِ بخشِ عرشِ معظم پناہ دے
ای باعثِ پناہِ دو عالم پناہ دے
چمکا نہ ذو الفقار جناب امیر کی
صدمہ ہوا یہ دل کو کہ رونے لگے امام
تھاما جگر کو ہاتھوں سے اور چھوڑ دی لگام
روکی جو ذو الفقار بدن کانپنے لگا
رکھ دی جو تیغ ہاتھ سے جی ہو گیا نڈھال
تو صابروں کا فخر ہی ای فاطمہ کے لال
یہ جبر اختیار یہ تیرا ہی کام ہی
دم میں ہزار طرح کا جلوہ دکھا دیا
خالق کے رحم و قہر کا نقشہ دکھا دیا
ایسی جلا ہوئی کہ حق آئینہ ہو گیا
حقا کہ آسمانِ شرف کا قمر ہی تو
میں اصل جس شجر کی ہوں اس کا ثمر ہی تو
کیا ان کو پھل ملے گا مرا باغ لوٹ کر
سرسبز سب ہیں باغ مرا پایمال ہی
مرجھا گیا ہی دھوپ سے اس کا یہ حال ہی
پانی انھیں عزیز ہی میرے حسین سے
ان دشمنوں نے لال کا میرے کیا یہ ننگ
اک فاقہ کش نحیف ہے یہ صف کشی یہ جنگ
میر گلا بھی ساتھ کٹے گا حسین کے

روکر کہا حسین نے یا سیّدِ عرب
لڑنا کبھی نہ ان سے یہ مظلوم و تشنہ لب
فریاد ہو کہ مجھ کو ستایا ہے بے سبب
للہ لیتے چلیے مجھے ساتھ اپنے اب
دشمن ہوا ہے سارا زمانا غلام کا
امت میں اب نہیں ہے ٹھکانا غلام کا

جس دن سے آپ اُٹھ گئے پایا نہ میں نے چین
سب گھر تباہ ہو گیا یا شاہِ مشرقین
پیری میں چھٹ گیا علی اکبر سا نورِ عین
کب تک جہاں میں ٹھوکریں کھایا کرے حسین
پھیلا کے پاؤں خاک پہ سونا نصیب ہو
راحت ملے جو قبر کا کونا نصیب ہو

یہ کہتے تھے کہ فوج ستمگر پھر آگئی
خیر النسا کے چاند پہ بدلی سی چھا گئی
بھائی جو گھر گیا تو بہن بلبلا گئی
فریادِ فاطمہ کی فلک تک صدا گئی
یاں گھر نبی کی آل کا بے نور ہو گیا
زخموں سے واں تنِ شہِ دیں چور ہو گیا

یاں اک تنِ ضعیف اُدھر لاکھ نابکار
تیروں کے زخم تیغوں کے پھل برچھیوں کے وار
سینہ شکستہ پسلیاں مجروح سر فگار
کیا درد کا حساب جراحت کا کیا شمار
یوں تو دل و جگر کے بھی جانکاہ زخم تھے
تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے

حربے ہزارہا کسے روکے کسے بچائے
بے یار و آشنا کسے ڈھونڈے کسے بلائے
دکھ میں سپر ہو کون حمایت کو کون آئے
کیا وقت ہے نبی کے نواسے پہ ہائے ہائے
جھکتے ہیں زیں پہ منہ سے لہو ڈال ڈال کے
گھوڑے سے غش میں کون اُتارے سنبھال کے

گھوڑے سے گاہ غش میں ادھر گہ اُدھر جھکے
تیغیں چلیں جدھر کو شہِ بحر و بر جھکے
سیدھے ہوئے کبھی کبھی پکڑے جگر جھکے
تھامی کبھی ایال کبھی زیں پر جھکے
صدمہ جو تھا بہن کے نکلنے کا شاہ کو
گردن پھرا کے دیکھتے تھے خیمہ گاہ کو

ہنگامِ عصر تھا کہ شہِ نیک خو گرے
زخموں سے لڑکے قطرۂ خوں چار سو گرے
کیا سنبھلے جس کے زخموں سے بہروں لہو گرے
سجدے کا اشتیاق جو تھا قبلہ رو گرے
آنکھیں تھیں بند جلوۂ حق تھا نگاہ میں
گرتے ہی محو ہو گئے یادِ الٰہ میں

اعدا میں غل ہوا کہ ہماری ظفر ہوئی
زینب ردا کو پھینک کے عریاں سر ہوئی
ہی ہی کوئی نہیں شہِ والا کی لاش پر

مسند پہ شہ کی لوٹتی تھی کوئی سوگوار
چلاتی تھی کوئی مرے سید ترے نثار
غل تھا فلک نے دفترِ دنیا الٹ دیا

دیکھا یہ ذوالجناح کا سیدانیوں نے حال
گردن پہ اس طرح سے ہی بکھری ہوئی ایال
روتا ہی یوں وہ غم میں شہِ نامدار کے

دنیا نظر میں بیبیوں کی ہوگئی سیاہ
عابد پکارے ہائے غضب گھر ہوا تباہ
بتلا سوارِ دوشِ پیمبر کو کیا کیا

زیں سے ترے رسول کا پیارا کہاں گرا
وہ عرشِ کبریا کا ستارا کہاں گرا
سایہ ہی کچھ کہ لاش ہی جلتی زمین پر

سر خاک پر پٹک کے پکارا وہ راہوار
جلدی اتار لو یہ تبرک یہ ذوالفقار
زہرا قریبِ لاشِ پسر خاک اڑاتی ہی

راوی رقم یہ کرتا ہی احوالِ رزمگاہ
خنجر ادھر تو شمر نے رکھا گلے پہ آہ
زانو دھرا جو سینہ پہ ایذا سوا ہوئی

گھوڑے سے لو حسین گرے جنگ سر ہوئی
چلائی یوں سکینہ کہ میں بے پدر ہوئی
اماں بس اب چلو مرے بابا کی لاش پر

ہی ہی کا شور تھا کہ قیامت تھی آشکار
ڈیوڑھی پہ آکے گر پڑے سجادِ دل فگار
فضہ نے خیمہ گاہ کا پردا الٹ دیا

خالی ہی زین اور ہی ماتھا لہو سے لال
جس طرح کھولتی ہی زنِ سوگوار بال
جیسے پسر کو روتی ہی ماں ڈاڑھیں مار کے

سمجھے یہ سب کہ قتل ہوا فاطمہ کا ماہ
چلائی بنتِ فاطمہ اے ذوالجناحِ شاہ
ہی ہی مرے غریب برادر کو کیا کیا

دو دن کی بھوک پیاس کا مارا کہاں گرا
آقا ترا امام ہمارا کہاں گرا
لتھڑے یہ کس کے خون سے ہیں تیرے زین پر

سیدانیو بچھڑ گیا مجھ سے مرا سوار
کٹتا ہی واں گلوئے شہنشاہِ نامدار
خیمے میں جاؤ لوٹنے کو فوج آتی ہی

دن ہوگا تین چار گھڑی وقتِ قتلِ شاہ
آندھی اٹھی کہ سارا جہاں ہوگیا تباہ
غل تھا کہ لو قیامتِ کبرا بپا ہوئی

تھا غش میں قبلہ رو وہ دو عالم کا مقتدا — سجدہ بھی اس ولی کو نہ کرنے دیا ذرا
گردن پہ تیغ اور لبوں پر یہ تھی دعا — وا جعفرا آہ وا ابتا وا محمدا
صدمے ہوئے رگوں پہ جو خنجر کی دھار کے — چپ ہو گئے نبی و علی کو پکار کے

اس حشر میں خیام کی جانب جو کی نظر — دیکھا وہ سانحہ کہ نہ دیکھے کوئی بشر
نکلی حرم سے ایک ضعیفہ برہنہ سر — چہرہ تو آفتاب سا اور کان میں گہر
چادر نہ اضطراب میں تھی جسم پاک پر — تھا اک سر انور دوش پہ اور ایک خاک پر

چلاتی تھی ارے کوئی رستہ مجھے بتائے — کچھ سوجھتا نہیں یہ ضعیفہ کدھر کو جائے
اکبر کہاں ہے ہاتھ مرا تھامنے کو آئے — بھائی سے چھوٹتی ہے بہن ہائے ہائے ہائے
مہماں کیا تھا بادشہ مشرقین کو — اے کربلا تجھی سے میں لونگی حسین کو

اے نہر پیاس سے مرا بھائی ہے بے قرار — اے دشت گر وہیں نہ بھرے شہ کا جسم زار
اے نینوا حسین کے لاشے سے ہوشیار — اے خاک پاک حرمت مہماں نگاہدار
اے طائرو نہ دھوپ ہو بھائی کی لاش پر — سایہ کرو پروں کا تن پاش پاش پر

طے کر چکی تھی نصف مسافت وہ سوگوار — آئی صدائے حضرت خاتون روزگار
بیٹی ملے گا اب نہ محمد کا یادگار — پھر جا خدا کے واسطے پھر جا ترے نثار
تن سے جدا سر پسر فاطمہ ہوا — اب آکے کیا کرے گی یہاں خاتمہ ہوا

گھبرا کے اس نے جانب مقتل جو کی نظر — دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری یہ پیٹ کر — میں لٹ گئی پھوپی مرے بابا کا ہے یہ سر
زلفیں لہو بھری ہوئی رخ پر لٹکتی ہیں — ہے ہر رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

خاموش اے انیس جگر ہو گیا دو نیم — کام آئے گی یہ مدح بروز امید و بیم
حسرت کا غم نہ کھا کہ ہے آقا ترا کریم — اب جا یہاں سے روضۂ سرور پہ ہو مقیم
حاصل حضوری شہ گردوں اساس ہو — ہے وہ غلام خاص جو آقا کے پاس ہو

مرثیہ ۲۱

جب تیغِ یداللہ کھنچی دشتِ وغا میں
چمکے جو شرر چار طرف اُڑ کے ہوا میں
سایہ جو پڑا تیغِ دو پیکر کا زمیں پر
خورشید کو رعشہ ہوا کانپا فلکِ پیر
آنکھوں کے تلے پھرنے لگی موت کی تصویر
غل تھا کہ اُلٹتا ہے زمانہ کوئی دم میں
جبریل کو چلانے لگے عرش کے حامل
کہتے تھے سرافیل کہ قابو میں نہیں دل
کونین سے ضربِ شہِ عالم نہ رُکے گی
برہم تھی جو طبعِ پسرِ سیدِ لولاک
گھبرا کے نظر کرتے تھے عیسےٰ طرفِ خاک
سر چرخ پہ آپہونچا ہے شمشیرِ دو سر کا
سکانِ سمٰوات میں برپا تھا ادھر غل
معشوق کو تھا صبر نہ عاشق کو تحمل
تاریک تھا دل تاب کسی دل کو نہیں تھی
تھا خوف کے عالم میں ہر اک بند کا آزاد
غنچوں کے چٹکنے میں نکلتی تھی یہ فریاد
ناحق گلِ زہرا پہ جفا ہوتی ہے کل سے

اک برقِ غضب کوند گئی ارض و سما میں
اعدا میں ہوا غل کہ گھرے قہرِ خدا میں
جبریلِ امیں کانپ گئے عرشِ بریں پر
رنگِ رُخِ جلادِ فلک ہو گیا تغئیر
تھرا کے عطارد نے صدا دی کہ چلا تیر
چھپتا تھا قلم لوح میں اور لوح قلم میں
کرسی کو سنبھالو کہ قیامت ہوئی نازل
ہے قہرِ الٰہی غضبِ سرورِ عادل
یہ تیغ وہ بجلی ہے کہ اک دم نہ رُکے گی
سیاروں پہ ثابت تھا کہ اب گرتے ہیں افلاک
ڈر تھا سپرِ مہر نہ ہو جائے کہیں چاک
شق ہوئے نہ سینہ کہیں پھر آج قمر کا
رو رو کے ادھر ہوتا تھا گیتی کو تزلزل
گلشن پہ اُداسی تھی جدا تھے گل و بلبل
پروانہ کہیں جلتا تھا اور شمع کہیں تھی
شمشاد کی قمری کو فراموش ہوئی یاد
ہے ہے چمنِ کن فیکوں ہوتا ہے برباد
باغی نہیں بر آنے کے اس تیغ کے پھل سے

اُڑنے سے پرندوں کے جہاں ہو گیا اندھیر
چیتوں میں یہ غل تھا کہ قیامت میں نہیں دیر
پھر جان کہاں آ گئے سایہ میں گر اس کے
لرزاں تھا ہر ایک خوفِ شہِ جن و بشر سے
ہیبت تھی کہ اژدر بھی نکل آئے تھے ڈر سے
شمشیرِ شرربار سے منہ سب کے مُڑتے تھے

ہر بحر میں طوفاں تھا تو ہر بر میں تلاطم
جنت میں تزلزل تھا تو کوثر میں تلاطم
جو خاک نشیں تھا وہ ہراساں اُٹھا تھا
سب ارکنِ افلاک و زمیں کانپ رہے تھے
ہلتا تھا نجف رُکن رکیں کانپ رہے تھے
اللہ رے ڈر ضربتِ اولادِ علی کا

کس شان سے تولے ہوئے شمشیرِ شرربار
ہے چہرۂ نورانیِ مولا سے نمودار
عالم شبِ معراج کا دکھلاتی ہیں زلفیں
شمشیر کی ناہیں ہیں کہ ماتھے پہ شکن ہے
وہ چشمِ سیہ آہوئے صحرائے ختن ہے
گہہ شامِ مصیبت ہے گہے صبحِ طرب ہے

کچھ دھوپ سے کچھ غیظ سے تھے سرخ جو رخسار
دینے تھے جو دانتوں کے تلے لعلِ گہربار
مختارِ دو عالم کے جہاں زیرِ نگیں تھا

تھا عالمِ وحشت یہ ہرن ہو گئے تھے شیر
تھا گو کہ چمکتی ہے یداللہ کی شمشیر
ہستی کو جلا دیویں گے دم میں شرر اس کے
فریاد کی آتی تھی صدا سنگ و شجر سے
جنات کی جانوں پہ بنی جان گئے ڈر سے
اڑ سکتی نہ تھیں ہوش یہ پریوں کے اُڑے تھے

تھا شور جزیروں میں سمندر میں تلاطم
برپا تھا نبی جان کے لشکر میں تلاطم
آبِ دمِ شمشیر سے طوفان اُٹھا تھا
لرزہ تھا مکانوں کو مکیں کانپ رہے تھے
تھے امن میں پر روحِ امیں کانپ رہے تھے
غل فرش سے تھا عرش تلک نادِ علی کا

میدانِ شہادت میں کھڑے ہیں شہِ ابرار
اجلالِ محمد غضبِ حیدرِ کرّار
غیظ آتا ہے سرور کو تو بل کھاتی ہیں زلفیں
ابرو جو کماں ہے تو مژہ تیرِ فگن ہے
غصّے سے جو ہو سرخ تو پھر شیرِ ہرن ہے
رحمت ہے سپیدی میں سیاہی میں غضب ہے

تھا صاف شفق سے گلِ خورشید نمودار
تھے پرچۂ یاقوت میں گویا دُرِ شہوار
یہ نقش سلیماں کی بھی خاتم پہ نہیں تھا

وہ ریشِ مطہر کی سپیدی وہ سیاہی
وہی بھی زمانے کی دورنگی پہ گواہی
یہ آئینۂ جسم پہ تھی گردِ تباہی
تھیں بازوؤں میں مچھلیاں ہر رنگ میں ماہی
مانندِ یداللہ لڑائی پہ تلے تھے
جو عقدۂ مشکل انہیں ہاتھوں سے کھلے تھے

تو قبضے پہ ہے دستِ زبردست شہنشاہ
جن کی رگ و پے میں ہے بھرا زورِ یداللہ
غیر از یدِ قدرت کوئی اس سے نہیں آگاہ
گر کوہِ گراں ہو تو اکھاڑیں صفتِ کاہ
بھاری ہے یہ گر سارا جہاں جنگ پہ تل جائے
زور اس کا ہے گر قلعۂ خیبر ہو تو کھل جائے

اعدا بھی ہیں چپ شمعِ رسالت بھی ہے خاموش
سینے میں تلاطم ہے شجاعت کا ہے یہ جوش
تیرِ نگہِ شہ سے جوانوں میں نہیں ہوش
چھپ جاتے ہیں ڈھالوں کی سیاہی میں زرہ پوش
جوہر نظر آتے ہیں جو اس تیغِ دو دم کے
پانی ہوئے جاتے ہیں جگر اہلِ ستم کے

تولے ہوئے شمشیر کو پڑھتے ہیں یہ اشعار
دنیا بھی ہے بے مہر زمانہ بھی ہے غدّار
تف تجھ پہ ہے اے دہرِ ستمگار و جفاکار
بیدل ترے اس سفلہ پرستی سے ہیں بیزار
زہرا سے محمد سے علی سے نہ وفا کی
شاکی رہے سب تو نے کسی سے نہ وفا کی

تو نے غمِ فرزند میں آدم کو رلایا
عیسیٰ نے جہاں میں کوئی دم چین نہ پایا
خنجر سے لہو حضرتِ یحییٰ کا بہایا
کس چاہ میں یعقوب سے یوسف کو چھڑایا
وہ کون سے دکھ تھے جو دکھائے نہیں تو نے
کیا کیا کنوئیں پیری میں جھکائے نہیں تو نے

توڑے درِ دندانِ نبی سنگِ جفا سے
مسجد ہوئی تر خونِ سرِ شیرِ خدا سے
فرصت نہ ملی فاطمہ کو رنج و بلا سے
ٹکڑے ہوا شبّر کا جگر زہرِ دغا سے
باقی تھا فقط میں سو عزیزوں سے چھٹا ہوں
پانی کو ترستا ہوں غریبی میں لٹا ہوں

فرما کے یہ اعدا کو پکارے شہِ ذی جاہ
اب جنگ میں کیا دیر ہے اے فرقۂ گمراہ
شاید مری قوت سے ابھی تم نہیں آگاہ
رستم تو یہاں زال ہے اور شیر ہے روباہ
تلوار کا مالک ہوں ولی ابنِ ولی ہوں
جرأت مرا حصہ ہے کہ فرزندِ علی ہوں

عاقل ہو تو مکار کی باتوں پہ نہ جاؤ
صابر ہوں میں صابر کو نہ تم غیظ میں لاؤ
دم میں غضب آجائے گا دیکھو نہ ستاؤ
جینا ہو تو ہٹ جاؤ جو مرنا ہو تو آؤ
خیر اپنے سروں کی جو ہو منظور تو سر کو
دیکھو ابھی ٹکڑے ہوئے ہوں تیغ دوسر کو

مجھ سا کوئی گر اور ہو تم لوگوں کا رہبر
بہتر ہے پھرا دو مرے اس حلق پہ خنجر
امت کے جو کام آئے تو حاضر ہے مرا سر
پر میرے سوا کوئی نہیں سبط پیمبر
کھو کر مجھے ڈھونڈوگے تو فریاد کروگے
جب میں نہ ملوں گا تو بہت یاد کروگے

جو زندہ ہے قدر اس کی کسی کو نہیں زنہار
زندوں سے کچھ ان مردہ پسندوں کو نہیں کار
عبرت کی ہے جا فاعتبروا یا اولی الابصار
سو جاتا ہے جب وہ تو یہ سب ہوتے ہیں بیدار
روئے تو اسے کیا جو ثنا کی تو اسے کیا
تعریف اگر بعد فنا کی تو اسے کیا

گر زیست میں فاقہ ہو تو غم کوئی نہ کھائے
اور وقت مصیبت میں کوئی پاس نہ آئے
یوں پیاس میں لا کر کوئی پانی نہ پلائے
اور بعد فنا فاتحہ شربت پہ دلائے
پروا نہیں پیوند ہو گر رخت بدن میں
مرتے ہیں بس اس پر کہ تکلف ہو کفن میں

یوں ہاتھ نہ اٹھائیں جو گرے بندۂ معبود
تابوت کو دینا ہو جو کاندھا تو ہیں موجود
یوں جانتے ہیں قرض حسن دینے کو بے سود
زر صرف ہو میت پہ جو ماتم میں تو خوشنود
یوں بھول کے بھی ذکر نہیں کرتے ہیں اس کا
مرجاتا ہے جب کوئی تو دم بھرتے ہیں اس کا

ہشیار ہو اے قوم کہ دنیا ہے گزرگاہ
رہتا ہے گدا اس میں ہمیشہ نہ شہنشاہ
کیا مرحلۂ صعب ہے العظمۃ للّٰہ
تھراتے ہیں ہم سب بھی وہ پرخوف ہے یہ راہ
بے خوف ہیں وہ جن کو تولّائے علی ہے
ہاں زاد سفر دوستی آل نبی ہے

کچھ دن بشر اس خانۂ دنیا میں ہے مہماں
دست ملک الموت میں ہے سب کا گریباں
زندوں میں ہیں گر آج تو کل ہوویں گے بیجاں
پہلے سے ہے لازم سفر مرگ کا ساماں
اعمال و عقائد میں نہ ہرگز خلل آئے
کیا جانیے کس وقت پیام اجل آئے

کچھ وقت معین نہیں انساں کی اجل کا
بندہ وہ ہے پابند رہے نیک عمل کا
کیا خاک کا بوجھ اس کے لیے قبر میں کم ہے
لو پند بھی آخر ہے نصیحت بھی ہوئی ختم
اُلفت بھی مروّت بھی محبت بھی ہوئی ختم
دل سخت ہیں فولاد یہ جوہر ہیں تمھارے
بے قتل نہ مجھے چین کب آتا ہے خبردار!
فرزندِ امیرِ عرب آتا ہے خبردار!
فوجوں کی صفیں دم میں اُلٹ دیتا ہوں آ کے
خالق نے مرے قوتِ حیدر مجھے دی ہے
مختار نے مختاری کوثر مجھے دی ہے
کھل جائے گی دم میں رَوِش اس تیغِ دوسر کی
غصّے میں مرے طور ہیں سب قہرِ خدا کے
بچتا نہیں تلوار ہماری کوئی کھا کے
کس معرکہ میں تیغ کو تولا نہیں ہم نے
تم نار ہو میں نورِ خدائے دو جہاں ہوں
تم جنگ میں روباہ ہو میں شیرِ ژیاں ہوں
لاکھوں ہوں تو ہے فتح بہر کیف ہماری
اس تیغ سے رستم سا دلاور نہیں بچتا
مغفر نہ رہا فرق پہ جب سر نہیں بچتا
بجلی ہے یہ رکنے کبھی دیکھا نہیں اس کو

آج اُٹھ گئے وہ کرتے تھے سامان جو کل کا
پلّہ وہی بھاری ہے جو ہو جرم سے ہلکا
ہو اور گناہوں کی گرانی تو ستم ہے
حجت مجھے منظور تھی حجت بھی ہوئی ختم
لو بابِ ترحم کی عبارت بھی ہوئی ختم
اب تیغ ہے اللہ ہے اور سر ہیں تمھارے
سب فوج پہ ادبار اب آتا ہے خبردار!
لشکر پہ خدا کا غضب آتا ہے خبردار!
دیکھوں تو کہاں جاتے ہو بچ کے قضا کے
فیاض نے توقیرِ پیمبر مجھے دی ہے
کرّار نے شمشیرِ دو پیکر مجھے دی ہے
کنجی تو مرے ہاتھ میں ہے فتح وظفر کی
غارت ہو نظر جس پہ کروں غیظ میں آ کے
ناخن میں ہمارے ہیں ہنر عقدہ کشا کے
تھا کون سا وہ بند جو کھولا نہیں ہم نے
تم ننگ جہاں ہیں شرفِ کون و مکاں ہوں
تم کاہ سے کمزور ہو میں کوہِ گراں ہوں
کرتی ہے صفیں صاف صدا سیف ہماری
تن سے جو یہ چلتی ہے تو مغفر نہیں بچتا
سر کیا ہے کہ اک ضرب میں پیکر نہیں بچتا
گر ہوں پرِ جبریل تو پروا نہیں اس کو

لاسیف اسی حجتِ قاطع کی ثنا ہے
یہ لشکرِ باغی کے لیے دارِ فنا ہے
جوہر ہیں جو ہے فتح تو قبضے میں ظفر ہے
فخرِ عرب و روم و عجم کی ہے یہ تلوار
کاٹ اس میں غضب کا ہے ستم کی ہے یہ تلوار
ہلتی تھی زمیں ہاتھ جو قبضے پہ دھرا تھا
پائی نہ اماں لشکرِ صفین و جمل نے
نہ لات نے مرحب کو بچایا نہ ہبل نے
گر پاس نہ ہوتا پرِ جبریلِ امیں کا
جس وقت سرِ چاہ علی کے قدم آئے
فریاد کناں ساکنِ بیرالالم آئے
دیکھے گا سزا پھر اگر اس راہ سے نکلیں
اک ہاتھ میں دو ہونگی سنانوں کو بچاؤ
مت جائے گی یہ شان نشانوں کو بچاؤ
رکتی ہے نہ جوشن پہ نہ تھمتی ہے کمر پہ
بے جان لیے خانۂ تن سے نہیں پھرتی
کچھ ہو یہ شجاعت کے چلن سے نہیں پھرتی
منہ خود و زرہ سے کبھی موڑا نہیں اس نے
بیٹھی ہے تو سر تن سے جدا کر کے اٹھی ہے
کافر گئے سراپا کو دو تا کر کے اٹھی ہے
چمکی ہے یہ جس دم تو صفیں چاٹ گئی ہے

آسیب سے کیا سیب سے پھل اس کا بنا ہے
سائے میں جو اس تیغ کے آیا وہ فنا ہے
دشمن کے لیے تیغ ہے مومن کی سپر ہے
کاٹے ہیں نشاں جس نے علم کی ہے یہ تلوار
مثلِ مہِ نو بدر میں چمکی ہے یہ تلوار
خندق کو اسی تیغ نے لاشوں سے بھرا تھا
عنتر کو جلایا ہے اسی تیغِ اجل نے
کاٹا شجرِ کفر کو اس تیغ کے پھل نے
ملتا نہ پتا زیرِ زمیں گاوِ زمیں کا
جنات ہزاروں تہِ تیغِ دودم آئے
یا شیرِ خدا دینِ محمد میں ہم آئے
یوسف کی قسم لو جو کبھی چاہ سے نکلیں
ڈھونڈو نہ کہیں گاہ کمانوں کو بچاؤ
جب جائیں کہ اس تیغ سے جانوں کو بچاؤ
یہ مرگِ مفاجات سے جلد آتی ہے سر پہ
بے صاف کیے فوج کو رن سے نہیں پھرتی
بے سیرِ گلِ زخم بدن سے نہیں پھرتی
دشمن کو کبھی جنگ میں چھوڑا نہیں اس نے
دشمن کو اشارے میں فنا کر کے اٹھی ہے
ہر معرکہ میں حشر بپا کر کے اٹھی ہے
اک ہاتھ میں سو سو کے گلے کاٹ گئی ہے

پڑھ کر یہ رجز شام کے بادل میں در آئے
بے دینوں کے دل ہل گئے جس دل میں در آئے
تھرّا گیا میداں کہ ہزبرِ اَحَد آیا

اعدا کے سروں پر جو وہ تیغِ دو سر آئی
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی اُدھر آئی
دستانے میں یوں کاٹ گئی دستِ ستم کو

بے دست اک صف تھی تو بے سر تھا اک غول
شمشیرِ دو دستی نے نکالی تھی نئی تول
اس تیغ سے فولاد کا دل نرم ہوا تھا

چار آئنہ والوں کو نہ تھا تیغ سے چارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب چلّہ کشی عہد شکن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے

تولے ہوئے بھالوں کو جفا کار تھے ہر چند
کیا روکتے تیروں کو جوانانِ تنومند
بیرق تھے نہ بھالے تھے نہ پرچم نہ علم تھا

دم کی تھی دعا شاہ نے کیا تیغِ دو دم پر
گردن سے جو سینے پہ تو سینے سے شکم پر
جوشن میں فتوحی میں نہ بکتر میں نہ زیں پر

چمکا کے فرس کو صفِ اوّل میں در آئے
اک شیر سے تلواروں کے جنگل میں در آئے
لشکر میں پڑا شور کہ بھاگو اسد آیا

اک تیز چھری تھی کہ کلیجوں میں در آئی
دو ہو گئی جب تیغ کے نیچے سپر آئی
جس طرح سے کاٹے کوئی جلدی میں قلم کو

خود اُلٹے ہوئے خاک پہ تھے صورتِ کشکول
سر بکتے تھے ارزاں پہ نہ لیتا تھا کوئی مول
تن سرد تھے بازارِ اجل گرم ہوا تھا

چورنگ تھے سینے تو کلیجے تھے دوپارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
بیہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
چلّاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

تھی عقدہ کشا تیغ نہ بندھتا تھا کوئی بند
تھا شیرِ نیستاں اسداللہ کا فرزند
اک ہاتھ میں ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

نے خود پہ رکتی تھی نہ تھمتی تھی جھلم پر
توسن سے رکابوں پہ رکابوں سے قدم پر
سُم کاٹ کے گھوڑے کے جو دیکھا تو زمیں پر

غل تھا کہ زمانے میں نہیں صف شکن ایسا
دنیا میں لڑا ہے کوئی تشنہ دہن ایسا
سکہ نہ ہو کیوں ضربِ شجاعِ ازلی کا

نیزوں کو ہلاتے تھے جو رہواروں پہ تن کے
جنگل میں چھپے آ کے وہاں شیر جو بن کے
صفدر نے جواں مردوں کے دل توڑ دیئے تھے

انبار تن و سر کے سراسر تھے زمیں پر
کاٹے ہوئے ہتھیار برابر تھے زمیں پر
بیجاں کہیں وہ اہلِ ستم ساتھ بڑھے تھے

کس سر پہ چڑھی تیغ کہ توسن سے نہ اُتری
بے جان لئے جسمِ تہمتن سے نہ اُتری
دشمن کو نہ زندہ کسی جا موت نے چھوڑا

چلتی تھی چپ و راست جو شمشیرِ دو دھاری
خنجر تھے گلوں پر تو کلیجوں پہ کٹاری
نوکیں جو پڑیں دل پہ کسی بانیِ شر کے

افعی کی طرح منہ سے نکالے تھی زباں تیغ
گرتی تھی جھک کر کبھی یاں اور کبھی واں تیغ
قبضے میں جو سب فوج تھی اس تیغِ دوسر کے

غل تھا کہ نہ ڈھالوں سے یہ تلوار رکے گی
سو بار گرے گی پہ نہ اک بار رکے گی
انگشتِ قضا کہتے ہیں اس تیغ کے پھل کو

تلوار جو ایسی ہو تو ہو تیغ زن ایسا
کچھ حرف شکایت کا نہ آئے چلن ایسا
کونین میں ہے نام حسین ابنِ علی کا

ٹکڑے بھی زمیں پر نہ ملے اُن کے بدن کے
بھاگے وہ ہرن ہو کے بہادر تھے جو رن کے
نیزوں کے دمِ تیغ نے منہ موڑ دیئے تھے

تن تھے کسی جا اور کہیں سر تھے زمیں پر
جوشن کہیں ٹکڑے کہیں مغفر تھے زمیں پر
ریتی پہ کہیں پاؤں کہیں ہاتھ پڑے تھے

وہ کونسا توسن تھا کہ پیٹن سے نہ اُتری
اُتری جو نہ وہ موت بھی گردوں سے نہ اُتری
تیغ اُتری کمر سے تو گلا موت نے چھوڑا

ریتی پہ تڑپتی تھی دو رستہ صفِ ناری
کٹ کٹ گئیں تیغیں ستم آرا ہوئے عاری
دو برچھی کے پھل پار ہوئے ایک جگر کے

ہر دم صفِ کفار پہ تھی شعلہ فشاں تیغ
چھینے تھے جفا جو پہ نہ دیتی تھی اماں تیغ
بچ سکتے تھے دشمن نہ ادھر کے نہ اُدھر کے

روکے سے نہ یہ برقِ شرربار رکے گی
برقِ غضبِ ایزدِ قہار رکے گی؟
سر پر کبھی آتے نہیں دیکھا ہے اجل کو

تاب ایسی کہ لشکر کو پریشاں کیا جس نے
دم ایسا کہ سب فوج کو بیجاں کیا جس نے
سر سیکڑوں کاٹے تھے پہ نگا اس کا ہرا تھا
قبضہ وہ جسے رکھتے تھے قبضے میں ید اللہ
جوہر وہ کہ ہر فردِ بشر جس سے ہوا آگاہ

باڑھ ایسی مقابل کبھی دریا نہیں جس سے
مومن کے لیئے نور ہے کافر کے لیئے نار
اعجاز تو دیکھو کہیں راحت کہیں آزار
دم بند تھے وحشت سے شجاعانِ جہاں کے

ناری کو سقر تک کبھی پہونچا کے پھر آئی
ناگن کی طرح سن سے کبھی جا کے پھر آئی
غل تھا کبھی یوں تیغ کو چلتے نہیں دیکھا
خوں ناریوں کا چاٹ کے گرمائی ہوئی تھی
دریا کی طرف جانے پہ لہرائی ہوئی تھی
منہ کیا تھا کہ اک قہر تھا خم تھا کہ غضب تھا

دو کر کے سر و صدر و شکم ناف سے نکلی
بجلی سی جو چار آئنہ صاف سے نکلی
چل جاتا تھا جب وار امامِ مدنی کا
جب تن کے چلی حال عدو غیر کر آئی
کشتوں کے تڑپنے کی کبھی سیر کر آئی
سب گھاٹ سے دنبالے تلک خون میں تر تھی

آب ایسی کہ خشکی میں یہ طوفاں کیا جس نے
زہر ایسا کہ جنگل کو گلستاں کیا جس نے
ہر ناب میں ناگن کی طرح زہر بھرا تھا
نابوں سے عیاں تھا کہ عدم کی ہے یہی راہ
قد آفتِ دوراں بُرِشِ الظلمۃ للہ

گھاٹ ایسا کہ جینا کوئی اُترا نہیں جس سے
یہ رنگ نیا تھا کہیں آتش کہیں گلزار
قدرت کا تماشا ہے کہیں گل تو کہیں خار
مسند وہ تھے سب سنتے وہاں امن و اماں کے

دیکھا کسی موذی کو تو بل کھا کے پھر آئی
جانا تھا کہ بس فوج پہ لہرا کے پھر آئی
افعی کو بھی یہ زہر اُگلتے نہیں دیکھا
بُجھتی جو نہ تھی پیاس تو جھنجلائی ہوئی تھی
سب فوج پہ اک برقِ غضب چھائی ہوئی تھی
لشکر کا لہو پی گئی دم تھا کہ غضب تھا

تعریف دلِ صاحب انصاف سے نکلی
یا فاتحِ خیبر کی صدا قاف سے نکلی
غل ہوتا تھا افلاک پہ اللہ غنی کا
جس صف پہ گری خاتمہ بالخیر کر آئی
دریا کی طرف خوں میں کبھی پیر کر آئی
تلوار نہ تھی ماہیِ دریائے ظفر تھی

وہ سیل جدھر آئی تلاطم نظر آیا
آنکھوں سے نہاں مجمعِ مردم نظر آیا
ہلچل میں سواروں کا پرا گم نظر آیا
جو تھا یہ سرِ زیں وہ تہِ سم نظر آیا
منھ کھول کے اژدر نے نوالہ کیا سب کو
بجلی کی تڑپ نے تہ و بالا کیا سب کو

دو شخصوں نے اک غول سے ہوار نکالے
اک ہاتھ میں نیزہ لیے اک تیغ سنبھالے
چار آئنہ بر میں سپریں کاندھوں پہ ڈالے
امداد کو پہنچے کئی سو برچھیوں والے
کس دھوم سے وارد سرِ میداں ہوئے دونوں
بڑھ بڑھ کے رجز جنگ کے خواہاں ہوئے دونوں

ایک ایک ستم پیشہ و سرہنگ و جفا جو
مغرور و سیہ کار و سیہ رنگ و سیہ رو
بدصورت و بدہیئت و بدسیرت و بدخو
سینے جو کشادہ تو قوی ساعد و بازو
پیاسے تھے لعیں خونِ امامِ ازلی کے
دونوں کو عداوت تھی گھرانے سے علی کے

برچھوں کو ہلاتے ہوئے آئے جو وہ بدکار
ہر گشت میں بھرتے تھے فرس صورتِ پرکار
شبدیز کو چمکا کے پکارے شہِ ابرار
آتی ہے اجل سر پہ خبردار خبردار
حافظ ہے خدا کچھ مجھے پروا نہیں جو ہو
یہ بھی ہو شگونِ نیک کہ پہلے ہی سے وہ ہو

یوں کہنے لگے طعن سے دونوں ستم ایجاد
حضرت بھی بلا لیں جسے چاہیں پئے امداد
فرمایا پکاروں کسے ہیں بے کس و ناشاد
اب تو نہ بھتیجا ہے نہ بھائی ہے نہ اولاد
سب مر گئے تنہا ہمیں لاکھوں میں کھڑے ہیں
یہ خاک پہ لاشے انھیں پیاروں کے پڑے ہیں

گو کوئی نہ بھائی نہ پسر ساتھ ہے میرے
ہاں ایک خدا آٹھ پہر ساتھ ہے میرے
میں سیفِ الٰہی ہوں ظفر ساتھ ہے میرے
ہمدم کی طرح تیغِ دوسر ساتھ ہے میرے
تم دونوں ہو کیا فتح کبھی پا نہیں سکتے
لاکھوں ہوں تو قبضے سے مرے جا نہیں سکتے

ناگاہ بڑھے تول کے نیزوں کو وہ خونریز
مہمیز جو کی برقِ مجسم ہوئے شبدیز
ٹاپوں سے ہلا دور تلک دشتِ بلا خیز
فولاد میں در آئیں سنانیں تھیں وہ سر تیز
آمد میں یہ دعویٰ تھا ہر اک بانیِ شر کو
نوکوں پہ اٹھا لیتے ہیں زہرا کے پسر کو

مکاروں نے دکھلائی بہت شعبدہ بازی
تھے عقل کے کوتاہ جو کی دست درازی
جو منہ پہ چڑھا خاک کا پیوند ہوا ہے
وار آپ نے جب دیکھئے ان کے کئی باری
تھی تیغ شہِ دیں غضبِ ایزدِ باری
نیزوں کی سناں کو دمِ شمشیر نے کاٹا

اک ضرب میں دونوں کے جو نیزے ہوئے بیکار
تیغیں جو چپ و راس سے چلنے لگیں اک بار
دونوں کو ڈرایا بھی نہ شمشیرِ دوسر سے
اک ضرب میں ہاتھ اس کا اڑا اور سپر اس کی
اس کو خبر اس کی تھی نہ اس کو خبر اس کی
گرمی میں لڑے تھے شہِ دلگیر سے دونوں

اک ہاتھ میں بیجاں ہوئے دونوں جو ستمگر
دعوے ہو تو دیکھے مری تلوار کے جوہر
دونوں کو اجل لائی تھی شمشیر کے منہ پر
ہاتھ ایسا جسے دستِ خدا کہئے تو حق ہے
جب چاہیں الٹ دیں کہ زمیں ایک ورق ہے
دیتے تھے دوہائی جو ہرے اہلِ جفا کے

ہر چند کہ بیٹوں کے تھے قاتل وہ ستمگار
بدعہد تھی کیا امّتِ غدّار و جفاکار
یاں رحم تھا اور امّتِ عاصی کی دغا تھی

دیکھا کئے ہنس ہنس کے شہنشاہِ حجازی
ہاتھ آتا ہے کب ابنِ ید اللہ سا غازی
نیزوں سے کہیں عقدہ کشا بند ہوا ہے
تھرّانے لگے ہاتھ پہ دہشت ہوئی طاری
کانپا جو کلیجا دو دلے ہو گئے ناری
غل تھا کہ سرِ شمع کو گلگیر نے کاٹا

تلواریں علم کرکے پھر آئے وہ ستمگار
روکے سپرِ حضرتِ حمزہ پہ وہ سب وار
پسپا ہوئے وہ خود تو بڑھے آپ ادھر سے
ڈوبا جو سر اس کا تو جدا تھی کمر اس کی
کی موت نے دعوت ادھر اس کی ادھر اس کی
ٹھنڈے ہوئے آبِ دمِ شمشیر سے دونوں

حضرت نے کہا اور بھی ہے کوئی دلاور
پھر تاب کسے تھی کہ مقابل ہو جو آ کر
صید آپ سے جاتا ہے کوئی شیر کے منہ پر
ضرب ایسی کہ جس ضرب سے دل کفر کا شق ہے
یہ سب ہے مگر آپ کو امّت کا قلق ہے
آنسو نکل آتے تھے امامِ دوسرا کے

مانگی جو اماں سب نے تو خود روک لی تلوار
یاں ہاتھ رکا واں سے ہوئی نیزوں کی بوچھار
واں صلح میں تھا مکر لڑائی میں دغا تھی

واں ظلم و ستم تھے ادھر الطاف و مدارا
باطل پہ وہ تھے حق پہ یداللہ کا پیارا
وہ خاک کے ذرّے تھے یہ تھا عرش کا تارا
واں لاکھ ستمگر ادھر اک پیاس کا مارا
واں قتل کا غل فوجِ مخالف میں اُٹھا تھا
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ ادھر شکرِ خدا تھا

سب سے پسرِ سعد یہ کہتا تھا کہ جاؤ
جلدی سرِ فرزندِ نبی کاٹ کے لاؤ
لینا ہے زرِ سُرخ تو خوں شہ کا بہاؤ
فرماتے تھے شبیر کہ حاضر ہوں میں آؤ
طوفاں سے کہیں کشتیِ تن پار اُتر جائے
سر تن سے جدا ہو تو بڑا بار اُتر جائے

نقصان مرا کیا ہے اگر تم نے دغا کی
جاگیرِ شہادت مجھے خالق نے عطا کی
اللہ سے وعدہ کیا جو اُس پہ وفا کی
میرا نہیں سر یہ تو امانت ہے خدا کی
سر دینے میں حجت نہیں تکرار نہیں ہے
ہم لوگوں کے اقرار میں انکار نہیں ہے

فرما کے یہ قبضے سے رکھا تیغ دو سر کو
لٹکا دیا ہرنے پہ دلاور نے سپر کو
پایا تھا جو تنہا شہِ مرداں کے پسر کو
بس گھیر لیا شام کے بادل نے قمر کو
لشکر کی سیاہی تھی کہ گھبرا گئے شبیر
سب فوج کی تیغوں کے تلے آ گئے شبیر

اک نور کو گھیرے ہوئے ظلمت نظر آئی
دن کو شبِ تیرہ کی علامت نظر آئی
خود شافعِ محشر پہ قیامت نظر آئی
قرآں کے بچنے کی نہ صورت نظر آئی
کٹتی تھیں رگیں ظلم کا دروازہ کھلا تھا
اجزائے تنِ پاک کا شیرازہ کھلا تھا

بُت گرد تھے اور بیچ میں وہ کعبۂ ایماں
تھا نوح پہ خشکی میں عجب طرح کا طوفاں
دو لاکھ دل آزار اور اک عیسیِ دوراں
کیا مورچہ بعدی تھی پئے قتلِ سلیماں
فرعونیوں کا حضرتِ عیسیٰ پہ ستم تھا
سب فوج کی تیغیں تھیں اور اک شاہ کا دم تھا

بیکس پہ ہزاروں جو چلے نیزے سے پہلو
غربال ہوا سینۂ شاہنشہِ خوش خو
نیزے جو برابر سے لگاتے تھے جفا جو
چھد جاتے تھے دونوں کبھی شانے کبھی بازو
بند آنکھیں کیے جھومتے تھے گھوڑے پہ ان میں
تلواروں کے پھل لگتے تھے اس چھل سے تن میں

پھولے ہیں گلِ زخم کوئی جا نہیں خالی
یوں کٹ کے لٹک آئے تھے دستِ شہِ عالی
جل کر جو پھر آئینگے نہیں باغِ جہاں میں

جب مارتا تھا سنگ دہن پر کوئی غدّار
پڑتی تھی قضا سے جو کوئی فرق پہ تلوار
چھدتا تھا جو تیروں سے جگر شاہِ زمن کا

تھا خون کا دریا جو ہر اک زخم سے جاری
پہلو پہ جو لگ جاتا تھا بھالا کوئی بھاری
مجروح سراپا جو امامِ دو جہاں تھے

یاں ایک تنِ زار ادھر سیکڑوں خونخوار
طاقت جو نہیں ہرنے پہ جھک جاتے ہیں ہر بار
سینے سے کوئی تیر نکالا نہیں جاتا

غش سے کبھی چونکے کبھی جھومے کبھی تھرّائے
تلواروں سے جو چور ہو پیکر وہ کدھر جائے
یوں تیروں کی بوچھار کسی تن پہ نہ ہوئے

رہوار سے ناگاہ گرے قبلۂ کونین
ماتم کا ہوا غل فلک و ارض کے مابین
تھرّا گئے چودہ طبقے ارض و سما کے

خنجر کو لیے شمر چلا جب طرفِ شاہ
خاتونِ قیامت ہوئی ہے کیا تو نہیں آگاہ
بالائے سرِ شاہ جو وہ بے ادب آیا

شرماتی ہے جن سے گلِ صد برگ کی لالی
جیسے کوئی کرتا ہے قلم پھول کی ڈالی
عالم کو دکھاتے ہیں بہار اپنی خزاں میں

فرماتے تھے فریاد ہے یا احمدِ مختار
سر تھام کے چلاتے تھے یا حیدرِ کرّار
نعرہ لبِ خشکیدہ پہ تھا ہائے حسن کا

منھ زرد تھا اور تن کی قبا سرخ تھی ساری
جھک جھک کے سنبھل جاتا تھا وہ عاشقِ باری
دو خون کے پرنالے کا بوں سے رواں تھے

کھایا کبھی نیزہ کبھی برچھی کبھی تلوار
نکلے ہیں کابوں سے قدم ہاتھ ہیں بیکار
اب تو دلِ مجروح سنبھالا نہیں جاتا

کی آہ کبھی اور کبھی اشک آنکھوں میں بھر آئے
دم ہونٹوں پہ تھا اور کوئی ہمدم بھی نہ تھا ہائے
جو شاہ پہ گزری کسی دشمن پہ نہ ہوئے

تڑپا جو نواسا تو نبی ہو گئے بے چین
اعدا میں ہوا فتح کا غل بی بیوں میں بین
نعروں کی صدا آنے لگی شیرِ خدا کے

آئی یہ صدا رحم کر اس پیاسے پہ للہ
فریادِ جفا جو نے کسی کی نہ سنی آہ
غل تھا کہ الٹتا ہے زمانہ غضب آیا

رکھنے جو لگا سینے پہ زانو ستم آرا
پتھر کے تلے دب گیا ہے ہے مرا پیارا
ظالم جگرِ شبیرِ خدا کاٹ کے اُٹھا

چہرے پہ سکینہ کے یتیمی سی جو چھائی
رستے میں خبر آکے یہ فضہ نے سنائی
مادر کو تڑپتا ہوا جنگاہ میں دیکھا

ہاں اہلِ عزا مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا

آقا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدّق
ان زخموں کے صدقے دلِ محزوں کے تصدّق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے

ہاں اہلِ عزا روؤ کہ ماتم ہوا آخر
سامانِ عزائے شہِ عالم ہوا آخر
مجلس آخر ہے جگر بندِ نبی کی

کیا خوب کٹے آٹھ دن اور دو یہ مہینے
کوتاہ کیا ہاتھ نہ ماتم سے کسی نے
دل روتا ہے صدمہ ہے عجب طرح کا جاں پر

آقا ترے قربان خدا حافظ و ناصر
اے فاطمہ کی جان خدا حافظ و ناصر
مجبور ہیں گر قبر میں ہم ہوئینگے مولا

زہرا کی صدا آئی برابر سے دوبارا
سفاک نے زانو کو نہ سینے سے اُتارا
خنجر سے مسافر کا گلا کاٹ کے اُٹھا

زینب درِ خیمہ سے تڑپ کر نکل آئی
مارے گئے شبیر دوہائی ہے دوہائی
آگے جو بڑھی بھائی کا سر راہ میں دیکھا

پُرسا دو کہ ہے فاطمہ اس بزم میں حاضر
مذبوحِ قضا تشنہ دہن صابر و شاکر
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

سیّد ترے پیراہنِ پرخوں کے تصدّق
ریتی پہ تڑپنے قدِ موزوں کے تصدّق
سرور ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

اے مجلسیو پیٹو کہ یہ غم ہوا آخر
کیا مجمعِ احباب تھا برہم ہوا آخر
تم لوگوں سے رخصت ہے حسین ابنِ علی کی

نیلے رہے ماتم سے عزاداروں کے سینے
ہر روز دعائیں تمھیں دیں روحِ نبی نے
دیکھو تو کہ کیا آج اُداسی ہے مکاں پہ

اے شیعوں کے مہمان خدا حافظ و ناصر
اے دین کے سلطان خدا حافظ و ناصر
جیتے ہیں تو پھر اگلے برس روئینگے مولا

خاموش انیس اب کہ ہے سینے میں جگر چاک
حق ہے ترا مداحیِ سبطِ شہِ لولاک

حاسد سے نہ کچھ خوف نہ دشمن سے ہے کچھ باک
نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک

سب مدح کریں نظم کی یہ نظم و نسق ہے
باطل ہے سو باطل ہے جو حق ہے سو وہ حق ہے

سلام

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخواں پیدا ہوئے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

علمِ خالق کا خزانہ ہے میانِ کاف و نون
ایک کن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

جو عدم سے آگیا دنیا میں بولی ہنس کے موت
اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی پر نہ اپنی کچھ کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اُٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

بود و نابودِ علی اصغر کا کیا کیجے بیاں
بے زباں دُنیا سے اُٹھے بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے وا غربتا
موت لے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے

احتیاطِ جسم کیا انجام کو سوچو انیس
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

مرثیہ (۴۲)

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی
بچوں کی مارے خوف کے حالت عجب ہوئی
گھٹ گھٹ کے دخترِ شہِ دیں جاں بلب ہوئی
مضطر کمال بنتِ امیرِ عرب ہوئی
آفت کا سامنا تھا نئی واردات تھی
زہرا کی بیٹیوں پہ قیامت کی رات تھی

پہلے پہل کی قید وہ اور وارثوں کے داغ
یہ رنگ تھا کہ ہوئے خزاں دیدہ جیسے باغ
رونے سے اہلِ بیت کو اک دم نہ تھا فراغ
نے چاندنی نہ شمع نہ مشعل نہ واں چراغ
غل تھا کہ ایسے گھر بھی الٰہی جہاں میں ہیں
ثابت نہیں کہ قبر میں ہیں یا مکاں میں ہیں

یوں وہ شکستہ حال تڑپتے تھے ہر نفس
دُشوار جیسے صید پہ ہو تنگیِ قفس
جانوں کو تھی بدن سے نکل جانے کی ہوس
بازو بندھے ہوئے تھے نہ تھا کچھ کسی کا بس
دل چھاتیوں میں صورتِ بسمل پھڑکتے تھے
زنداں کے در سے جا کے سروں کو پٹکتے تھے

اس گھر میں اہلِ بیتِ محمد ہوئے تھے بند
جز کہنگی جسے نہ کسی نے کیا پسند
تنگی سے ایک ایک کو تکلیف تھی دوچند
تھوڑی سی جا مگر کہیں پست اور کہیں بلند
وہ بی بیاں اسیر تھیں اُس قصرِ زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لیے گھر بہشت میں

مطلع دوم

زنداں میں جبکہ آلِ پیمبر ہوئے اسیر
کونین کے امیر کھلے سر ہوئے اسیر
سب رشتہ دارِ حیدرِ صفدر ہوئے اسیر
وحشت سرا میں عرش کے اختر ہوئے اسیر
دو بی بیاں اسیر تھیں اُس قصرِ زشت میں
ہیں جن کی لونڈیوں کے لیے گھر بہشت میں

بستی وہ فاطمہ کی کہاں اور وہ گھر اجاڑ
جانوں پہ تھی بنی ہوئی قسمت کا تھا بگاڑ
کیا دل کھلیں کہ شام سے جب بند ہوں کواڑ
دیواریں تھیں بلند کہ چھاتی پہ تھے پہاڑ
گھبرا کے چھت کو بی بیاں ہر بار تکتی تھیں
ٹوٹے مکاں کی رات کو کڑیاں کڑکتی تھیں

کیجے شکستگی و خرابی کا کیا بیاں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں
ظلمت کدائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
مثلِ دلِ یزید تھا وہ سب مکاں سیاہ
چھایا تھا دل جلی ہوئی رانڈوں کا دودِ آہ
دیکھے کسی کی شکل کوئی یہ مجال تھا
شب کو تو ذکر کیا ہے کہ لگتا تھا دن کو ڈر
تھے وقفِ آشیانِ ابابیل سقف و در
گھر تھا اجل کا خانۂ رنج و بلا نہ تھا
وہ تیرگی کہ ہو شبِ ظلمات اس سے دنگ
تھی واں کی صبح و شام سوادِ دیار زنگ
قید اس میں تھے حرم شہِ گردوں مقام کے
گرمی کی فصل اور ہوا کا وہ احتباس
اندوہ کا وفور دلوں پر ہجومِ یاس
دیواریں بھی شکست تھیں وہ بھی جھکے ہوئے
ہر دم زمیں سے دل کی نکلتا تھا یوں بخار
گرمی سے یوں زمیں پہ تڑپتے تھے سوگوار
جھک جھک گئے آسماں کو حسرت سے تکتے تھے
جھڑتی تھی وہ اس کی سقف سے ہر دم سروں پہ خاک
بھاگی تھی روشنی بھی یہ حجرے تھے ہولناک
قسمت میں ہے کہ قبر اسی جا نصیب ہو

ثابت نہ جس میں سقف نہ در اور نہ سائباں
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الاماں
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا
تاروں کی روشنی کو بھی ملتی تھی واں نہ راہ
حجرے سے چشمِ تر کے نکلتی نہ تھی نگاہ
روزن بھی تھا کوئی تو وہ چشمِ غزال تھا
ظاہر تھے جا بجا حشراتِ زمیں کے گھر
نکلا وہ مر کے قید ہوا اس میں جو بشر
برسوں سے واں چراغ کسی شب جلا نہ تھا
ہر در بسانِ حجرۂ چشمِ بخیل تنگ
دیوار و سقف و بام و زمینِ سیاہ رنگ
کیا صبح مل گئی تھی خرابے کو شام کے
وہ ضیق اس مکان کی اور قید کا ہراس
مائیں جو نہلکہ میں تو بچے تھے بے حواس
جانیں بھی غم سے تنگ تھیں دل بھی رکے ہوئے
جیسے دھواں تنور سے اٹھتا ہے بار بار
جس طرح سے سپند ہو آتش پہ بے قرار
کیسے ہوائے سرد کو بچے بلکتے تھے
تھے گرد سے بھرے ہوئے رانڈوں کے جسمِ پاک
کہتے تھے اب مکاں یہ گرا اب ہوئے ہلاک
اچھا تو ہے جو خاک کا پردہ نصیب ہو

ایک ایک سے یہ کہتی تھی زینب جگر فگار
لائق نہ اس مکان کے تھے ہم گناہگار
مجبور جو غریب ہوں کیا ان کا اختیار
سایہ تو ہے سروں پہ کروں شکرِ کردگار
ہے جائے گریہ حالِ شہِ مشرقین پر
کیا گزری ہوگی دھوپ میں لاشِ حسین پر

غارت گروں نے لوٹ لیا کہنہ پیرہن
وہ ریگِ گرم اور وہ عریانیِ بدن
ہے ہے وہ شب پہاڑ سی اور کربلا کا بن
کس طرح جائے بھائی تلک کیا کرے بہن
پیاسا گلا کٹائے موئے جس کی راہ میں
سونپی ہے میں نے لاش اسی کی پناہ میں

رسّی مرے گلے کی کوئی کھول دے اگر
مقتل کو ڈھونڈھتی ہوئی جاؤں برہنہ سر
نکلی ہیں جب تو پھر نہیں درکار راہبر
رستے میں پوچھ لونگی کہ ہے کربلا کدھر
ممکن ہے یہ کہ لاش کو زینب نہ پائے گی
بھائی کے خوں کی بو مجھے کوسوں سے آئے گی

کہنے لگی یہ اُٹھ کے سکینہ جگر فگار
لیتی چلو مجھے بھی پھوپھی تم پہ میں نثار
چھپ کر چلی گئیں تو میں روؤنگی زار زار
تم نے بھی کیا بھلا دیا دل سے ہمارا پیار
مرجاؤں گی اگر نہ پدر سے ملاؤ گی
کیا اس اندھیرے گھر میں مجھے چھوڑ جاؤ گی

رو کر تب اس یتیم سے زینب نے یہ کہا
وارث کہاں ہیں اور کہاں دشتِ کربلا
بے کس اسیرِ دامِ بلا غم کی مبتلا
قیدی کو کون جانے کی دیگا بھلا رضا
بھائی کی لاش پاس اگر رہنے پاتی ہیں
زنداں میں قید ہونے کو کاہے کو آتی ہیں

ہے دشتِ کربلا تو کئی دن کی یاں سے راہ
ایسے کہاں نصیب کہ حاصل ہو وصلِ شاہ
گھر میں یزید کے ہے سرِ شاہِ دیں پناہ
ہم قید اس مکاں میں ہیں بے جرم و بے گناہ
ہم سا کوئی جہاں میں نہ آفت نصیب ہو
ممکن نہیں کہ سر کی زیارت نصیب ہو

یہ تفرقہ بھی ہوتا ہے کم زیرِ آسماں
ہے ایک شہر ہائے ہیں لیکن الگ مکاں
ہم ہیں کہیں کہیں ہے سرِ شاہِ انس و جاں
میں کس کے آگے اپنی مصیبت کروں بیاں
بے بس ہیں رشتہ دارِ شہِ ذوالفقار کے
حاکم کے ڈر سے رو نہیں سکتے پکار کے

کہنے لگی یہ سُن کے سکینہ بچشمِ تر
حاکم کے گھر میں قید ہیں سلطانِ بحر و بر
سچ کہتی ہو نہ شاہِ خوش انجام آئینگے

جب رو کے پوچھتی ہوں کہ بابا گئے کدھر
کہتا ہے کوئی دور نہیں شاہِ بحر و بر
خاطر کی بات کیا کوئی پہچانتا نہیں

سمجھاتی ہیں چچی کہ اب آنسو نہ تم بہاؤ
اب عنقریب ہے کہ چچا اور پدر کو پاؤ
سچ ہے اگر تو کس لیے بے تاب ہوتی ہو

اماں سے جو پوچھتی ہوں کہ تم بھی تو کچھ کہو
اس شب کو اور شہ کی جدائی کا غم سہو
دل صبح سے اچاٹ ہے بستی اُجاڑ ہے

معلوم ہو گیا مجھے بہلاتے ہیں یہ سب
کیا حاصل اس چھپانے سے شاید جیونگی اب
یہ لوگ تو کبھی نہ مفصل بتائیں گے

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوا بند قفلِ در
گھبرا کے دیکھنے لگیں رانڈیں ادھر اُدھر
تڑپے یہ دل کہ سینوں میں سانسیں اُکھڑ گئیں

نظروں سے صورتیں جو ہوئیں یک بیک نہاں
چلائی بے حواسی میں بانوئے خستہ جاں
دل پر سکینہ جان کے صدمے گزر نہ جائیں

ہے ہے پھوپھی نہ آئیں گے کیا اب مرے پدر
اب مجھ کو نیند کاہے کو آئے گی رات بھر
اماں تو کہتی تھیں کہ سرِ شام آئینگے

بہلاتی ہیں مجھے کہ سدھارے ہیں نہر پر
روؤ نہ تم اب آئینگے اب آئینگے پدر
سُن لیتی ہوں میں سب کی یہ دل مانتا نہیں

آرام سے سُلاؤں میں گودی میں میری آؤ
کہتی ہوں اُن سے میں کہ بھلا تم قسم تو کھاؤ
کیوں منہ کو پھیر کر مری جانب سے روتی ہو

وہ کہتی ہیں کہ آؤ مری جان سو رہو
کہتیں تو ہے جو شہ سے ملاقات کل نہ ہو
مجھ کو تو کاٹنا اسی شب کا پہاڑ ہے

تا مر نہ جائے قید میں گھٹ کر یہ تشنہ لب
میں کس بلا میں پھنس گئی یاں آ کے ہے غضب
میں اپنی جان دونگی جو بابا نہ آئیں گے

زنداں میں اور ہو گئی ظلمت زیادہ تر
جز تیرگی کسی کو نہ آتا تھا کچھ نظر
ماؤں سے بچے بچوں سے مائیں بچھڑ گئیں

ہاتھوں سے ڈھونڈنے لگیں بچوں کو بیبیاں
دیکھو تو بی بیو کہ ہے اصغر مرا کہاں
بچے مرے دہل کے اندھیرے میں ڈر نہ جائیں

پھرتا تھا گھٹنیوں بھی یہاں میرا نونہال
کہنے لگی یہ زینب بیکس بصد ملال
ملتا نہیں ہے پھر جسے ہاتھوں سے کھوتے ہیں

چھاتی کو پیٹ کر یہ پکاری وہ سوگوار
ہے دور مجھ سے ہائے مرا طفل شیر خوار
اے لال دامن شہ خوش خو میں سوتے ہو

راتوں کو اٹھ کے دودھ یہ ماں اب کسے پلائے
آجاؤ ماں کے پاس اگر نیند واں نہ آئے
لعنت جو ہے پدر کی تو ماں کا بھی درد ہو

بانو کے اس بیاں پہ بلکتے تھے سب حرم
چلاتی تھی سکینہ کہ گھٹتا ہے میرا دم
کھولے گا قفل کون جو عباس آئیں گے

ٹکرا کے سر اندھیرے میں چلائیں گے اسیر
گرمی کے مارے اور بھی گھبرائیں گے اسیر
دربانوں کو پکارو پیمبر کے واسطے

زنداں کا در کدھر ہے مجھے لے چلو شتاب
دادا مرا ہے شہر علوم نبی کا باب
پھر کل سے بے کسوں کو نظر بند کیجیو

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر
بیکس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں

بچے کا میرے صاحبو کچھ تو ہے خیال
کس کی تلاش میں ہو کہاں ہے تمہارا لال
تم جن کو ڈھونڈھتی ہو وہ مقتل میں سوتے ہیں

لو جانتی تھی میں کہ نہیں ہے وہ گلعذار
اصغر تمہارے ننھے سے لاشے کے میں نثار
ماں سے بچھڑ کے باپ کے پہلو میں سوتے ہو

کس کی بلائیں پیار سے لے کس کے صدقے جائے
ان چھوٹے چھوٹے پاؤں کو ہاتھوں سے کون دبائے
گود ان کی گرم ہو مری چھاتی بھی سرد ہو

باقر پکارتے تھے کہ کیونکر جئیں گے ہم
زنداں کا در بھی ہو گیا معمور ہے ستم
لو اب پدر کدھر سے مرے پاس آئیں گے

اب روشنی کہاں سے بھلا لائیں گے اسیر
ہے ہے یہ کیا غضب ہوا مر جائیں گے اسیر
کھلواؤ قفل فاتح خیبر کے واسطے

دربانوں سے کہتی تھی با دیدۂ پرآب
مجھ پر کرو گے رحم تو ہوگا تمہیں ثواب
آلیویں بابا جان تو در بند کیجیو

دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریب در
دربانو جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

بولا کوئی کہ کون ہے تو اے نحیف و زار
اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ دل فگار
چھوٹے سے سن میں قیدی زندانِ شام ہوں
پوتی ہوں اُس کی جو کہ ہے کونین کا امیر
ایسا کریم تھا وہ دو عالم کا دستگیر
شہرت جہاں میں ہمتِ مشکل کشا کی ہے
کہتی نہیں میں یہ کہ کرو قید سے رہا
کھانے کی کچھ طلب ہے نہ پانی کی التجا
جائیں گے ہم کہاں کہ تمھارے حوالے ہیں
اصغر ہے ان کے ساتھ یقیں ہے کہ جلد آئیں
چوکی کے لوگ سو رہیں زیرِ نہ مجھے بٹھائیں
نیند آئے گی نہ مجکو بہت بے قرار ہوں
منظور ابھی نہ ہو تمھیں در کھولنا اگر
دیجاتی ہوں پتا تمھیں ان کا میں نوحہ گر
بو زلفِ مشک فام کی مہکے گی دور سے
باندھے ہے مصطفےٰ کا عمامہ وہ تاجدار
ہالہ سا گرد ماہ کے ہے خطِ مشکبار
گہہ ذکرِ حق ہے گاہ زبان پر درود ہے
ساتھ ان کے ہوئے گا علی اکبر سا گلعذار
تصویر ہے نبی کی سراپا وہ ذی وقار
نجم فلک پسینے کے قطروں سے ماند ہیں

دل ہو گیا ہے تیری صدا سن کے بے قرار
آفت زدہ اسیر و پریشان و سوگوار
میں دخترِ حسین علیہ السلام ہوں
شیرِ الٰہ بادشہِ آسماں سریر
جس نے ہزاروں قید سے چھوڑوا دیئے اسیر
ہم آج ہیں اسیر یہ قدرت خدا کی ہے
چھٹ جائیں گے کبھی کہ اسیروں کا ہے خدا
ہاں قفل کھول دیگے تو دونگی تمھیں دعا
بابا حسین آج کی شب آنے والے ہیں
ایسے نہیں ہیں وہ کہ مجھے انتظار رلائیں
دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کہیں آکے پھر نہ جائیں
بھاگے کوئی اسیر تو میں ذمہ دار ہوں
آکر پکاریں شاہ تو تم کھول دیجو در
معلوم ہوگا صاف کہ طالع ہوا قمر
چٹکے گی چاندنی رُخِ روشن کے نور سے
اور ہے نشانِ سجدہ ستارہ سا آشکار
زیبِ کمر ہے شیرِ الٰہی کی ذوالفقار
سوکھے لبوں سے پیاس کی شدّت نمود ہے
گیسو لٹکتے ہیں رُخِ روشن پہ اس کے چار
یوسف ہیں مصرِ حسن کے بھائی کے میں نثار
دنیا کی روشنی ہیں اندھیرے کے چاند ہیں

ہوں گے جلو میں حضرتِ عباسِ نوجواں
اس شیر کا نشان یہ ہے اور شکوہ و شاں
قمری تو قد پہ چال پہ صدقے تدرو ہیں
مجھ بن نہ سوئے ہونگے شہنشاہِ خوش خصال
تم دیکھ لیجو مجھ سے ہے الفت انھیں کمال
میں خود کہونگی مجھ پہ جو آفت گزر گئی
ہوتے نہیں عزیز کسے دخترِ پسر
سوتی تھی ان کی چھاتی پہ منہ رکھ کے رات بھر
موقوف ان پہ میری حیات و ممات ہے
بولے نگہباں کہ ترا دھیان ہے کدھر
بے صبح کے ہوئے نہیں کھلنے کا قفلِ در
دن کو بھی روتی رہتی ہے شب کو بھی روتی ہے
ناحق ابھی سے کاہے کو کرتی ہے شور و شین
رونے سے تیرے شب کو بھی ملتا نہیں ہے چین
بلوائیں شمر کو تری تعزیر کے لیے
ماں بہنیں قید ہو گئیں آتش سے گھر جلا
کھائے طمانچے جب تو ترا زور کب چلا
ان سے چھٹے تو اور بھی صدمہ دو چند ہو
یہ بات سن کے سہم گئی وہ جگر فگار
دالان سے پکاری یہ بانوئے نامدار
کھولے گا کون در کسے چلاتی پھرتی ہو

ہوتا ہے جس سے بدر پہ شبیرِ حق عیاں
اک دوش پر تو مشک ہے اک دوش پر نشاں
نامِ خدا علی کے گلستاں کے سرو ہیں
بے خواب ہیں مرے ہاں ان کو بھی ہوگا مرا خیال
اُٹھتے ہی تم سے پوچھینگے پہلے ہی میرا حال
مرجائیں گے پدر یہ نہ کہنا کہ مر گئی
پر مجھکو چاہتے ہیں وہ سب سے زیادہ تر
زنداں میں اب میں پہ تڑپتی ہوں تا سحر
آنے کا ہے یہ دن یہی وعدے کی رات ہے
جا ماں کے پاس بیٹھ کہاں تو کہاں پدر
کیا شمر کے طمانچوں کا تجھ کو نہیں ہے ڈر
نہ ہم کو سونے دیتی ہے نہ آپ سوتی ہے
جا قفل کھول دیں گے بھلا آئیں تو حسین
ہر وقت کے سنے نہیں جاتے ہیں تیرے بین
رونا نہ کم کرے گی تو شبیر کے لیے
آیا بچانے کوئی برے وقت میں بھلا
کس دن بندھے آگے شمر نہ رسی سے پھر گلا
ایسا نہ ہو جدا کسی حجرے میں بند ہو
دروازے سے سر کے لگی رونے زار زار
بی بی کدھر گئیں ادھر آؤ یہ ماں نثار
واری کہاں اندھیرے میں ٹکراتی پھرتی ہو

زنجیرِ در نہ رات کو کھولیں گے یہ لعیں
پست و بلند خانۂ زنداں کی ہے زمیں
دشمن ہر اک ہے لشکرِ اہلِ عناد میں
بولی سکینہ جان ہے تن میں یا کہ جائے
بے جرم کان زخمی ہوئے اور طمانچے کھائے
واں کیا ہے بابا نہ بیٹھ کے آنسو بہاؤں میں

کُبرا کے صدقے جاؤں بھلا دو ہمارا پیار
مشکل ہے صبر دل پہ مرا کیا ہے اختیار
راحت بہت نصیب میں کم لیکے آئے ہیں
صغرا کو اپنی گود میں لو مجھ سے کیا ہے کام
تم اپنے دل میں سمجھو کہ میں ہو گئی تمام
سبطِ رسول سے مجھے پیارا نہیں کوئی

بیٹی سے رو کے بولی یہ بانوئے تشنہ لب
میں نے ہی شہ سے تم کو چھڑایا ہے بے سبب
جو چاہو کہہ لو ایسی ہی تقصیر وار ہوں
صدقے ہے جاں تک مری گھر بار کیا ہے چیز
سب سے سوا ہے یوسفِ زہرا انھیں عزیز
وارے گلہ جو ماں کا کیا سب بجا کیا

بابا کے آگے سچ ہے بھلا ماں کی قدر کیا
بیزار تم ہو مجھ سے میں صغرا سے ہوں خفا
بیٹوں کا کیا گلہ ہے بھلا وہ تو دور ہیں
ماں صدقے جائے گھڑکیاں کھانے کو کیوں گئیں
گھبرا کے گر پڑو نہ اندھیرے میں تم کہیں
سونا بھی آج بھول گئیں شہ کی یاد میں

بیٹھی ہوں جب تلک نہ سواری پدر کی آئے
جو چاہے مجھ کو فلک کی ستائی کو پھر ستائے
اچھا نہ مجھے بابا سے ملا دو تو آؤں میں
سمجھو کہ ایک بیٹی ہوئی باپ پر نثار
اب کوئی دم میں تن سے نکلتی ہے جانِ زار
اتنی ہی عمر خلق میں ہم لیکے آئے ہیں

پیاری بھی سارے گھر کی میں تھی جب تلک امام
اماں بس اب پکارو نہ لے لیکے میرا نام
بابا ہی جب نہیں تو ہمارا نہیں کوئی
ہاں بی بی سچ ہے میری ہی تقصیر ہے یہ سب
لو آؤ بس معاف کرو جرم ماں کا اب
سمجھو نہ ماں یہ جانو کہ خدمت گزار ہوں

میں اک تمھارے باپ کی ادنیٰ سی ہوں کنیز
میں جانتی ہوں کیا مجھے اتنی نہیں تمیز
میں نے تمھارے باپ کو تم سے جدا کیا
کسرائی ہیں وہ احمدِ مرسل کا دلربا
پوچھی خبر نہ ماں کی دیا ساتھ باپ کا
تقصیر وار ہیں ہمیں سب بے قصور ہیں

مشہور ہے کہ چاہتے ہیں باپ کو پسر
اک بدنصیب ہم ہیں کہ مر جائیں بھی اگر
بیٹی کو ماں سے ہوتی ہے الفت زیادہ تر
بیٹوں کو کچھ خیال نہ بیٹی کو کچھ خبر
گو ہم نہ ہوں عزیز وہ ہم کو تو پیارے ہیں
ماں سمجھیں یا نہ سمجھیں سب آنکھوں کے تارے ہیں

روتی ہوئی یہ کہہ کے اُٹھی بانوئے حزیں
بیٹی کو ڈھونڈھتی ہوئی دروازے کے قریں
روتی تھی منہ کو کرتے سے ڈھانپے وہ مہ جبیں
پاس آ کے ماں نے سر سے قدم تک بلائیں لیں
سر کو جھکا کے پہلے تو وہ پیچھے ہٹ گئی
پھر ننگے ہاتھ اُٹھا کے گلے سے لپٹ گئی

لے آئی ماں گلے سے لگا کر بچشم تر
چپ ہو کے لیٹی گود میں ماں کی وہ نوحہ گر
بیٹھیں اسیر بی بیاں سب گرد آن کر
ہاتھوں سے کوئی پاؤں دباتی تھی کوئی سر
ماں لیتی تھی بلائیں پھوپی صدقے جاتی تھی
بابا بغیر نیند اسے لیکن نہ آتی تھی

ماں کہتی تھی تھپک کے مری جان سو رہو
زخمی ہیں پھر نہ دُکھنے لگیں کان سو رہو
فرماتی تھیں پھوپی کہ میں قربان سو رہو
کبرا یہ کہتی تھیں بہن اک آن سو رہو
جی چاہتا ہے چین ملے کوئی دم تمھیں
بابا جب آئیں گے تو جگا دیں گے ہم تمھیں

کہتی تھی ایک ایک سے رو کر وہ ماہرو
تھی شہ کے ساتھ شام سے سونے کی مجھ کو خو
کیا نیند آئے غم سے جگر ہو گیا لہو
سینہ کہاں وہ چاند سا اور اب کہاں وہ بو
تھوڑا ستم سہا ہے بچھڑ کر حسین سے
سوؤں گی اب تو قبر میں جا کر میں چین سے

لوگو بس اب تو کھو نہ مری زندگی کی آس
بابا تو آ چکے نہیں جائیں گے ان کے پاس
ماں نے کہا کرو نہ مری جاں کلام یاس
باتیں یہ سُن کے اور میں ہوتی ہوں بے حواس
اصغر تو جا کے بھول گئے ماں کی یاد کو
کیا تم بھی بھول جاؤ گی اس نامراد کو

بی بی تمھیں بتاؤ بھلا ماں کا کیا قصور
بابا اگر ہیں دور تو میں تو نہیں ہوں دور
صادق ہے اپنے قول کا وہ کبریا کا نور
اتنا کہونگی میں کہ حسین آئینگے ضرور
کیا دوگی ہم کو آج جو بابا کو پاؤ گی
پر یاد رکھیو یہ کہ ہمیں بھول جاؤ گی

تم کو سکھائے رکھتی ہوں جس دم پدر ملے
ماں واری سچ ہی غنچۂ دل کس طرح کھلے
دفتر مصیبتوں کا بھی اپنے نہ کھولوں گی
سچ ہے نہ صاحب ان کی نہ بھائی یہ مجکو بات
بوسے جو منہ کے لینے لگیں شاہِ خوش صفات
آزردگی کی ہے یہ جگہ کیوں چلے گئے
اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
رونے لگیں گے ڈھونڈ کے جب وہ اُدھر اُدھر
اتنا تو کہدو مجھ سے اگر مر نہ جاؤں گی
میرے طمانچے کھانے کا ان سے نہ کہیو حال
ہوئے گا غیظ سے علی اکبر کا رنگ لال
منظور ہے کہ قیدِ ستم سے رہائی ہو
کیوں امّاں جان قبلۂ عالم ابھی جو آئیں
جیتا خدا کرے علی اصغر کو ساتھ لائیں
سو جاں سے میں نثار شہِ خوش خصال کے
لیکر بلائیں بانوئے بیکس نے یہ کہا
سمجھو ہیں تم اب انھیں عرصہ نہیں ذرا
بابا سے ہم بغل تمھیں ہونا نصیب ہو
صدقے گئی جب آئیں شہنشاہِ انس و جاں
تقصیر جو ہوئی وہ تمھیں بخشو واری ماں
لشکر یزید کا دمِ غارت نہ ٹل سکا

صدقے گئی نہ آنے کے کیجو بہت گلے
یوں اس کو بھول جاتے ہیں جو باپ سے ملے
تم جب تلک نہ بولوگی میں بھی نہ بولونگی
بچی کو میری غم ہے مجھے تلخ ہے حیات
رکھ لیجو اپنے چہرے پہ تم چھوٹے چھوٹے ہات
اصغر کو ساتھ لے گئے تم کو نہ لے گئے
امّاں میں چپکے ہونگی بھلا آئیں تو پدر
اس وقت گر پڑونگی میں قدموں پہ دوڑ کر
صدقے تمھارے منہ کے میں بابا کو پاؤں گی
امّاں بہت کڑھیں گے شہنشاہِ خوش خصال
عباسِ نامدار کو آ جائے گا جلال
ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں ان سے لڑائی ہو
رو رو کر اشتیاق سے مجھکو گلے لگائیں
صدمے جو گزرے ہیں ابھی سب مجھکو بھول جائیں
کیا سوؤں ہاتھ چاندسی گردن میں ڈال کے
اے عاشقِ پدر تری باتوں کے میں فدا
آئے کوئی گھڑی میں شہنشاہِ کربلا
چھاتی پہ ان کی رات کو سونا نصیب ہو
میرا گلا نہ کیجو تم ان سے سکینہ جاں
آزردہ مجھ سے ہوں گے بہت سرورِ زماں
سیلی لگائی جب تو مرا بس نہ چل سکا

بیٹی سے ماں نے کیں جو یہ باتیں بچشمِ تر
سب ہو گئے خموش اسیرانِ نوحہ گر
فاقوں میں قیدیوں نے اِدھر شکرِ رب کیا

مطلع سوم

زنداں میں مضطرب تھے اسیرانِ نوحہ گر
بیٹھیں تھیں فرشِ خاک پہ رانڈیں برہنہ سر
فاقوں میں قیدیوں نے اِدھر شکرِ رب کیا

جلدی محل سرا میں روانہ ہوا طعام
ہاں ہند کو بلاؤ یہ بولا امیرِ شام
خاصہ نہ دن کو نوش کیا ہے نہ سوئی ہیں

لیٹی رہی ہیں مُنہ کو لپیٹے بصد ملال
کنگھی نہ سر میں کی ہے نہ سرمے کا ہے خیال
حمام تک کیا ہے نہ کپڑے بدلتی ہیں

گہنا اُتار ڈالا ہے یوں جی میں آئی ہے
تکیہ ہے تر یہ اشکوں کی ندی بہائی ہے
یہ شکل رنج و غم کی ہے اس با تمیز کی

بولا خبر یہ سُنتے ہی وہ بانیِ ستم
دوڑیں یہ حکم سُن کے خواصیں کئی بہم
ہر گز یزید کے تو نہ جانب نگاہ کی

پوچھا یزید نے کہ ہے کچھ بدمزہ مزاج
ہے ظلم اور ستم کا ترے عہد میں رواج
تجھ کو تو عید ہے مجھے صدمے گزرتے ہیں

جاگی بہت تھی سو رہی وہ عاشقِ پدر
بدلی نگاہبانوں نے چوکی بجا پہر
اور اُس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

وہ ہولناک شب وہ اندھیرا کہ الحذر
بدلی نگاہبانوں نے چوکی بجا پہر
اور اُس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

خاصہ چنا خواصوں نے بازینتِ تمام
تب اک کنیزِ خاص نے اس سے کیا کلام
بی بی سحر سے آج کئی بار روئی ہیں

چہرہ ہے زرد رونے سے آنکھیں ہیں دونوں لال
کیوں دل گرفتہ ہیں نہیں کھلتا کسی پہ حال
مہندی کے بدلے وہ کفِ افسوس ملتی ہیں

بے وجہ سوگواروں کی صورت بنائی ہے
مسند پہ بیٹھنے کی قسم کل سے کھائی ہے
جیسے سُنائی آئے کسی کے عزیز کی

جا کر کہو کہ دیر سے یاں منتظر ہیں ہم
ناچار ہند آن کے بیٹھی بچشمِ نم
دیکھا طعامِ گرم تو اک سرد آہ کی

بولی یہ ہند ہوتا ہے ہاں درد دل میں آج
اپنے جگر کے زخم کا میں کیا کروں علاج
یہ کون ہیں جو راتوں کو فریاد کرتے ہیں

بتلا یہ سب اسیر مسلماں ہیں یا نہیں
قوم ان کی کیا ہے صاحبِ ایماں ہیں یا نہیں
محبوبِ کبریا کے ثنا خواں ہیں یا نہیں
آیا یہ لوگ قائلِ قرآں ہیں یا نہیں
سُنتی ہوں بیکس ان سے نہ ہوں گے زمانے میں
یہ کس خطا پہ قید ہوئے قید خانے میں

شاید نہیں علی کے گھرانے سے ان کو راہ
ہیں کیا یہ لوگ مُنکرِ پیغمبرِ الٰہ
کاٹا ہے کس کا سر کسے لوٹا ہے بے گناہ
کیوں ہاتھ سب کے باندھے ہیں کھلتا نہیں ہے آہ
کیا دشمنی ہے کچھ ان کو حسینؑ و حسنؑ سے ہے
کافر ہے وہ عناد جسے پنجتن سے ہے

ابرار و حق پرست ہیں قیدی یہ سب کے سب
کوئی اگر کہے بھی تو میں مانتی ہوں کب
فاقوں میں بھی وہ کرتے ہیں تا صبح شکرِ رب
میں سُن چکی ہوں آپ صدائے نمازِ شب
ماؤں کے ساتھ سجدے میں بچے بھی جھکتے ہیں
گرمی سے گو کہ سینوں میں دم ان کے رکتے ہیں

رکھتے ہیں پانچ وقت زمیں پر سرِ نیاز
قیدی ہیں پر قضا کبھی ہوتی نہیں نماز
سجدے میں حق سے کہتے ہیں کچھ اپنے دل کا راز
آواز میں سُنا نہیں یہ سوز یہ گداز
آٹھوں پہر درود زبانوں پہ جاری ہے
چھوٹے بڑوں کو عادتِ طاعت گذاری ہے

قیدی ہے ظاہرا کوئی بیمار و ناتواں
معلوم کچھ نہیں کہ وہ لڑکا ہے یا جواں
آواز اک ضعیف سی آتی تھی ہر زماں
کیسا کراہتا ہے سحر تک وہ نیم جاں
یہ درد ہے صدا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
رونے پہ اس کے لوگ محلے کے روتے ہیں

کرتا ہے جب تلاوتِ قرآں وہ حق کا نور
ہوتا ہے لحنِ حضرتِ داؤد کا ظہور
رشتہ کچھ اس کو مصحفِ ناطق سے ہے ضرور
قرآں کے حرف حرف کے معنی پہ ہے عبور
تقریر کیا فصیح ہے کیا خوش بیان ہے
گویا زبان اس کی خدا کی زبان ہے

دن بھر تو اس کو رہتا ہے غش اور دردِ سر
کرتا ہے نصف شب سے مناجات تا سحر
واللہ کیا دعاؤں کے فقروں میں ہے اثر
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
شاید کوئی عزیزِ شہِ مشرقین ہے
صوتِ حسن میں حسن صدائے حسین ہے

کہتے ہیں صبر و شکر اسے اللہ رے حوصلہ
جاری ہے صبح و شام عبادت کا سلسلہ
گردن جھکی ہوئی ہے خدا پر نگاہ ہے
سنتی ہوں ننھے بچے بھی دو چار ہیں اسیر
رونے سے اس کے لگتے ہیں میرے جگر پہ تیر
دکھ دے کسی کو یہ نہیں عادت کریم کی
اے سست رائے قلب کو اتنا بھی کر نہ سخت
رہتے ہیں سر جھکائے ہوئے بارور درخت
حاکم کو خوف چاہیئے قہر الٰہ سے
کرتے ہیں لطف و رحم فقیروں پہ اغنیا
خالق نے اپنے ملک کا حاکم تجھے کیا
زنداں میں قیدیوں کا بہت حال غیر ہے
قاروں کا گنج او ستم ایجاد کیا ہوا
تھا پہلے وہ جو بانی بیداد کیا ہوا
وہ قبر میں ہیں آج جو کل تھے رواق میں
گرمی کی فصل اور یہ مکاں تنگ ہائے ہائے
فاقے سے ہوں وہ قید میں تو نعمتیں یہ کھائے
دل سے بھلا نہ وعدۂ روز نخست کو
کھانے کو میں نہ ہاتھ لگاؤں گی کیسی بھوک
ان کے بغیر مجھ کو یہ کھانا ہے مثل خوک
خوش ہوگا حق دلوں کو یتیموں کے شاد کر

شکوہ نہ طوق کا ہے نہ زنجیر کا گلہ
ہر دم رواں ہے چشم سے اشکوں کا قافلہ
لب پر کبھی تو آہ کبھی لا الٰہ ہے
لڑکی بھی کوئی قید ہے رشک مہ منیر
کیا قہر ہے یہ ظلم غریبوں پہ اے امیر
قرآں میں حق نے کی ہے سفارش یتیم کی
عقبیٰ میں رو سفید ہو تا او سیاہ بخت
ڈر ہے مجھے کہیں نہ الٹ جائے تیرا تخت
اکثر گری ہے برق یتیموں کی آہ سے
عقبیٰ میں کام آتا ہے یاں کا دیا لیا
جز نام نیک کون جہاں میں سدا جیا
کچھ خیر کر کہ خیر سے عقبیٰ بخیر ہے
نمرود کس طرف گیا شداد کیا ہوا
فرعون بد نہاد سا جلاد کیا ہوا
ڈھونڈو تو خاک بھی نہیں کسریٰ کے طاق میں
اب رحم کر اسے کوئی معصوم مر نہ جائے
پانی تو پیاس میں کوئی جا کر انھیں پلائے
بیمار کو دوا نہ غذا تندرست کو
اٹھتی ہے بار بار کلیجے میں میرے ہوک
بیکسوں پہ ظلم غریبوں سے یہ سلوک
کیا رحم تھا کرم کو محمدؐ کے یاد کر

کافر کے گھر کو بھی کبھی لوٹا نہ بعدِ جنگ
جو ہاتھ آیا دے دیا سائل کو بے درنگ
اس بادشاہِ دیں کو نہ کچھ فکر اور تھی
یکساں تھا خلق آپ کا شاہ و فقیر سے
باتیں تھیں پرورش کی یتیم و اسیر سے
ہر شب کو قیدیوں کی خبر لینے جاتے تھے

ہے آج تک جہاں میں علی کے کرم کا شور
تھا بازوئے رسول میں دستِ خدا کا زور
کی اس نے کچھ زباں سے شکایت تو ڈر گئے
رانڈوں کے وارث اور یتیموں کے تھے پدر
ہر دم حسین پر یہ تقید تھی ای پسر
راضی نہ اس کے قتل پہ مشکل کشا ہوئے

خلقِ خدا ہے معترفِ خلقِ مجتبا
یا دش بخیر ذکر کروں کیا حسین کا
دونوں جہاں میں کیا برکت بابِ دم سے ہے
دنیا ہو اور حسین میں اس نام کے نثار
ہے بات بات میں کرمِ شاہِ ذوالفقار
خو ہے پیمبروں کی شہِ مشرقین میں

تھی میں بھی فیضِ صحبتِ مولا سے بہرہ ور
نیلے نشاں ہیں چار سے کاندھوں پہ جلوہ گر
اس پر بھی ہر گھڑی یہ دعا ہے اللہ سے
چادر گلے میں ڈال کے کھینچا ہوئے نہ تنگ
عسرت یہ تھی کہ فاقوں میں باندھا شکم پہ سنگ
رانڈوں کی پرورش تھی یتیموں کی غور تھی

بٹھلاتے تھے فقیر کو برتر امیر سے
کرتے تھے سیر انھیں رطب و شہد و شیر سے
دو دن کے بعد نانِ جویں آپ کھاتے تھے
ہر ایک کی زباں پہ ہے نقلِ فقیرِ کور
پروا رہے کرم نہ گوارا تھا رنجِ مور
کاندھے پہ رکھ کے مشک ضعیفہ کے گھر گئے

قاتل پہ مرتے مرتے رکھی رحم کی نظر
قیدی کے بھی طعام کی رکھیو فرا خبر
مشکیں جو باندھیں تو حسن سے خفا ہوئے
دریائے فیض، ابرِ کرم، منبعِ سخا
آقا کو دیر گاہ سلامت رکھے خدا
قایم جو ہے زمیں تو انھیں کے قدم سے ہے

فیضِ نبی تو عصمتِ خاتونِ روزگار
اور خلق میں نظیرِ حسن ہے وہ ذی وقار
ہیں جمع کس قدر حسنات ایک حسین میں
پیدا کیا ہے حق نے عجب طرح کا بشر
لیکر اناج جاتے ہیں خود بیکسوں کے گھر
یارب بچائیو مجھے بارِ گناہ سے

اس سالکِ طریقِ ہدایت کے ہیں فدا　　یثرب سے حج کو آتے ہیں اکثر پیادہ پا
نانے تو پیچھے ہوتے ہیں آگے وہ مقتدا　　خالق نے ان پہ ختم کیا زہد و اتقا
اس سال بھی سنا ہے کہ تشریف لائے ہیں　　کعبے میں اہلِ بیت بھی ہمراہ آئے ہیں

کیا جانے حج کے بعد سدھارے ہیں وہ کدھر　　لونڈی نے پھر سنی نہیں آقا کی کچھ خبر
رہتی ہوں اس خیال میں پہروں میں نوحہ گر　　کعبے میں گھر گئے ہوں نہ سلطانِ بحر و بر
ہے دھوم کچھ دنوں سے جدال و قتال کی　　یا رب تو خیر کیجیو زہرا کے لال کی

اس خانداں میں کون رہا ہے سوائے شاہ　　قایم رکھے جہان میں شہ کو مرا الٰہ
آگاہ ہوں کہ شاہ سے کینہ تجھے تھا آہ　　ہے ہے کیا نہ ہو کہیں زہرا کا گھر تباہ
بیتاب ہوں خیالِ شہِ نیک نام میں　　شہزادیاں اسیر نہ ہوں فوجِ شام میں

وسواس کا مقام تردد کی ہے یہ جا　　روتے ہیں نام لیکے یہ قیدی حسین کا
پھر تھا نہ شک مجھے کوئی ہوتا جو دوسرا　　گر ہے تو اک حسینؑ ہے زہرا کا دلربا
اس نامِ پاک سے برکت ہے جہان میں　　عقدے وہ کھول دیتے ہیں سب ایک آن میں

کیں ہند نے یہ رو کی باتیں جو ایک بار　　ہر قلب پہ ستم کی چلی تیغِ آبدار
اللہ رے جوشِ ماتمِ سلطانِ نامدار　　رویا جھکا کے سر کو یزیدِ زبوں شعار
خنجر غمِ حسین کا دشمن پہ چل گیا　　کیا نام میں اثر ہے کہ پتھر پگھل گیا

رو کر پھر اس سے کہنے لگی ہندِ خوش سیر　　ہوں بے قرار صورتِ بسمل میں نوحہ گر
گر کہہ تو دیکھ آؤں انھیں جا کے اک نظر　　شاید انھیں سے شہ کی مفصل سنوں خبر
ہیں غیر یا عزیزِ شہِ انس و جاں کے ہیں　　دریافت تو کروں کہ یہ قیدی کہاں کے ہیں

ناچار ہو کے ہند سے ظالم نے یہ کہا　　جا دیکھ آ انھیں مرا نقصاں ہے اس میں کیا
واں جا کے اور ہوئے گا تجھ کو قلق سوا　　سنتے ہی یہ کلام اٹھی ہندِ باوفا
پہلو میں مضطرب تھا دل اس حق پرست کا　　اٹھتے ہی جلد حکم دیا بندوبست کا

سب عورتوں کو لیکے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ مل گیے ہیں بدل ڈالیے لباس
اک دم میں سوگواروں کو میں دیکھ آئی ہوں
میلے ہی کپڑے چاہییں جب دل پہ ہو ملال
کنگھی وہ کیا کرے کہ پریشاں ہے جس کا حال
جی چاہتا ہے یہ کہ گریبان چاک ہو
لازم ہے بزمِ غم میں عزادار بن کے جائیے
وارثوں کا سوگ ہے کپڑے کسنے کھائیے
کپڑے بدل کیے اندوں میں جانا روا نہیں
نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
پہونچی جنابِ حضرتِ زینب کو یہ خبر
اپنا نہیں خیال بزرگوں کا پاس ہے
ہے شرم کی جگہ کہ میں ہوں خواہرِ امام
ہم ہیں فقیر ہم میں امیروں کا کیا ہے کام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدھر گئی
رو کر ہر اک سے بانوے ناشاد نے کہا
لوگو خدا کے واسطے چپکے رہو ذرا
پھر حشر قید خانہ میں ہوگا جو روئے گی
چپ ہو گئے یہ سن کے اسیرانِ نوحہ گر
آئی سواریِ زنِ حاکم قریبِ در
وحشت پہ قید خانہ کی جس دم نگاہ کی

کہنے لگیں یہ سب جو کنیزیں تھیں آس پاس
اس نے کہا کہ ہے مرے دل پہ ہجومِ یاس
کیسا لباس کیا کسی شادی میں جاتی ہوں
کچھ سوچ ہے مجھے نہیں کچھ اور ہی خیال
ہے سر کا گوندھنا بھی مجھے اس گھڑی وبال
کپڑے تو سب سیاہ ہوں اور سر پہ خاک ہو
خود روئے پیٹے بین کرے اور انھیں رلائے
روتا ہے دل مقام ہے عبرت کا ہائے ہائے
ان میں چلی ہوں جن کے سروں پر ردا نہیں
تھیں ساتھ ساتھ چند خواصیں بھی نوحہ گر
رنگ اڑ گیا یہ کہنے لگیں سر کو پیٹ کر
ہے ہے کہاں چھپوں وہ مری روشناس ہے
غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
لوگو بتا نہ دیجو کہیں اس کو میرا نام
کہہ دیجو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی
کیا حاصل اضطراب ہے قسمت کا جو لکھا
رو رو کے سو گئی ہے ابھی میری دلربا
چونکی اگر تو صبح تلک پھر نہ سوئے گی
جا بیٹھی ایک گوشہ میں زینب جھکا کے سر
درباں بھی دور ہٹ گئے دروازہ کھولکر
ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے خواصوں نے آہ کی

دل ہند کا تو رندھ گیا تھرّا گیا جگر
دیکھا نہیں مکاں کوئی تاریک اس قدر
ایسا بھی ظلم کرتا ہے کوئی جہان میں

بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیاں
چلیئے محل میں آپ بھلا جائیں گی کہاں
گر غش ہوئے تو آپ میں آیا نہ جائے گا

آزردہ ہو کے کہنے لگی ہندِ نوحہ گر
آخر جو اس میں قید ہیں وہ بھی تو ہیں بشر
جانے وہی کلیجے پہ جس کے چھری لگے

یہ بات کہہ کے آگے بڑھی وہ بصد الم
حلقہ گلے میں طوق کا زنجیر میں قدم
انساں ہے یہ اندھیرے میں یا شمعِ طور ہے

پڑھتی ہوئی درود گئی جب قریب تر
غل عورتوں میں تھا یہ فرشتہ ہے یا بشر
رتبے میں ہے بزرگ نسب میں جلیل ہے

کوئی بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار
ہائے ہے گلا یہ چاند سا اور طوقِ خاردار
لوگو بزرگ اس کے مقرر امیر ہیں

بولی کوئی کہ عابد و زاہد ہے یہ جواں
ایماں کا نور چہرۂ انور سے ہے عیاں
پر حق شریفِ قوم پہ گردوں ساس ہے

بولی ٹھہر کے ڈیوڑھی پہ یہ قبر ہے کہ گھر
پوچھو کوئی کسی سے کہ ہیں بی بیاں کدھر
بندے خدا کے بند ہیں ایسے مکان میں

بی بی کوئی اسیروں میں زندہ نہیں ہو یاں
قابل نہیں حضور کے جانے کے یہ مکاں
ہم سے تو اس خرابے میں جایا نہ جائے گا

عبرت کا یہ مقام ہے لونڈی خدا سے ڈر
تاراج یوں جہاں میں نہ ہوئے کسی کا گھر
ایسی نہ بات کہہ کہ خدا کو بری لگے

اک آفتابِ دین نظر آیا اسیرِ غم
بولی ٹھہر کے وہ کہ زہے شوکت و حشم
آئی ندائے غیب کہ خالق کا نور ہے

اللہ رے حسن کرنے لگی خیرگی نظر
اترا ہے آسماں سے خرابے میں یا قمر
ثابت ہے ضعف سے کہ نہایت علیل ہے

اے بیکس و اسیر و بلاکش ترے نثار
یہ گوری گوری پنڈلیاں زنجیر سے فگار
گویا جنابِ یوسفِ کنعاں اسیر ہیں

گھٹا جبیں پہ کثرتِ طاعت کا ہے نشاں
دیکھا نہیں حیا سے کہ ہیں کون بی بیاں
اشراف کو ہر ایک کی حرمت کا پاس ہے

جو غیر کی طرف نہ حیا سے کرے نظر
بے خیر ہووے جس کی طبیعت میں اُس سے شر
تقوے پہ اس کے عفت و عصمت گواہ ہو

افسوس ایسے بندۂ صالح پہ یہ تعب
بستر زمیں کا اور یہ تنِ زار ہو غضب
ہو خامشی دلیل عبادت کے شوق کی

باتیں یہ کر کے بی بیاں روتی تھیں زار زار
کہتی تھی دیکھ کر رُخِ اقدس کو بار بار
آنکھوں میں صاف پھرتی ہو صورت امام کی

آخر دبا کے پاؤں یہ بولی وہ نیک نام
بولے یہ آنکھیں کھول کے مولائے خاص و عام
ہجرِ پدر میں تلخ ہو لذت حیات کی

بولی یہ ہند کب سے علالت ہو میں نثار
اس نے کہا طبیب کو دکھلاؤ حالِ زار
راضی ہیں اس پہ ہم جو رضائے حبیب ہو

رنج و بلا کو لطفِ خدا جانتے ہیں ہم
ہر دردِ جاں ستاں کو دوا جانتے ہیں ہم
کچھ غم نہیں مرض سے اگر حال غیر ہو

ایذا کو چین رنج کو راحت سمجھتے ہیں
صابر ہیں نانِ جو کو بھی نعمت سمجھتے ہیں
عسرت ہو دُکھ ہو قید ہو فاقہ کشی رہے

ماں بہنیں ایسے شخص کی لوٹے ہیں ننگے سر
ٹوٹے غضب خدا کا لعینوں کی جان پر
قرآں ہم اُٹھا لیں کہ یہ بے گناہ ہو

زنداں میں کاٹتا ہو تڑپ کر تمام شب
آنکھیں جو بند ہیں یہ نقاہت کا ہو سبب
گردن جھکی ہوئی ہو گرانی سے طوق کی

سینے میں تھا مگر نہ دلِ ہند کو قرار
کس ملک کا رئیس ہو یارب یہ ذی وقار
تصویر ہو حسین علیہ السلام کی

اُٹھیے کہ دیر سے میں کھڑی ہوں پئے سلام
اس بیکس و یتیم و بلاکش سے کہا ہو کام
طاقت نہ آنکھیں کھولنے کی ہو نہ بات کی

فرمایا ساتویں سے محرم کی ہو بخار
فرمایا خیر شافیِ مطلق ہو کردگار
دی ہو یہ تپ اسی نے جو سب کا طبیب ہو

دُکھ میں کراہنے کو گلا جانتے ہیں ہم
عارض ہو عارضہ تو شفا جانتے ہیں ہم
صحت ہماری یہ ہو کہ عقبےٰ بخیر ہو

شیریں کو تلخ شور کو لذت سمجھتے ہیں
مرنے کو راہِ حق میں سعادت سمجھتے ہیں
دولت یہی بڑی ہو کہ خالق خوشی رہے

یہ ذکرِ سن کے رونے لگی بنتِ باوفا — کی عرض کیا ہی اسمِ مبارک حضور کا
گردن جھکائے قبلۂ چارم نے یہ کہا — بے کس غریب مردہ گرفتار و بے نوا
کیا پوچھتی ہو نام و نشاں خاکسار کا — اک بندۂ حقیر ہوں پروردگار کا
زیبا ہی نامِ پاک پئے خالقِ ودود — روزی رسانِ عالمیان واجب الوجود
جو معرضِ فنا میں ہیں کیا ان کی ہست و بود — قطروں کی کیا بساط حبابوں کی کیا نمود
درپیش منزلِ لحدِ خوفناک ہی — آغاز اپنا خاک ہی انجام خاک ہی

تھے مرتضےٰ علی کے جہاں میں بہت خطاب — شیرِ خدا امیرِ عرب مالک الرقاب
کارہ تھا ہر ترقیِ ظاہر سے وہ جناب — ہوتے تھے شاد کہتا تھا جو یا ابوتراب
جس کو فروتنی ہی وہی سر بلند ہی — خالق کو خاکساری انساں پسند ہی

اس نے کہا بتائیے والد کا اپنے نام — فرمایا فاقہ کش وطن آوارہ تشنہ کام
مقتولِ نیزہ و تبر و خنجر و حسام — جس کو ملا نہ پیاس میں پانی کا ایک جام
بے گور و بے کفن جسد پاش پاش ہی — سر یاں ہی کربلائے معلیٰ میں لاش ہی

پوچھا وطن کو اس نے تو بولے شہِ زمن — دارِ فنا مقامِ فنا منزلِ محن
بیٹھے فقیر تھک کے جہاں ہی وہی وطن — بے خانماں اسیر و پریشان و خستہ تن
پردیس میں تباہ ہوئے شہر چھٹ گیا — جنگل میں ہم بھی لٹ گئے اور گھر بھی لٹ گیا

اس نے کہا کہ طوق سے ہوئے گا دم خفا — فرمایا جس میں خالقِ کونین کی رضا
گھٹتا ہی گر گلا تو کچھ اس کا نہیں گلا — بندے ہیں امرِ حق میں نہیں اختیار کیا
صابر ہیں غیرِ شکرِ خدا کیا سخن کریں — ہم وہ نہیں کہ شکوۂ طوق و رسن کریں

وہ بولی اور بھائی بھی کیا تھے مہِ منیر — فرمایا ہاں جوان تھا اک اور اک صغیر
جرأت میں بے عدیل تھے صورت میں بے نظیر — دونوں کو تین روز نہ پانی ملا نہ شیر
اعدا کو دشمنی تھی صغیر و کبیر سے — برچھی سے ایک قتل ہوا ایک تیر سے

غش ہو گئے یہ کہہ کے امامِ فلک اساس
پہونچی ٹھہر ٹھہر کے جو سیدانیوں کے پاس
چہرے سبھوں کے غیرتِ خورشید و ماہ ہیں
پیدا ہی ان کی شان سے سیدانیوں کی شاں
یا ہاشمی ہیں یا علوی ہیں یہ خستہ جاں
یہ لاکھ گر چھپائیں تو کب مانتی ہوں میں
مٹی میں گو بھرے ہوئے ہیں ان کے روئے پاک
ہر چند ہیں صعوبتِ زنداں سے سب ہلاک
میں کس طرح کہوں کہ یہ آلِ عبا نہیں
چہروں کی آب و تاب پہ لوگو کرو تو غور
بازو ہیں ایک رسّی میں ہی ہی یہ ظلم و جور
مٹی میں مل گیا یہ چمن وا مصیبتا
آکر قریب کہنے لگی ہندِ خوش خصال
مجھ سے تو کچھ بیان کرو اپنے دل کا حال
کیوں لے گئے عدو تمھیں بلوائے عام میں
سنتی ہوں میں مدینے میں ہی آپ کا وطن
ہیں خیریت سے حضرتِ شبیر کی بہن
وہ بی بی روحِ بنتِ رسالت پناہ ہی
کیوں بی بیو بتاؤ خدا کے لئے ذرا
سنتی ہوں اب جواں ہیں ہمشکلِ مصطفےٰ
شہرت ہی ابنِ فاطمہ زہرا کے ماہ کی

ٹھہرا کے واں سے آگے بڑھی ہندِ بے حواس
رانڈوں کی شان دیکھ کے بولی وہ حق شناس
گویا کہ اہلِ بیتِ رسالت پناہ ہیں
ظاہر ہی صبر و شکر سے سادات کا نشاں
کس میں یہ معرفت کے سخن اور یہ بیاں
خوشبو کو اہلِ بیت کی پہچانتی ہوں میں
چھپتا ہی کوئی چاند پہ ڈالے ہزار خاک
روشن ہی قید خانۂ تاریک و ہولناک
ہاں فرق اتنا ہی کہ سروں پر ردا نہیں
دیکھا ہی قیدیوں کا کسی نے کبھی یہ طور
بچے بھی ہیں بندھے ہوئے دیکھو ستم یہ اور
ان گوری گردنوں میں رسن وا مصیبتا
اے بی بیو ہٹا دو ذرا رخ سے اپنے بال
کھیتی تمھاری ہو گئی کس بن میں پائمال
کس جرم پر اسیر ہوئے ملکِ شام میں
للہ کچھ کہو خبرِ سرورِ زمن
زندہ رکھے جہاں میں انھیں ربِ ذو المنن
عصمت پہ جس کی خالقِ اکبر گواہ ہی
ہی خیر سے مدینے میں فرزندِ مرتضا
سرسبز رکھے باغِ جہاں میں انھیں خدا
حسرت تو شہ کو ہوئے گی اکبر کے بیاہ کی

دل سے یہی ہے شام و سحر اب مری دعا
اکبر کا سہرا بانو کو دکھلائے اب خدا
ارمان نکلے بادشہِ مشرقین کا

جب ہند ختم کر چکی رو رو کے یہ کلام
صدقے گئی بتائیے کیا آپ کا ہے نام
زنداں میں سب اسیروں کی سردار آپ ہیں

بانو نے اس سے پھر یہ کہا تھام کر جگر
زینب کو پھر بتا کے یہ بولی بچشمِ تر
تو دل میں جانتی ہے کہ ان کی عزیز ہوں

وہ بولی کہ ہیں آپ کے فرزند خوش سیر
تیر و سناں سے قتل ہوئے رن میں دو پسر
ٹکڑے جگر کے صدمۂ فرقت سے ہوتے ہیں

یہ سن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
رخ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے

کہنے لگی یہ ہند سے زینب جگر فگار
اے ہند ان کا نام نہ لے بہر کردگار
اعدا تو مجھ کو لے گئے بلوائے عام میں

وہ شاد کام اور میں بیکس جگر فگار
بلوے میں لے گئے مجھے اعدا بحالِ زار
وہ بی بی پردہ دار ہے اور خوش خصال ہے

آقا مرے جہاں میں سلامت رہیں سدا
گھر میں بہو کو لائے جگر بندِ مصطفیٰ
آباد گھر ہو فاطمہ کے نورِ عین کا

بانو کے پاس آ کے یہ بولی وہ نیک نام
للہ کچھ کہو میں ہوئی جاتی ہوں تمام
ان قیدیوں کی قافلہ سالار آپ ہیں

ہم قیدیوں کے نام ہیں مظلوم و نوحہ گر
یہ بی بی جو کہ روتی ہیں پھوڑے اپنا سر
مختار یہ مری ہیں میں ان کی کنیز ہوں

فرمایا رو کے لٹ گیا بی بی ہمارا گھر
زنداں میں اک اسیر ہے مظلوم نوحہ گر
جو گود میں پلے تھے وہ جنگل میں سوتے ہیں

پھر مڑ کے روئے حضرتِ زینب پہ کی نگاہ
بے ساختہ کہا کہ زہے قدرتِ الٰہ
زینب تمھیں ہو خالقِ اکبر گواہ ہے

کیوں فالِ بد نکالتی ہے منہ سے بار بار
نسبت نہ ان سے دے کہ وہ ہیں فاطمہ وقار
دشمن نہ ان کے قید ہوں زندانِ شام میں

آباد وہ ہیں اور میں زنداں میں سوگوار
باہر کنیز ان کی نہیں نکلی زینہار
زینب نہیں ہی ہوں یہ ترا بیجا خیال ہے

یہ سُن کے بے قرار ہوئی ہندِ خوش خصال
ای میری شاہزادی چھپاؤ نہ مجھسے حال
تم کو قسم ہی فرقِ شہِ مشرقین کی

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی ہندِ ونمی زقار
چلائیں سر کو پیٹ کے با چشمِ اشکبار
پانی دیا نہ سبطِ رسالت پناہ کو

ای ہند کیا کہوں خبرِ شاہِ تشنہ لب
مطلق ڈرا نہ خالقِ اکبر سے بے ادب
رونے نہ پائے ماتمِ شاہِ شہید میں

کیا پوچھتی ہی تو خبرِ شاہِ بحر و بر
باندھا درخت میں کبھی خولی نے بے خطر
یاں تک تھی دشمنی سپہِ بدخصال کو

ای ہند رن میں شاہ کے یاور ہوئے شہید
بن بیاہے دشت میں علی اکبر ہوئے شہید
مرجھا گئے فاطمہ کی نہ کھیتی ہری ہوئی

میداں میں بے کفن ہی ابھی لاشِ شاہِ پاک
واحسرتا وہ گرم ہوا اور وہ فرشِ خاک
چہلم تلک ہوا نہ شہِ مشرقین کا

منگوایا ہند نے جو سرِ شاہِ بحر و بر
جب سر پہ شاہِ دیں کے سکینہ نے کی نظر
دُنیا سے تشنہ کام سفر کر گئے حسین

دیکھا بغور رُخ تو یہ بولی بصد ملال
زینب تمھیں ہو خواہرِ شبیرِ باکمال
جلدی کہو خبر مرے آقا حسین کی

فرطِ قلق سے دل ہوا زینب کا بے قرار
ای ہند کٹ گیا سرِ شبیرِ نامدار
حاکم نے بے گناہ کیا قتل شاہ کو

ہنگامِ عصر لٹ گیا زہرا کا باغ سب
چوبِ یزید اور لبِ شبیر ہی غضب
سر ننگے لے گئے ہمیں بزمِ یزید میں

فرقِ حسین تھا کبھی نیزے پہ جلوہ گر
لٹکا درِ یزید پہ سبطِ نبی کا سر
پتھر لگائے راہ میں زہرا کے لال کو

عباس قتل ہو گئے اصغر ہوئے شہید
شبر کا لال اور مرے دلبر ہوئے شہید
بچوں سے گود ہو گئی خالی بھری ہوئی

ہی ہی وہ دھوپ اور وہ میدانِ ہولناک
کس طرح دل نہ ہو مرا سینے میں چاک چاک
اب تک پڑا ہی دھوپ میں لاشہ حسین کا

مجرے کو اُٹھ کھڑے ہوئے قیدی بچشمِ تر
چلائی رو کے ہائے غضب مر گئے پدر
لو مجھ پہ اب یہ راز کھلا مر گئے حسین

پھر سر کو پیٹتی ہوئی دوڑی وہ سوگوار
منھ رکھ کے منہ پہ شہ کے جو روئی وہ دلفگار
دُنیا سے سب کی زیست کا نقشہ بدل گیا

بانو نے سر کو پیٹ کے تب یہ کیا بیاں
ای نورِ عین بس نہ کرو نالہ و فغاں
بچھڑے ہیں کب سے بادشہِ مشرقین سے

اُٹھی یہ کہہ کے بانوئے بیکس برہنہ سر
زینب کو پھر دکھا کے یہ بولی بچشمِ تر
زنداں کے تھے وہ ظلم کہ عاجز تھی جان سے

بی بی تمھاری ننھی سی میّت کے میں نثار
جی بھر کے تجھ کو دیکھ لے مادر جگر فگار
فرصت کبھی نہ ہوگی ہمیں شور و شین سے

ہے ہے اُٹھائے قید میں کیا کیا نہ رنج و غم
بابا کو یاد کر کے جو روتی تھیں وہ بدم
زخمی ہیں کان پھول سے عارض کبود ہیں

بی بی خدا پہ خوب ہے روشن ہمارا حال
کس طرح دوں کفن تجھے ای میری خوردسال
سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے

ہوتا جو واری پاس مرے کچھ بھی مال و زر
تابوت پر میں باندھتی سہرا بچشمِ تر
میّت یہی ہے بنتِ شہِ مشرقین کی

دامن میں لے لیا سرِ شبیرِ نامدار
صدمہ ہوا نکلنے لگی تن سے جانِ زار
جنبش ہوئی لبوں کو بس اور دم نکل گیا

بس مل چکیں حسین سے قربان جائے ماں
ایسا نہ ہو کہ گھٹ کے نکل جائے تن سے جاں
ہم بھی تو مل لیں فاطمہ کے نورِ عین سے

دیکھا پڑی ہے خاک پہ بے جاں وہ نوحہ گر
بچّی کو میری لے گئے سلطانِ بحر و بر
افسوس چل بسی مری پیاری جہان سے

منہ سے اُٹھاو کُرتے کا دامن پھر ایک بار
اماں کو اپنے پاس بُلا لو تو ہو قرار
تم یاں سے جا کے قبر میں سوؤ گی چین سے

باندھا گلے کو شمر نے رسّی سے ہا ستم
دیتے تھے گھڑکیاں تمھیں یہ بانیِ ستم
اب تک نشاں طمانچوں کے رُخ پر نمود ہیں

چادر تلک نہیں ہے چھپاؤں جو سر کے بال
نادار ہوں میں پاس نہ دولت ہے اور نہ مال
دو گز کفن کے واسطے محتاج لاش ہے

تربت بناتی ننھی سی میں سوختہ جگر
جو پوچھتا تو بس یہی کہتی میں نوحہ گر
دُنیا سے آج اُٹھ گئی عاشق حسین کی

بس اے انیسؔ بزم میں ہو گریہ و بُکا
یارب بحقِ احمد و زہرا و مجتبیٰ
دم لب پہ ہو زیارتِ مولا نصیب ہو

وقتِ دُعا ہے خالقِ اکبر سے کر دُعا
دکھلا دے جلد روضۂ سلطانِ کربلا
بیمارِ غم کو قربِ مسیحا نصیب ہو

رباعی

عزت ہے یار و آشنا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں

محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ ہاتھ جب اُٹھیں تو خدا کے آگے

رباعی

گو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا

لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہوں میں
مانندِ حباب خانہ بر دوش ہوں میں

رباعی

آئینۂ خاطر کی جلا ہے رونا
پوچھا جو علاجِ دل مسیحا نے کہا

اور دیدۂ مردم کی ضیا ہے رونا
ہر درد کی دُنیا میں دوا ہے رونا

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)
سنہ ۱۹۳۵ء
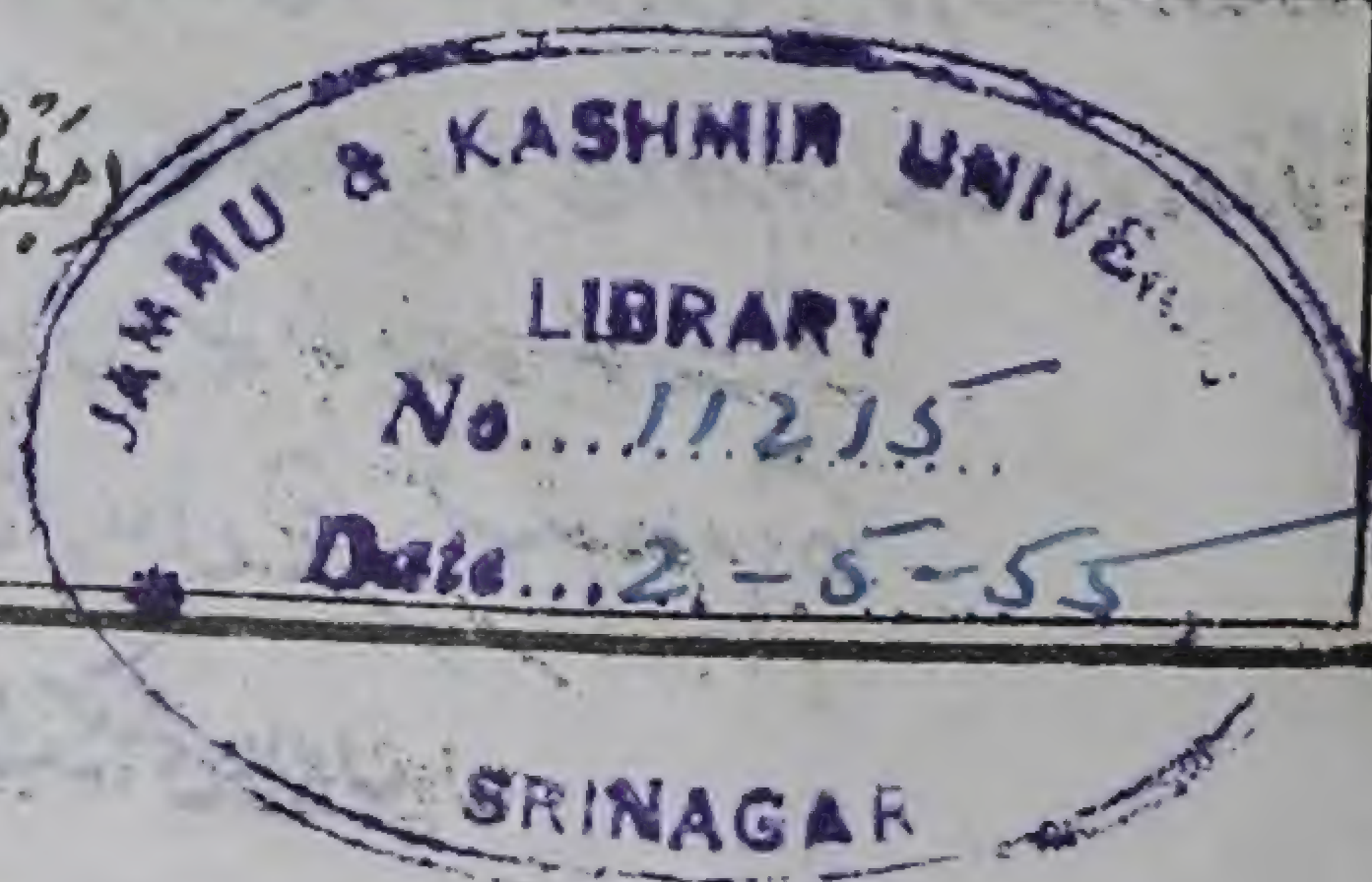
اُردو ادب کی مایۂ ناز کتابیں

مطبوعات نظامی پریس بدایوں

سلسلہ آصفیہ

دیوان غالب مع فرہنگ۔ سلسلہ آصفیہ نمبر۱
جلی قلم، خوشخط۔ کاغذ سفید چکنا سائز ۲۲×۲۹/۸ غالب کے مستند فوٹو
اور خود نوشتہ سوانح عمری نے جو اس کے ساتھ شامل ہے اس کی قیمت
کو بڑھا دیا ہے۔ آخر میں مشکل الفاظ اور غالبی محاورات کی فرہنگ
دی گئی ہے قیمت غیر مجلد عہ مجلد ؏

مراثی انیس جلد اوّل سلسلہ آصفیہ نمبر۲ میر صاحب
کی آخری عمر کا مشاقانہ کلام مرتبہ مولانا علی حیدر طباطبائی
مع ایک دلچسپ مقدمہ کے جس میں میر صاحب کے مختصر
حالات بھی دیئے گئے ہیں کتاب کے شروع میں میر صاحب کا
مستند فوٹو بھی شامل ہے جلد سنہری اعلیٰ قسم سائز ۲۲×۲۹/۸
کاغذ سفید قسم اعلیٰ طبع دوم قیمت ۶/

دیوان خواجہ میر درد سلسلہ آصفیہ نمبر۳۔ خواجہ میر
درد کا کلام فی الواقع درد سے بھرا ہوا ہے ایک مستند قدیم
قلمی نسخے سے مقابلہ کرکے نہایت عمدہ طریقہ سے چھاپا گیا ہے
علاوہ چھپائی کی عمدگی کے صحت اور جدید رسم الخط کا خاص طور
پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب
شروانی نواب صدر یار جنگ بہادر کا مقدمہ بھی شامل
ہے قیمت ؏

مراثی انیس جلد دوم سلسلہ آصفیہ نمبر۴ میر صاحب
کے زمانہ متوسط کا مشاقانہ کلام جلد اول میں شایع
ہوچکا ہے (ٹائٹل پیج کئی رنگ سے چھاپا گیا ہے۔ بعدہٗ
سنہ ۱۹۲۴ء میں یہ دوسری جلد شایع ہوئی جس میں
میر صاحب کے متوسط عمر کا کلام ہے جس کے آخر میں
ختام المسک کے عنوان سے مولانا طباطبائی صاحب مؤلف
نے میر صاحب کے کلام پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے سائز ۲۲×۲۹/۸
حجم ۵۲۸ صفحات کاغذ سفید مجلد ؏

مراثی انیس جلد سوم سلسلہ آصفیہ نمبر۵۔ اس جلد میں
میر صاحب کے عنفوان شباب کا کلام ہے میر صاحب کے
فوٹو کی تصویر اور ان کے خط کا عکس بھی شامل ہے مولوی نظامی
بدایونی کا ایک مختصر دیباچہ ہے جس میں میر صاحب کے ابتدائی
زمانہ کے کلام کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے سائز ۲۲×۲۹/۸
آرٹ پیپر نفیس اعلیٰ قسم کا کاغذ جلد خوبصورت قیمت ؏
کاغذ سفید قسم دوم مجلد ؏

تالیفات جناب کرنل مسعود المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر

خطوط سر سید۔ آنریبل سر سید احمد خاں صاحب کے بیش بہا خطوط کا
مجموعہ جس میں بہت سے معاشرتی مذہبی، تعلیمی مسائل کو حل کیا گیا
ہے مرتبہ سید راس مسعود صاحب بی۔ اے آکسن
اس سے قبل کوئی مجموعہ سید صاحب کے خطوط کا طبع نہیں ہوا سر سید کا
فوٹو اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط کا عکس بھی شامل ہے حجم
۳۰۰ صفحات قیمت قسم اول ؏ قسم دوم ؏

انتخاب زرّیں مرتبہ سید راس مسعود صاحب اس میں تقریباً ایک سو
شعرائے ماضی وحال کا مختصر حال مع سن ولادت و وفات اور
ان کے کلام کا نمونہ درج ہے طبع دوم ہے جس میں مؤلف کا فوٹو
بھی شامل ہے جلد نہایت خوبصورت ہے
قیمت قسم اول ؏ قسم دوم ؏

ملنے کا پتہ:۔ نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں